بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بیادگار
عالم باعمل شیخ طریقت حضرت مولانا صوفی محمد ایوب شریف القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
بانی جامعہ شمس العلوم، پپرا کنک، کشی نگر، یوپی
خانقاہ قادریہ ایوبیہ کا دینی، علمی اور اصلاحی ترجمان
سال نامہ
یادگارِ ایوبی
کشی نگر
جلد ۶
خصوصی پیش کش
فیضان خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان
بموقع عرس ایوبی
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ
یکم فروری ۲۰۱۷ء
زیر نگرانی
علامہ محمد احمد مصباحی مبارک پور
علامہ یٰسین اختر مصباحی دہلی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مبارک پور
مدیر
شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی
مجلس مشاورت
مولانا فروغ احمد مصباحی جمدا شاہی
مولانا محمد نظام الدین مصباحی جمدا شاہی
مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی مبارک پور
مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی مبارک پور
مولانا قاضی امید علی مصباحی جمدا شاہی
مولانا جنید احمد مصباحی مبارک پور
ترتیب
نفیس احمد قادری مصباحی
اختر حسین فیضی مصباحی
ناشر
مرکز مجلس ایوبی خانقاہ قادریہ ایوبیہ رضا نگر شریف، پپرا کنک، ضلع کشی نگر، (یوپی)

مشمولات

عنوان ------------------------- صفحہ نمبر

احساسات

شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی

سجادہ نشین: خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ (پیرا کنک، ضلع کشی نگر، یوپی) والد و مرشد گرامی عالمِ باعمل، صوفیِ باصفا حضرت علامہ محمد ایوب شریف القادری علیہ الرحمہ کے مبارک نام سے منسوب ہے۔ والد گرامی کے وصال کے بعد راقم سطور کے ناتواں کندھے پر آپ کی جانشینی کا بارِ گراں اہلِ عقیدت اور وابستگانِ شریف العلما کے ذریعے ڈال دیا گیا۔ پھر ہم نے اللہ کریم کی ذات پر بھروسا کرتے ہوئے اپنے اکابر علما اور مخلص احباب کے تعاون سے والد گرامی کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کے لیے لائحۂ عمل تیار کیا جس کے نتیجے میں مختلف میدانوں میں خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کی سرگرمیاں جاری ہوئیں۔ اللہ جل و علا کے فضل و کرم اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل بہت کم عرصے میں خانقاہ کی تعمیری، علمی اور دینی خدمات کو اہل علم کے ساتھ برادرانِ طریقت نے بھی سراہا جس سے آگے بڑھ کر کچھ اور کرنے کا حوصلہ ملا۔

خانقاہ کی تعمیراتی پیش رفت کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے البتہ اس کے تحت ہونے والے علمی و ادبی کاموں کی ایک مختصر روداد ذیل میں پیش کی جا رہی ہے، تاکہ اہلِ علم اس کی علمی پیش رفت سے آگاہ ہو سکیں۔

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام اب تک جن کتابوں کی اشاعت عمل میں آچکی ہے، ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) **یادگارِ ایوبی:** یہ خانقاہ کے زیر اہتمام نکلنے والا سالانہ مجلہ ہے، جس کی اب تک پانچ جلدیں قارئین اور برادرانِ طریقت کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین کے لیے مختلف اصحابِ علم و فن کی خدمات حاصل کی گئیں، جنہوں نے اپنا قیمتی وقت

صرف فرما کر ان شماروں کی اہمیت و افادیت اور وقعت دوبالا کر دی جس کے لیے خانقاہ بجا طور پر ان کی ممنون و شکر گذار ہے۔ یہ اہم اور مستقل شمارے اپنی ضخامت و حجم اور مواد و مشمولات کی وقعت و اہمیت کے پیشِ نظر اہلِ نظر کی توجہ اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ سالنامہ "یادگار ایوبی" کے خصوصی شماروں میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حیات و خدمات پر "انوار امام اعظم" صفحات ۸۵۳۔ غوث اعظم سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات وخدمات پر "فیضانِ غوثِ اعظم"، صفحات: ۲۵۲۔ اور مشائخِ مارہرہ کی حیات وخدمات پر "فیضانِ برکات، صفحات: ۲۰۸۔" خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۲) **سوادِ اعظم:** یہ کتاب بھی خانقاہِ قادریہ ایوبیہ و تحریک جماعتِ اہل سنت کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوئی۔ کتاب کے مؤلف حضرت علامہ یسٓ اختر مصباحی دام ظلّہ ہیں۔ ۱۲۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جماعتِ اہل سنت کی مرکزی شخصیات اور ان کی دینی و علمی خدمات اور افکار و عقائد پر مشتمل ہے۔ کتابی شکل میں اس کی پہلی طباعت دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی سے ۱۹۹۸ء میں ہوئی، پھر بعد میں ہندوپاک کے متعدّد اداروں کے زیر اہتمام اس کے کئی ایڈیشن آئے۔ خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام اشاعت میں حضرت مصباحی صاحب نے بڑے قیمتی اضافے کیے ہیں جن سے کتاب کی افادیت مزید بڑھ گئی ہے۔ ۲۰۱۱ء میں گیارہ سو کی تعداد میں اس کی اشاعت ہوئی، جو بفضلہ تعالیٰ خانقاہ کی طرف سے سب کی سب مفت تقسیم ہوئی۔

(۳) **شریف العلما کے احوال و آثار:** یہ کتاب بھی خانقاہِ قادریہ ایوبیہ و تحریک جماعتِ اہل سنت کے زیر اہتمام ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کی ترتیب و تالیف کا کام نوجوان صاحبِ قلم مولانا ارشاد عالم نعمانی، مصباحی نے کیا ہے۔ کتاب ۹۶/ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب والد گرامی حضرت مولانا محمد ایوب شریف القادری علیہ الرحمہ والرضوان کی زندگی کے احوال اور ان کی دینی و علمی خدمات پر مشتمل ہے۔ اختصار و جامعیت کے ساتھ اس کتاب میں حضرت والد گرامی کی زندگی کے اہم پہلوؤں پر جامع گفتگو کی گئی ہے۔

(۴) **آفتاب و ماہتاب:** یہ کتاب فقیہ اسلام، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری اور مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا قادری قدس سرہما کے احوال اور علمی خدمات پر مشتمل ہے

جس کی تالیف و ترتیب رئیس التحریر حضرت علامہ یٰس اختر مصباحی صاحب کے قلم سے ہوئی ہے۔ کتاب ۱۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی اشاعت خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ/ستمبر ۲۰۱۳ء میں پانچ ہزار کی تعداد میں عمل میں آئی اور سارے نسخے مفت تقسیم کیے گئے۔

مذکورہ بالا کتابوں اور یادگاری سالانہ مجلہ کے متعدّد شماروں کی اشاعت کے بعد ۲۵/ شوال المکرم ۱۴۳۵ھ/ ۲۲/ اگست ۲۰۱۴ء کو خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ایک اہم تصنیفی و تحقیقی ادارہ 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے نام سے قائم کیا گیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے تحت ابتدا میں کتابوں کی اشاعت کے تعلق سے کوئی مستقل شعبہ نہیں تھا۔ خانقاہ و تحریک اہلِ سنت و جماعت ہی کے زیر اہتمام دینی کتابوں کی اشاعت کا کام ہو رہا تھا، اس طرح چند کتابوں کی ہی اشاعت ہوئی کہ ذہن میں یہ خیال آیا کہ کتابوں کی اشاعت کے لیے خانقاہ کے تحت مستقل ایک شعبہ قائم ہونا چاہیے اور اس کے لیے اہلِ علم کی باضابطہ ایک مجلس ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس خیال نے عملی شکل اختیار کی اور احباب سے مشورے کے بعد اس اشاعتی ادارے کا نام ''مرکز مجلسِ ایوبی'' رکھا گیا، جس کا اہم مقصد یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کی خاطر مفید اور موثر کتابیں چھاپی جائیں اور خصوصی طور سے مجلس کے ارکان کی تصانیف کی اشاعت ہو۔

اس کے ارکان میں حسبِ ذیل بزرگان دین اور اہل قلم شامل ہیں:

۱- صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی (ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارکپور) سرپرست اعلیٰ

۲- رئیس التحریر حضرت علامہ یٰس اختر مصباحی (بانی و صدر: دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی) سرپرست اعلیٰ

۳- سراج الفقہا حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور)

۴- حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی (پرنسپل دارالعلوم علمیہ جمدا شاہی، بستی، یوپی)

۵- حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

۶- حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

۷- حضرت مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی (استاذ دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی)
۸- مولانا ارشاد عالم نعمانی (ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)
۹- مولانا شمس الدین رضوی مصباحی (استاذ دار العلوم منظر اسلام، التفات گنج، یوپی)
۱۰- مولانا جنید احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)
۱۱- مولانا غلام سید علیمی (پرنسپل جامعہ نظامیہ بیدیاپور)
۱۲- مولانا کمال احمد علیمی (استاذ دار العلوم علمیہ جمداشاہی، بستی، یوپی)
۱۳- مولانا محمد ابراہیم مصباحی (استاذ دار العلوم فیضانِ مدینہ، کشی نگر)
۱۴- مولانا عبد مناف ایوبی، (استاذ مرکز السنیہ جامعہ ایوبیہ، کشی نگر، یوپی)
۱۵- مولانا شمشاد احمد (استاذ جامعہ ایوب نسواں، کشی نگر)
۱۶- مولانا عبد السلام ثقافی (استاذ جامعہ ایوب نسواں، کشی نگر)
۱۷- مولانا داؤد کمال عزیز مصباحی (گوپال گنج، بہار)

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام سال میں ایک بار اس کے جملہ اراکین کی ایک مشاورتی مجلس منعقد ہوتی ہے جس کا خاص مقصد یہ ہوتا ہے کہ امسال مجلس کے تحت کیا کام ہوا اور آئندہ کن موضوعات پر کام ہونا چاہیے، اس کے تعلق سے مشورے کے بعد لائحۂ عمل مرتب کر لیا جائے۔ اس طرح اب تک کئی ایک مشاورتی مجلسیں 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام منعقد ہو چکی ہیں اور ہر سال جو لائحۂ عمل اہلِ علم کی جانب سے طے کیا جاتا ہے، کوشش کی جاتی ہے کہ اس کے مطابق عمل ہو۔ اب تک "مرکز مجلسِ ایوبی" کے زیر اہتمام جو کتابیں اشاعت پذیر ہو کر اہلِ علم اور قارئین کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) **شرح ہدایۃ النحو:** یہ کتاب والد گرامی حضرت مولانا ایوب شریف القادری کی تالیف ہے جو انھوں نے ہدایۃ النحو کے مختلف اہم مباحث کی تشریح میں ۱۳۷۰ھ/۱۹۷۰ء میں لائل پور، پاکستان میں قلم بند فرمائی تھی مولانا کمال احمد علیمی نے ترتیب جدید اور حواشی کے ساتھ اسے کتابی شکل میں تیار کیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ خود حضرت مولانا کمال احمد علیمی نے تحریر کیا ہے، جو کتاب کی استنادی اور افادی حیثیت پر ایک جامع تحریر ہے۔ کتاب کی

ترتیب جدید و حواشی میں مولانا موصوف نے بڑی دلچسپی اور لگن سے کام کیا ہے۔ حواشی کے ذریعے مباحث کو مزید آسان کیا گیا ہے، ساتھ ہی طلبہ کی استعداد کے پیشِ نظر مشقی و تمرینی سوالات کا اضافہ کرکے انھوں نے کتاب کے حسن میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ یہ کتاب درسِ نظامی کے طلبہ کے لیے اُردو زبان میں 'مرکز مجلسِ ایوبی' کی جانب سے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ کتاب کی پہلی طباعت ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں عمل میں آئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۸۴ ہے۔

(۲) **تبلیغی جماعت کا حقیقی روپ:** یہ کتاب بھی والد گرامی کی تصنیف ہے جو انھوں نے ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء میں علاقہ کشی نگر و اطراف میں تبلیغی جماعت کے پروپیگنڈے کے جواب میں قلمبند کیا تھا۔ کتاب کی پہلی اشاعت آپ کی حیات ہی میں تحریک جماعت اہل سنت کشی نگر کے زیر اہتمام ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی۔ اس کا جدید ایڈیشن مولانا جنید احمد مصباحی استاد جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی تخریج و تحقیق کے بعد 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۶ء میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ کتاب ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں مصنف نے تبلیغی جماعت کی حقیقت اور افکار و نظریات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ تبلیغی جماعت کا حقیقی روپ جاننے کے لیے یہ کتاب عوام و خواص ہر ایک کے لیے یکساں مفید ہے۔

(۳) **تنویر الابصار:** یہ کتاب حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاد جامعہ اشرفیہ کے صاحبزادہ گرامی مولانا رئیس اختر مصباحی کی تالیف ہے، جو انھوں نے اپنے عہد طالب علمی کے آخری سال اپنی دستار فضیلت کے موقع سے تیار کی تھی۔ کتاب احادیث و آثار میں مقبول و مسنون دعاؤں کا ایک نہایت شان دار اور مفید انتخاب ہے جو انھوں نے بڑی عرق ریزی سے عوام الناس کے افادے کے لیے جمع کی ہے۔ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں دعا کے فضائل و آداب پر بڑی جامع گفتگو ہے جب کہ دوسرے حصے میں احادیث و آثار میں مختلف مواقع کے لیے مسنون دعاؤں کا انتخاب ہے۔ اردو زبان میں ادعیہ ماثورہ پر یہ بڑی جامع کتاب ہے۔ یہ بھی 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔

(۴) **تذکرۂ بحر العلوم فرنگی محلی:** بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی کی حیات

وخدمات پر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی کی یہ کتاب 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام اشاعت کے لیے پریس کے حوالے کی جانے والی ہے۔

(۵) انوار قرآن: حضرت شریف العلما علیہ الرحمہ کے تفسیری مضامین کا مجموعہ جس کی ترتیب وتخریج مولانا ارشاد عالم نعمانی کر رہے ہیں، عنقریب یہ کتاب بھی 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام اشاعت کے لیے پریس کے حوالے کی جانے والی ہے۔

(٦) شریف العلما: حیات وخدمات: حضرت شریف العلما علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کے تعلق سے مولانا کمال احمد علیمی کی کوششوں سے اب تک اہلِ تعلق کے کثیر بیانات کیسٹوں میں محفوظ ہو چکے ہیں انھیں اصل صورت میں مناسب سرخیاں قائم کر کے کتاب کے حصہ اول کے طور پر اسی سال عرسِ ایوبی میں 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہونا ہے۔ عنقریب یہ کتاب بھی پریس کے حوالے کی جانے والی ہے اور اہل تعلق ووابستگان شریف العلما کے وہ بیانات جو بعد میں دستیاب ہوئے ہیں انہیں آئندہ عرس کے موقع پر حصہ دوم کے طور پر شائع کیا جائے گا۔

(۷) قواعد عربی: یہ کتاب حضرت شریف العلما علیہ الرحمہ کے ذریعے جمع کیے ہوئے قواعد عربی کا مجموعہ ہے جس کی تبییض وترتیب مولانا کمال احمد علیمی کر رہے ہیں، عنقریب یہ کتاب بھی 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام اشاعت کے لیے پریس کے حوالے کی جانے والی ہے۔

(۸) شریف العلما اور اصلاحِ معاشرہ: اس کی تالیف وتصحیح کا کام مولانا شمس الدین مصباحی (استاذ: دار العلوم منظرِ اسلام، التفات گنج، امبیڈکر نگر) نے کیا ہے۔ یہ کتاب بھی 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔

(۹) الدروس الایوبیۃ: نصابی کتاب ''الدروس الایوبیۃ'' (عربی، انگریزی) عن قریب ''مرکز مجلسِ ایوبی'' کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہونے والی ہے۔

کتابوں کی اشاعت وتشہیر کے ساتھ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۲ء سے خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام اہم موضوعات پر سیمینار و کانفرنس کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا جو اب تک تسلسل کے

ساتھ جاری ہے۔ خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام اکابر علمائے اہلِ سنت خصوصًا صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی، رئیس التحریر علامہ یس اختر مصباحی اور سراج الفقہاء مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی دام ظلہم العالی کی صدارت و قیادت اور حمایت میں اب تک چار اہم سیمینار منعقد کیے جاچکے ہیں اور ان چاروں سیمیناروں کے مقالات بھی کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہوچکے ہیں۔ ذیل میں منعقدہ سیمینار و کانفرنس کی مختصر تفصیل آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

☆ **سہ روزہ امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار و کانفرنس:** یہ سیمینار ۷-۸-۹/ صفر ۱۴۳۴ھ/ ۲۱-۲۲-۲۳/ دسمبر ۲۰۱۲ء کو ممبئی میں منعقد کیا گیا۔ شرکاے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ ۸۵۳ صفحات پر مشتمل **"انوارِ امام اعظم"** کے نام سے خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ۱۴۳۴ھ/ مارچ ۲۰۱۳ء میں چھپ کر نذرِ قارئین ہوچکا ہے۔ اس سیمینار و کانفرنس کے مقالات کی ترتیب و تدوین کا اہم کام حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی نے انجام دیا ہے۔

☆ **فیضان برکات سیمینار و کانفرنس:** مشائخ مارہرہ مطہرہ کی حیات و خدمات پر یک روزہ سیمینار و کانفرنس کا انعقاد خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء میں کیا گیا اور شرکائے سیمینار کے مقالات کو عرس ایوبی جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ/ مارچ ۲۰۱۴ء میں **"فیضان برکات"** کے نام سے شائع کیے گئے۔ اس سیمینار کے مقالات کی ترتیب حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی کے اشتراک سے عمل میں آئی۔

☆ **فیضانِ غوثِ اعظم سیمینار و کانفرنس:** غوث صمدانی، محبوبِ سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کی حیات و خدمات پر یہ سیمینار خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام انعقاد پذیر ہوا۔ شرکائے سیمینار کے مقالات اور دیگر اہلِ قلم کی اہم تحریروں کی شمولیت کے ساتھ مقالات کا مجموعہ **"فیضان غوثِ اعظم"** کے نام سے خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء میں شائع کیا گیا اس کی ترتیب بھی حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین فیضی کی مرہون منت ہے۔

☆ **فیضانِ خواجہ غریب نواز سیمینار و کانفرنس:** سلطان الہند، عطائے

رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات و خدمات پر سیمینار کا انعقاد خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ہوا۔ شرکائے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ **"فیضانِ خواجہ غریب نواز"** کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

☆ **شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سیمینار و کانفرنس:** سراج الہند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ابن امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے دوسوسالہ یومِ وصال کی مناسبت سے آپ کی حیات و خدمات پر ۲۰۱۶ء میں انعقاد پذیر ہوا۔ شرکائے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ 'شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: احوال و آثار' کے نام سے زیر ترتیب ہے۔

☆ **بحرالعلوم حضرت علامہ عبدالعلی فرنگی محلی سیمینار و کانفرنس:** یہ ابھی منعقد ہونا باقی ہے، جس کے لیے لائحہ عمل اور پروگرام کی ترتیب اہل علم اور ارکان مجلس سے مشاورت کے بعد تقریباً طے ہو چکی ہے، ان شاء اللہ اسی سیمینار کے موقعے سے یادگار ایوبی کا زیر نظر خصوصی شمارہ (فیضان خواجہ غریب نواز) آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء میں مذکورہ موضوع پر سیمینار و کانفرنس کے انعقاد اور 'مرکز مجلسِ ایوبی' کے زیر اہتمام علمی کتابوں کی اشاعت کے لیے ایک مشاورتی مجلس میں جو امور باتفاق رائے طے کیے گئے ان کی رپورٹ اس طرح ہے:

"آج مؤرخہ ۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ /۱۸/ اگست ۲۰۱۶ء شبِ جمعہ بعد نمازِ مغرب مرکز مجلسِ ایوبی، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر کی ایک سالانہ نشست زیر صدارت صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی، ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور منعقد ہوئی، جس میں باتفاقِ رائے درج ذیل امور طے ہوئے:

(۱) اس سال عرسِ قادری ایوبی کے موقع پر بحرالعلوم فرنگی محلی سیمینار کے لیے سب سے پہلے حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی کی کتاب "تذکرۂ بحرالعلوم فرنگی محلی" شائع کی جائے اور پھر متعلقہ موضوع کے تحت عنوانات مقرر کر کے قلم کاروں کو دعوت نامے کے ساتھ یہ کتاب بھی بھیج دی جائے تاکہ مقالہ نویسی میں آسانی ہو اور مقالے نسبتاً وقیع، کارآمد اور مفید ہو سکیں۔

(۲) حضرت شریف العلما علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات کے تعلق سے مولانا کمال احمد علیمی کی کوششوں سے اب تک اہلِ تعلق کے جو بیانات کیسٹوں میں محفوظ ہو چکے ہیں انھیں اصل صورت میں مناسب سرخیاں قائم کرکے کتاب کے حصۂ اول کے طور پر اسی سال عرسِ ایوبی میں شائع کیا جائے اور بعد میں جو مواد دستیاب ہوا سے آئندہ عرس کے موقع پر حصہ دوم کے طور پر شائع کیا جائے۔

(۳) حضرت شریف العلما علیہ الرحمہ کی مختلف موضوعات سے متعلق تقریروں کا ایک مجموعہ تیار کرکے آئندہ عرس تک شائع کیا جائے، اس کی ترتیب و تدوین کی ذمہ داری مولانا محمد طیب علیمی (استاذ: دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی) کے حوالے کی گئی۔

(۴) حضرت شریف العلما علیہ الرحمہ کے تفسیری مضامین کا مجموعہ بھی اسی سال عرسِ قادری ایوبی کے موقع پر شائع ہونا ہے جس کی ترتیب و تخریج کی ذمہ داری مولانا ارشاد عالم نعمانی کے ذمے ہے۔

(۵) "شریف العلما اور اصلاحِ معاشرہ" نامی رسالہ بھی اسی سال عرسِ قادری ایوبی کے موقع پر اشاعت پذیر ہوگا۔ جس کی تالیف و تصحیح کا کام مولانا شمس الدین مصباحی (استاذ: دارالعلوم منظرِ اسلام، التفات گنج، امبیڈکر نگر) کے ذمہ کیا گیا۔

اخیر میں حضرت صدر العلما دام ظلہ العالی کی دعا پر پونے دس بجے رات کو نشست کا اختتام ہوا۔"

شرکاے نشست یہ ہیں:

۱- صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ دام ظلّہ العالی، مبارک پور
۲- حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی، دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی
۳- حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور
۴- حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور
۵- حضرت مولانا جنید احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور
۶- حضرت مولانا شمس الدین، دار العلوم منظر اسلام، التفات گنج
۷- حضرت مولانا غلام سید علی علیمی، پرنسپل جامعہ نظامیہ

۸- حضرت مولانا محمد طیب علیمی، علیمیہ جمدا شاہی

۹- حضرت مولانا کمال احمد علیمی، علیمیہ جمدا شاہی

۱۰- حضرت مولانا محمد داؤد کمال عزیز مصباحی، گوپال گنج

۱۱- حضرت مولانا شمشاد احمد، استاذ جامعہ ایوبیہ نسواں پپرا کنک

۱۲- حضرت مولانا محمد ابراہیم مصباحی، دار العلوم فیضان مدینہ، کشی نگر

۱۳- حضرت مولانا عبد السلام ثقافی، استاذ جامعہ ایوبیہ نسواں پپرا کنک

۱۴- برادر محترم کونین رضا قادری ایوبی

۱۵- برادر گرامی انجینیر حسنین رضا قادری ایوبی

۱۶- راقم سطور (سبطین رضا قادری ایوبی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ ایوبیہ)

شرکاے نشست کی راے کے مطابق بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی فرنگی محلی پر سیمینار و کانفرنس کا حتمی ارادہ کرلیا ہے اور صدر العلما و دیگر اہلِ تعلّق کے مطابق راقم نے رئیس التحریر حضرت علامہ یس آختر مصباحی دام ظلہ العالی سے کتاب کی تصنیف کی گزارش کی۔ حضرت نے عریضے کو منظور فرمایا اور ایک ماہ کے مختصر عرصے میں ایک مختصر کتاب "تذکرۂ بحر العلوم فرنگی محلی" تصنیف فرما کر راقم کے حوالے کی۔ چناں چہ یہ کتاب بلا تاخیر پریس کے حوالے کی جارہی ہے تاکہ وقت پر اس کی اشاعت عمل میں آسکے اور سیمینار میں مدعو مقالہ نگاروں تک اس کے نسخے بھجوائے جاسکیں اور وہ اس کی روشنی میں علمی مقالات سپردِ قرطاس فرما کر شریک سیمینار ہوسکیں۔ ان شاء اللہ سیمینار کے انعقاد کے بعد شرکاے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ بھی جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ راقم ذاتی طور پر اس اہم کام کی تکمیل پر حضرت مصباحی صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرتا ہے اور اس بات کے لیے بھی آپ کا ممنونِ احسان ہے کہ خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے علمی و تحقیقی کاموں کے پیچھے حضرت کی مشفقانہ تحریک و سرپرستی بڑی معاون ثابت ہوتی ہے۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ میں علما و مشایخ کی آمد:

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ خانقاہ قادریہ ایوبیہ میں ابتدا ہی سے مستند علما و مشایخ کی آمد ہوتی رہی ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شروع ہی سے اس

خانقاہ کو علما و مشائخ عصر کی حمایت و سرپرستی حاصل ہے۔ خانقاہ کے تعلق سے علما و مشائخ کے گراں قدر تاثرات ،احساسات اور خیالات ہمارے اس دعوے پر شاہد ہیں، ان تاثرات کے نقل کا یہ موقع نہیں ،ان علما و مشائخ کی حوصلہ افزائیوں سے کاروان ایوبی بڑی تیزی سے منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالی اس میں مزید استحکام و ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

ذیل میں چند مشاہیر کے اسمائے گرامی ذکر کیے جاتے ہیں یہاں جن کی آمد سے ہمارے حوصلوں کو تقویت ملی:

۱- حضرت علامہ محمد احمد مصباحی (ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)
۲- حضرت علامہ یس اختر مصباحی (بانی و صدر: دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی)
۳- حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور)
۴- حضرت مولانا توصیف رضا خان قادری (بریلی شریف)
۵۔ حضرت مفتی عبد المنان کلیمی (صدر مجلس علمائے ہند و مفتی شہر مرادآباد)
۶- حضرت مفتی محمد قاسم ابراہیمی (سابق ایم ایل اے حکومت بہار)
۷- حضرت مولانا فروغ احمد مصباحی (پرنسپل: دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی، یوپی)
۸- حضرت قاری رضی اللہ چترویدی (دیوریا یوپی)
۹۔ حضرت مولانا نظام الدین مصباحی (استاد شعبہ عربی ادب دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی)
۱۰- حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی (استاد جامعہ اشرفیہ مبارکپور)
۱۱- حضرت مولانا مقبول احمد مصباحی (مہتمم جامعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی)
۱۲- حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی (ایڈیٹر، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور)
۱۳- حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ: جامعہ اشرفیہ مبارکپور)
۱۴- حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (استاذ: جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

ان مشاہیر علما و مشائخ کے علاوہ جن دانشوران قوم و ملت کی بنفس نفیس خانقاہ قادریہ ایوبیہ میں آمد ہو چکی ہے ان میں درج ذیل شخصیات قابل ذکر ہیں:

۱- جناب پروفیسر اختر الواسع (جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی)

۲- جناب شمس الدین محمد مشرف [ایس ایم مشرف] (سابق آئی پی ایس پونے، مہاراشٹر)

۳- فخر صحافت جناب عزیز برنی (سابق گروپ ایڈیٹر راشٹریہ سہارا یوپی)

ان کے علاوہ بہت سے مشاہیر علما و مشائخ اور دانشوروں کی خانقاہ قادریہ ایوبیہ کشی نگر و ممبئی میں آمد ہو چکی ہے جن کا ذکر طوالت کے خوف سے ترک کیا جا رہا ہے۔ خانقاہ قادریہ ایوبیہ کی تعلیمی، تدریسی اور تعمیری خدمات پر مشتمل تفصیلی مضمون میں ان حضرات کا ذکر کیا جائے گا اور ساتھ ہی خانقاہ اور صاحب خانقاہ کے حوالے سے ان کے گراں قدر تاثرات، خیالات اور احساسات بھی قلم بند کیے جائیں گے۔

اخیر میں بطور خاص میں اپنے دو محسن حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (اساتذہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور) کی خدمت میں بطور خاص امتنان و تشکر کے کلمات پیش کرتا ہوں جن کی کاوشوں سے خانقاہ کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار کے مقالات کے مجموعے "سالنامہ یادگارِ ایوبی" کے خصوصی اور دستاویزی شمارے کی شکل میں تسلسل اور پابندی کے ساتھ قارئین اور برادران طریقت کے ذوق مطالعہ کی نذر ہو رہے ہیں، ادارہ ان عنایات کے لیے ان بزرگوں کا سراپا ممنون احسان ہے کیوں کہ اگر یہ حضرات اپنی بے لوث خدمات اس کے لیے نذر نہ کرتے تو یہ اس قدر پابندی کے ساتھ اس طرح کے معیاری اور دستاویزی شمارے آپ حضرات کی خدمت میں پیش نہیں کر پاتا۔

اخیر میں ادارہ حضرت صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی بارگاہ میں سراپا سپاس ہے، جن کی بے لوث سرپرستی اور نگرانی برابر اس کے ساتھ رہی ہے، اور ان شاء اللہ مستقبل میں بھی یہ سلسلہ خیر و برکت جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ کرم ہم سبھی برادران طریقت پر دراز سے دراز فرمائے، آمین۔

شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی

سجادہ نشین: خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر

۷ر نومبر ۲۰۱۶ء، بروز پیر، شب بعد نماز مغرب

ہندستان میں سلسلۂ چشتیہ کا دور اول

اختر حسین فیضی کے قلم سے

غیر منقسم ہندستان میں اگر مذہبی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقیت واضح ہو جائے گی کہ مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کا بیش تر کام مشہور چار سلاسل طریقت (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) کے ذریعے انجام پایا، ہندستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں تمام سلاسل کا حصہ ہے، لیکن تاریخی شواہد اس بات کا بھی انکشاف کرتے ہیں کہ اس ملک میں اولاً سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے قدم آئے، خواجہ محمد بن ابو احمد چشتی (م:۴۰۹ یا ۴۱۱ھ) یہ پہلے چشتی بزرگ ہیں جنھوں نے اشارۂ غیبی پاکر ہندستان کا رخ کیا اور آپ کی دعاے مستجاب نے سلطان محمود غزنوی کی یاوری کی، بلکہ حضرت ملا عبد الرحمن جامی علیہ الرحمہ کا خیال ہے کہ آپ نے سلطان کی فوج میں شامل ہوکر مشرکوں سے جہاد بھی کیا، لکھتے ہیں:

”وقتے کہ سلطان محمود غزو سومنات رفتہ بود، خواجہ را در واقعہ نمودند کہ بہ مدد گاری وے می باید رفت، در سن ہفتاد سالگی با درویشے چند متوجہ شد، چوں آں جا رسید بہ نفس مبارک خود با مشرکان و عبدہ اصنام جہاد کرد۔ (نفحات الانس، ص:۳۲۹)

جس وقت محمود غزنوی سومنات (ہندوستان) کی لڑائی کے لیے گیا ہوا تھا خواجہ (محمد بن ابو احمد چشتی) کو اشارہ غیبی ہوا کہ آپ سلطان کی مدد کے لیے جائیں، وہ ستر سال کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر بہ نفس نفیس مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا۔

خواجہ محمد بن ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے ہندوستان کے اندر دینی اور روحانی تعلیمات آئیں، لیکن ترویج و اشاعت میں تیزی اس وقت آئی جب خواجہ معین الدین چشتی سجزی رحمۃ اللہ علیہ کے قدم یہاں آئے، آپ نے اجمیر کو اپنا مستقر بنایا جو ان دنوں پرتھوی راج چوہان کا دار الحکومت تھا، تاریخی بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، شہاب الدین غوری کے حملوں کے دوران ہندوستان تشریف لاچکے تھے، غوری کے حملے ۵۷۱ھ سے ۶۰۲ھ تک جاری رہے۔

ادھر خواجہ صاحب اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ پرتھوی راج (راجا پتھورا) کا ظلم وستم زوروں پر تھا، اس کے ظلم سے عاجز آکر حضرت خواجہ نے فرمایا:

پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم بہ لشکر اسلام۔ (سیر الاولیا، ص:۴۷)

ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا۔

اس کے بعد سلطان محمد غوری، پتھورا پر حملہ آور ہوا، دونوں کے درمیان مقابلہ آرائی ہوئی اور پتھورا نے شکست کھائی۔

محمد غوری کی فتح کے بعد حضرت خواجہ اجمیری کو اطمینان اور سہولت کے ساتھ دین کی اشاعت اور تبلیغ کا موقع ملا، اس دوران آپ نے اپنی جاں گسل محنتوں اور پیہم کوششوں سے اسلام کی آب یاری کی اور توحید کا پرچم اتنا بلند کر دیا کہ ہندوستان کے ہر گوشے میں اس کی عظمت وشوکت محسوس کی جانے لگی، اس دور کے حالات اور حضرت خواجہ کی دعوتی، تبلیغی مساعی اور اس کے نتائج محمد بن مبارک علوی کرمانی کی زبانی سنیے:

مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب ہمہ دیار کفر و کافری وبت پرستی بود، ومتمردان ہند ہر یکے دعوائے "أنا ربکم الأعلی" می کردند وخدائے را جل وعلا شریک می گفتند وسنگ وکلوخ ودار ودرخت وستور وگاو وسرگین آں را سجدہ می کردند وبظلمت کفر قفل دل ایشاں مظلم ومحکم بود۔

ہمہ غافل از حکم دین وشریعت	ہمہ بے خبر از خدا وپیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ	نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

بہ وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقیں کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن ومنور گشت۔

از تیغ او بجائے صلیب وکلیسا	در دار کفر مسجد ومحراب ومنبر است
آں جا کہ بود نعرہ وفریاد مشرکاں	اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است

(سیر الاولیا، ص:۴۷)

ملک ہندوستان میں مشرق کے آخری کنارے تک کفر وشرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان کے سرکش اور متکبرین خدائی کا دعوی ک رہے تھے اور دوسروں کو اللہ جل وعلا کا شریک ٹھہراتے پتھر، ڈھیلا، لکڑی، درخت جانور، گائے اور اس کے گوبر تک کو سجدہ کرتے، کفر کی ظلمت کی وجہ سے ان کے دل پر تالے لگے تھے۔ سب دین وشریعت کے حکم سے غافل اور اللہ ورسول سے بے خبر تھے، نہ کسی نے قبلہ کی سمت دیکھی اور نہ اللہ اکبر کی گونج سنی۔ آفتاب اہل یقین خواجہ معین الدین چشتی جو حقیقت میں معین دین تھے، ان کے مبارک قدم آنے کی برکت سے اس ملک کی تاریکی اسلام کی روشنی میں بدل گئی۔ ان کی سعی پیہم سے اس کفر وشرک کی آماج گاہ میں صلیب وکلیسا کی جگہ مسجد ومحراب اور منبر نظر آنے لگے اور جہاں مشرکین کی جے جے کار بلند ہوتی تھی اب وہاں نعرۂ تکبیر کا غلغلہ ہے۔

پرتھوی راج کی شکست کے بعد اجمیر کی سیاسی ساکھ کمزور پڑ گئی اور دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی، اس تبدیلی کا حضرت خواجہ پر کوئی اثر نہ پڑا، حسب سابق وہ اجمیر میں رہ کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے، ہاں! اتنا ضرور کیا کہ اپنے ایک چہیتے مرید اور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو دہلی بھیج کر سلسلے کی نشر واشاعت پر تعینات کر دیا، حضرت خواجہ قطب نے شمالی ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے ذریعے اسلامی تعلیمات کو خوب فروغ دیا۔

آپ ۶۱۲ھ/۱۲۱۴ء میں دہلی تشریف لائے، اس وقت دہلی کے پایہ تخت پر سلطان شمس الدین التمش کا جلوہ تھا، یہ وہ دور تھا جب کہ دہلی کی تعمیر نو زوروں پر تھی، منگولوں کے طوفان شر وفساد کی وجہ سے وسط ایشیا سے علما، مشائخ، ادبا اور شعرا دہلی کا رخ کر رہے تھے، اس طور پر دہلی فضل وکمال اور علم وآگہی کا ایک پرکشش شہر بن گیا، اس حسین شہر علم وادب میں رشد وہدایت کی بساط بچھا کر حضرت خواجہ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ چشتیہ کو عروج وارتقا کی منزلیں عطا کیں۔

التمش جو علما ومشائخ کا بڑا عقیدت مند تھا، اس کی نگاہ جوہر شناس نے پہچاننے میں دیر نہ کی، ان پر گرویدہ ہو گیا، برابر خدمت میں حاضر ہوتا اور فیض یابی کے بہانے تلاش کرتا، ایک دن وہ بھی آیا کہ حضرت نے سلطان کو ارادت وخلافت سے سرفراز کیا، لیکن حضرت کا حال یہ تھا کہ وہ حکومت اور ارباب حکومت سے قطع تعلق رکھ کر خلق خدا کے دلوں پر

حکومت کرتے، چوں کہ ماحول ساز گار تھا اس لیے آپ نے بڑی فراخی کے ساتھ غیروں تک اسلام کی دعوت پہنچائی اور اپنوں کو گم رہی سے باز رہنے کے راستے بتائے، ادھر التمش کی عقیدت یہاں تک بڑھی کہ اس نے حوض شمسی کی تعمیر میں حضرت سے خاص مشورے لیے اور ان کی یاد گار کے طور پر "قطب مینار" کے نام سے ایک پر شکوہ مینار کی تعمیر کی۔

حضرت نے ۶۳۴ھ/۱۲۳۵ء میں انتقال فرمایا، ان کے بعد جانشینی حضرت بابا شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض ہوئی، آپ کے آباد واجداد کا شمار کابل کے معزز ترین لوگوں میں ہوتا تھا، چنگیزی حملے کے دوران وہاں سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے، ان کے دادا ملتان کے قریب "کھوتوال" میں منصب قضا پر فائز تھے وہیں ۵۶۹ھ میں بابا فرید کی پیدائش ہوئی کھوتوال میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس وقت کے مرکز علم وادب ملتان جاکر اعلی تعلیم حاصل کی اور قندھار میں تکمیل فرمائی، اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور شیخ سے سلوک ومعرفت کی تعلیم حاصل کی تکمیل کے بعد خلافت سے نوازے گئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی روانہ ہو گئے اور وہیں اقامت اختیار کی، پھر ہانسی کو اپنے خلیفہ جمال الدین ہانسویں کے حوالے کیا اور خود قصبہ اجودھن (پاک پٹن) کے لیے روانہ ہو گئے وہیں مسجد کے ایک گوشے میں ذکر الہی میں مشغول رہتے، آپ نے عبادت وریاضت میں جو محنت شاقہ کی وہ آپ ہی کا حصہ تھا، مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے جسم لاغر ہو چکا تھا اخیر عمر میں آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

چالیس سال تک اللہ تعالی نے جو کچھ فرمایا بندہ مسعود نے وہی کیا، اب چند سالوں سے مسعود کے دل میں جو خطرہ پیدا ہوتا ہے یا اسے مانگتا ہے، پاتا ہے۔ (خیر المجالس)

حضرت کی مقبولیت اس قدر ہوئی کہ عقیدت مند ہر وقت آپ کے ارد گرد جمع رہتے اور آپ ان کی صلاحیت کے مطابق انھیں پند ونصائح سے نوازتے، مخلوق کے ساتھ ہم دردی اور بروقت ان کی اصلاح وتربیت نے سلسلہ چشتیہ کو خوب عروج بخشا نتیجۃً چشتی پیغام ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

حضرت بابا فرید نے اپنی زندگی میں بڑے انقلابات دیکھے، ۵۸۴ھ سے ۶۷۹ھ

تک کا زمانہ بر صغیر کا وہ زمانہ گزرا ہے جس میں غزنویوں کا زوال، غوریوں کا عروج اور شمالی ہند میں ترکوں کا تسلط رونما ہوا یہ سب انھوں نے مشاہدہ کیا اور انھوں نے یہ منظر بھی دیکھا کہ ہندوستان میں منگولوں کی در اندازی سے لوگ سہمے سہمے نظر آرہے ہیں، اس سیاسی رسہ کشی اور افراتفری کے ماحول میں آپ کی زاہدانہ زندگی روحانی تاریخ کا ایک اہم اور قابل قدر باب رقم کر رہی تھی، سلاطین وقت کی فتوحات تو ماضی کے قصے بن کر رہ گئیں، لیکن لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے والے مرد درویش کی دعوت توحید اور پیغام محبت زندہ ہیں اور قیامت تک ان کی زندگی سے روح ایمانی کو حیات تازہ ملتی رہے گی۔

جب آپ کی عبادت وریاضت کا شہرہ ہوا اور گروہ در گروہ لوگ آپ کی خدمت میں آنے لگے اس وقت آپ نے دعوت وارشاد کی ایسی قندیل روشن کی جس کی روشنی نے پنجاب کو حق کا اجالا عطا کیا، یہ وہ وقت تھا جب کہ دہلی کے تخت پر ناصر الدین محمود کا قبضہ تھا، سلطان نیک طبیعت اور درویش صفت انسان تھا اور زندگی کے اخیر دور میں سلطان غیاث الدین بلبن کے ہاتھ حکومت دہلی کی باگ ڈور آئی، یہ بھی درویشوں کا بڑا عقیدت مند تھا اس کے دور میں بھی اسلامی تحریکوں کو خوب فروغ ملا۔

سلسلہ چشتیہ کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے دہلی میں متعارف کرایا لیکن بابا فرید کی وجہ سے علاقہ پنجاب میں اس سلسلے کو استحکام ملا اور حقیقت تو یہ ہے کہ بابا فرید کے دو خلفا سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا اور شیخ المشائخ خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کے ذریعے اس سلسلے کی ہندوستان میں بڑے پیمانے پر نشر واشاعت ہوئی، اس طرح سلسلہ چشتیہ کی دو بڑی شاخیں نظامیہ اور صابریہ وجود میں آئیں۔

سلسلہ نظامیہ:

حضرت نظام الدین اولیا کے زمانے میں سلسلہ چشتیہ کو غیر معمولی عروج ملا، انھوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں خانقاہیں قائم کیں جس کی وجہ سے ان کی طرف عام رجوع ہونے لگا اور تربیت واصلاح کے کام میں تیزی آگئی اور خود حضرت کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا امیر، غریب، شہری، دیہاتی اور ہر عام وخاص جب چاہتا

ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اور اپنی دینی، روحانی پیاس بجھاتا، آپ نے بیعت کا عام دروازہ کھول دیا تھا اور جسے محسوس کرتے اسے خلافت سے بھی نوازتے، آپ کی جہد مسلسل سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں سلسلہ چشتیہ کے اثرات پہنچ گئے، محمد غوثی شطاری گلزار ابرار میں لکھتے ہیں:

ان ایام میں زمین ہند کو عجیب زمانہ حاصل تھا، کیوں کہ آپ کی بارگاہ خلافت سے وقتاً فوقتاً جو نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے، ان کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعہ زمین ہدایت آباد تھا، ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے مرتبے اور بڑی کرامتوں والے سات سو خلفا ایسے روانے کیے تھے کہ ہر شخص کے سینے سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع کرتا تھا۔ (گلزار ابرار، اردو، ص:۸۴، ۸۵)

محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا ۶۳۶ھ ۱۲۳۸ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے اور ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں دہلی میں انتقال فرمایا۔ آپ کو شیخ کبیر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت و خلافت اور سلسلۂ چشتیہ کی جانشینی حاصل تھی، جب آپ ان کے پاس سے دعوت وارشاد پر مامور کیے گئے تو یہ سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا، اس وقت حضرت محبوب الٰہی کو کوئی شہرت حاصل نہ تھی، اس لیے سلطان کی ان کی طرف کوئی توجہ نہ ہوئی اس کے بعد یکے بعد دیگرے جلال الدین خلجی، علاء الدین خلجی، قطب الدین مبارک شاہ اور غیاث الدین تغلق دہلی کے تخت پر بیٹھے، جلال الدین خلجی کے زمانے میں آپ کی شہرو مقبولیت آسمان چھورہی تھی اور اخیر عمر تک اس میں کمی نہیں آئی، آخری ادوار میں بادشاہ، امرا اور مصاحبین کی طرف ایسا ناخوش گوار ماحول پیدا کر دیا گیا جو یقیناً خانقاہی انداز تربیت اور طریقہ اصلاح پر بند لگانے کے لیے کافی تھا، لیکن حضرت کی جرات مردانہ نے اس میں کمی نہیں آنے دی بلکہ اور تیزی پیدا کر دی۔

جب آپ کی عمر اسی سال سے تجاوز کر گئی، قوی کمزور پڑ گئے، بیماریوں نے زور دکھانا شروع کیا تو آپ نے متعدّد حضرات کو خلافتیں عطا کیں اور اجازت نامے دیے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

تجزیہ نگاروں نے یہ بات بڑے وثوق سے لکھی ہے کہ ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد خواجہ معین الدین چشتی نے رکھی خواجہ فریدالدین گنج شکر نے اسے منظم کیا اور محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا نے معراج ترقی پر پہنچایا۔

حضرت محبوب الٰہی کے بعد سلسلۂ چشتیہ کے مرکزی نظام کی باگ ڈور حضرت چراغ دہلی کے ہاتھ میں آئی، انھوں نے اپنے سلسلے کا کام بڑے ہی نامساعد حالات میں سنبھالا، اس وقت کے فرماں روا محمد بن تغلق نے آپ پر بہت ساری پابندیاں لگا رکھی تھیں ،ساتھ ہی ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک بھی روا رکھا گیا، لیکن آپ مضبوطی کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہے اور بڑی پامردی کے ساتھ سلسلے کا کام انجام دیتے رہے۔

آپ نے حضرت امیر خسرو کے ذریعے مرشد سے یہ گزارش کی تھی کہ انھیں مخلوق سے علاحدہ رہ کر عبادت وریاضت کی اجازت دی جائے تو محبوب الٰہی نے فرمایا:

اورا بگو ترا در میان خلق می باید بود وجفاے وقفاے خلق می باید کشید و مکافات آں بہ بذل وایثار وعطامی باید کرد (سیر الاولیا، ص:۲۳۷)

ان سے کہ دو کہ تمھیں مخلوق کے درمیان رہ کر لوگوں کا ظلم وستم برداشت کرنا چاہیے اور اس کے بدلے جود وسخا اور ایثار کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ سختیاں جھیلتے رہے، باد تند کے جھونکوں سے مقابلہ کرتے رہے اور زندگی بھر مہر ومحبت کی سوغات بانٹتے رہے۔

آپ نے اودھ (فیض آباد) کی سرزمین پر آنکھ کھولی، چوں کہ والد گرامی شہر کے ایک معزز اور متمول شخص تھے اس لیے آپ کی تربیت بڑے ناز ونعم سے ہوئی، والد کے انتقال کے بعد والدہ ماجدہ نے تعلیم وتربیت کا معقول انتظام کیا، ۴۳/ سال کی عمر میں اودھ سے دہلی چلے گئے اور حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا کی خدمت میں رہنے لگے، ریاضت ومجاہدہ کے بعد معرفت کے مدارج طے کرائے پھر بیعت وخلافت سے نوازا، بعد میں اپنی جانشینی سے بھی سرفراز کیا، آپ کی مجلس، سلطان المشائخ کی مجلس کی یاد تازہ کر دیتی تھی۔

امیر خورد لکھتے ہیں:

مجاہدہ ومشغولی، ظاہر وباطن ایں بزرگ چنداں است کہ قلم از رقم آں عاجز آید،

کسانے کہ بدولت قدم بوسی ایں بزرگ رسیدہ انداز سیماے اوکہ صورت تقوی بود احساس کردہ اند در اخیر عمر ایں بزرگ کہ کار او بکمال رسیدہ بودہ وذات مبارک او روح مجرد گشتہ بوے کہ از مجلس سلطان المشائخ می آمد بوے از مجلس شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ بمشام جان کاتب حروف رسیدہ است۔

اور فرماتے ہیں:

اہل ولایت کہ مجلس سلطان المشائخ دیدہ اند بر سر آں معنی کہ مخ معنی است رسیدہ بعدہ مجلس شیخ نصیر الدین محمود درا دریافتہ بر سر آں حرف شدہ باشند، ایں ضعیف گوید ے

مرا ز مجلس تو بوے یار میں آید　　　خوشم ز بوے تو کز سوے یار می آید

ہزار پیرہن دل چوں گل شود پارہ　　　ازیں نسیم کہ از کوے یار می آید

(سیر الاولیا، ص: ۲۴۱، مطبع محب ہند، دہلی)

ترجمہ: آپ کے ظاہری اور باطنی مجاہدات و مشغولیات کا یہ حال تھا کہ قلم ان کے لکھنے سے عاجز ہے، جنھیں آپ کی قدم بوسی کا شرف ملا ہے وہ آپ کی تقوی شعار ذات کو پیشانی ہی سے محسوس کر لیتے ہیں اور آپ کی اخیر عمر میں جب آپ اوج کمال کو پہنچ چکے تھے اور آپ کی مبارک ذات روح مجرد بن چکی تھی اس راقم الحروف (امیر خسرو) کو شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس سے وہی خوش بو محسوس ہوتی جو حضرت سلطان المشائخ کی مجلس سے آتی۔

اور فرماتے ہیں:

جن اللہ والوں نے حضرت سلطان المشائخ کی مجلس دیکھی اور اس کی اصل حقیقت کا ادراک کیا، پھر شیخ نصیر الدین محمود کی مجلس میں شرکت کی تو وہ ضرور یہ محسوس کریں گے، راقم الحروف عرض پرداز ہے:

مجھے تیری مجلس سے دوست کی خوش بو آتی ہے اور میں تیری خوش بو سے شاداں ہوں اس لیے کہ وہ دوست کی طرف سے آرہی ہے۔

دل کے ہزاروں ہزار پیرہن اس باد نسیم سے پھول کی طرح پارہ پارہ ہو جاتے ہیں

جو کوے یار کی طرف سے آتی ہے۔

مسند ارشاد پر جلوہ بار ہونے کے بعد آپ نے مشائخ چشت کی روحانی عظمتوں کی پاسبانی کی اور بڑے پیمانے پر تربیت واصلاح کے کام انجام دیے۔

یہ آفتاب جود وسخا ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء میں دہلی کے اندر غروب ہوگیا، یہاں پر آکر ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا دور اول ختم ہوا۔

تاریخ مشائخ چشت میں ہے:

چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کا وہ دور جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری سے شروع ہوا تھا، شیخ نصیر الدین چراغ دہلی پر ختم ہوگیا۔ اس دور کی خصوصیات یہ تھیں:

(۱) چشتیہ سلسلہ کا ایک مرکزی نظام تھا، اسی مرکز سے تمام متعلقین سلسلہ کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح وتربیت ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب، قطب صاحب، بابا فرید اور حضرت محبوب الٰہی کے خلفا اور مریدین ملک کے دور دراز علاقوں میں کام کرتے تھے، لیکن ان کی نگاہیں ہمیشہ اجمیر، دہلی یا اجودھن کی طرف لگی رہتی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک مرکزی نظام کے ماتحت تصور کرتے تھے۔

(۲) امرا وسلاطین سے کسی کا تعلق رکھنا روحانی سعادت کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ ”درویش دیہ دار“ ہونا اخلاق اور مذہب دونوں کی توہین تھی۔ گزر اوقات کے لیے یا تو افتادہ زمین کا کوئی حصہ کاشت کرنے لگتے، یا بغیر مانگے جو کوئی چیز مل جاتی اس پر قناعت کر لیتے۔ حکومت کی ملازمت کی طرف اگر کسی خلیفہ کا ذرا بھی رجحان پاتے تو فوراً خلافت نامہ واپس لے لیتے۔

حضرت چراغ دہلوی کے بعد سلسلہ کے یہ دو بنیادی اصول ماضی کی داستان بن کر رہ گئے۔ مرکزی نظام تباہ وبرباد ہوگیا۔ مرکز سے علاحدہ صوبوں میں خانقاہیں قائم ہوگئیں۔ سلسلہ کے بہت سے نو عمر افراد نے حکومت وقت سے تعلق پیدا کر لیا اور اپنا بیشتر وقت اسی میں صرف کرنے لگے۔ بابا فرید نے برسوں پہلے تنبیہ کی تھی:

”لو أردتم بلوغ درجة الكبار فعليكم بعدم الالتفات إلى أبناء الملوك“ (سیر الاولیا، ص:۷۵)

اگر تم اپنے روحانی مراتب میں بلندی چاہو تو سلاطین کی اولاد کی طرف توجہ نہ کرنا۔

ان نصیحتوں کو فراموش کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلسلہ کے ستون ہل گئے اور اس کے نظام میں ابتری پیدا ہوگئی۔

حضرت چراغ دہلی کی دور بین نگاہ نے مستقبل کے حالات کا مکمل طور پر جائزہ لے لیا تھا اور غالباً اسی بنا پر انھوں نے کسی کو اپنا جانشین بنانا مناسب نہیں سمجھا۔ شیخ زین الدین نے ایک دن عرض کیا:

"مخدوم! بیش تر مریدان شما صاحب حال واہل کمال اند۔ ازیں جملہ یکے را اشارت شود کہ بجائے شما نشستہ باشد کہ ایں سلسلہ بہ کلی گسستہ نگردد"۔ (خیر المجالس، ص:۲۸۷)

مخدوم! آپ کے بہت سے مرید صاحبِ حال اور اہل کمال ہیں، ان میں سے کسی ایک کے لیے اشارہ ہو جائے تو آپ کی جگہ پر بیٹھ جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلسلہ بالکل ہی ختم ہو جائے۔

تو فرمایا: جن درویشوں کو تم اہل سمجھتے ہو ان کے نام لکھ لاؤ۔ مولانا زین الدین نے تین فہرستیں تیار کیں، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ۔ شیخ نے مطالعہ کے بعد فرمایا:

"شیخ زین الدین! ایشاں را بگو کہ غم ایماں خود بخورند چہ جائے آں کہ بار دیگر می بردارند۔" (سیر العارفین، ص:۹۷)

"شیخ زین الدین! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اپنے ہی ایمان کا فکر کریں، دوسروں کا بوجھ سر پر لینے سے کیا حاصل۔

حضرت چراغ دہلوی نے محسوس کر لیا تھا کہ ان حالات گرد و پیش میں کوئی شخص ایک کل ہند نظام کا بار گراں نہ سنبھال سکے گا۔ چناں چہ انھوں نے وصیت فرمائی کہ مشائخ سلسلہ کے تبرکات ان کے ساتھ دفن کر دیے جائیں۔ جب زمین نے اس آفتاب علم و ارشاد کو آغوش میں لیا تو چشتیہ سلسلہ کا ایک تابناک دور ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ (تاریخ مشائخ چشت، ص:۲۴۱ تا ۲۴۳۔ از پروفیسر خلیق احمد نظامی، دار الاشاعت، کراچی)

حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، لیکن سلسلہ نظامیہ آپ کے خلفا اور حضرت محبوب الٰہی کے دیگر خلفا کے ذریعے خوب فروغ پایا۔

سلسلہ صابریہ:

سلسلہ چشتیہ کی دوسری شاخ سلسلہ صابریہ ہے، اس کی ابتدائی تاریخ پردہ خفا میں ہے، بانی سلسلہ حضرت صابر کلیری کے حالات جو تذکرے اور سوانح کی کتابوں میں ملتے ہیں، محققین ان سے کلی طور پر اتفاق نہیں کرتے، ہاں! اتنا سب لکھتے ہیں کہ انھوں نے دنیا اور اہل دنیا سے الگ رہ کر صرف حق تعالی سے لو لگا رکھی تھی، صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں:

حال بلند اور ہمت قوی رکھتے تھے، غلبہ استغراق ذات مطلق کی وجہ سے آپ ہرگز دنیا کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

مئے حرف وحدت کسے نوش کرد — کہ دنیا و عقبیٰ فراموش کرد

جس نے وحدت کا پیالا پی لیا، دنیا و عقبی بھول گیا۔

آپ ابتداے سلوک سے اس قدر ریاضت و مجاہدات اور ترک و تجرید پر عمل پیرا ہوئے کہ احباب آپ کی صحبت کی تاب نہ لا سکے۔ السلامۃ فی الوحدۃ و الآفۃ بین الاثنین. (سلامتی تنہائی میں ہے اور آفت دو کے درمیان ہے) کے مطابق آپ ہمیشہ اکیلے رہتے تھے، آپ تمام صوری و معنوی قیود سے آزاد و بے نیاز تھے، آپ افراد کی طرح زندگی بسر کرتے تھے، آپ نفس قاطع رکھتے تھے اور جو کچھ منہ سے نکالتے تھے فورا ہو جاتا تھا۔ (مرآۃ الاسرار، ص:۸۵۱، شیخ عبد الرحمن چشتی/واحد بخش سیال چشتی، ادبی دنیا، دہلی)

آپ کے خلیفہ اور جانشین حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محمد بن حنفیہ کی اولاد سے تھے۔ مرشد کی تلاش میں ترکستان سے ہندوستان آئے اور حضرت صابر کلیری کے دامن سے وابستہ ہو گئے، پانی پت کا علاقہ آپ کے حوالے ہوا، وہیں تربیت و اصلاح اور تلقین و ارشاد میں مصروف رہے، لیکن تجرید و تفرید آپ پر غالب تھی، مرآۃ الاسرار کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

طریقت میں آپ کی شان عظیم، کرامات و ہمت بلند اور تجرد کمال پر تھا، غالب تجرد کی وجہ سے آپ اکثر لباس قلندرانہ چوبی پہنتے تھے، آپ دنیا، عقبی اور رسوم خلق سے بالکل

مستغنی تھے اور ریاضات، مجاہدات، ذوق وشوق، تصفیہ باطن اور استغراق میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ (مرآۃ الاسرار، ص:۹۳۶)

اخیر عمر میں جو خرقہ خلافت اور نعمت دو جہاں حضرت صابر پاک سے حاصل تھی، آپ نے حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کو عطا کر دی اور اپنا جانشین مقرر فرمایا، شمس پانی پت شیخ نصیر الدین محمود کے ہم عصر ہیں۔

شیخ جلال الدین پانی پتی کا بھی حال ان حضرات سے کچھ جدا نہ تھا، شیخ عبدالرحمن چشتی رقم طراز ہیں:

آپ ذات مطلق میں اس قدر مستغرق ہو گئے تھے کہ آپ سے اور کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا، صرف پنج گانہ نماز کے وقت آپ کے مریدین آپ کو مراقبہ سے نکال کر نماز پڑھا لیتے تھے اس کے بعد آپ مراقبہ میں چلے جاتے تھے، جس وقت آپ مراقبہ سے سر اٹھاتے تھے جو کچھ زبان مبارک سے نکلتا تھا فوراً ہو جاتا تھا۔ (مرآۃ الاسرار، ص:۱۰۳۶)

گویا ان تینوں ادوار میں خاص طور سے ریاضت و مجاہدہ اور گوشہ نشینی پر زیادہ زور رہا، سلسلے کی اشاعت کی طرف توجہ کم رہی، یوں تو شیخ جلال الدین پانی پتی کے بہت سے خلفا تھے، لیکن شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ان میں سے نمایاں تھی، ان کے دور میں سلسلہ صابریہ کو کافی شہرت ملی۔

چشتیہ صابریہ سلسلے کا سب سے پہلا مرکز جس کو ہم تاریخ کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں وہ ردولی (ضلع بارہ بنکی) ہے، شیخ احمد عبدالحق نے ایسے زمانے میں وہاں اپنی خانقاہ قائم کی تھی، جب چشتیہ سلسلے کا مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا، نظامیہ سلسلے کے بزرگ گجرات، دکن، مالوہ، بنگال وغیرہ میں اپنی خانقاہ قائم کر رہے تھے، دہلی اور اس کے اردگرد کا تمام علاقہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں سے تقریباً خالی تھا، شیخ احمد عبدالحق نے سیاحت کے دوران نظامیہ سلسلے کی بعض خانقاہوں کو دیکھا تھا اور حالت کا جائزہ لیا تھا۔ ردولی میں ان کی خانقاہ رشد وہدایت کا بڑا اہم مرکز بن گئی اور شمالی ہندوستان کے لوگ کثرت سے حاضر ہونے لگے، شیخ احمد عبدالحق نے ۸۳۷ھ/۱۴۳۳ء میں وصال

فرمایا۔ (تاریخ مشایخ چشت، ص:۱۷۲)

یہ تھا سلسلہ چشتیہ کی تعلیم و تربیت اور اس کے شیوع و اشاعت کا ایک اجمالی خاکہ، جو تقریباً دو سو سال کو محیط ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ہندستان کے اندر خواجہ ابو محمد چشتی کے کام کی تکمیل اور اسلامی تعلیمات کی عام اشاعت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذریعے ہوئی، ان کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید الحق گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیا، خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی، خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی علیہم الرحمہ اور دیگر خلفاے سلسلہ نے چشتی مشرب کو خوب تقویت پہنچائی جس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کے فروغ کا بہترین موقع فراہم ہوا، ان کی تعلیمات اور کارناموں نے اسلامی معاشرے کی مردہ رگوں میں زندگی کا نیا خون دوڑا دیا جس کی وجہ سے دعوت و تبلیغ میں اور تیزی آگئی، ان مشایخ نے باشندگان ہند کی اسلامی تربیت کی خاطر جی توڑ کوشش کی اور مشکل سے مشکل مراحل سے گزرے، لیکن ان کے پاے ثبات میں لغزش تک پیدا نہ ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان اسلامی تعلیم و تربیت اور مذہبی تجدید و احیا کا سرچشمہ بن گیا۔

اب اپنے ذوق مطالعہ کو آنے والے صفحات کی طرف مہمیز کیجیے اور اساطین امت، مشایخ ملت اور ارباب رشد و ہدایت کے تذکروں سے دل و دیدہ روشن کیجیے۔

لیکن اس سے پہلے یہ گوش گزار کرنا بھی ضروری ہے کہ خانقاہ قادریہ ایوبیہ، پیراکنک، کشی نگر کی جانب سے ۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ/ ۲۳/ فروری ۲۰۱۵ء کو عرس ایوبی کے موقع پر خواجہ غریب نواز سیمینار اور کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، جس میں خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی سجزی اور دیگر ممتاز مشایخ سلسلہ کے حالات، خصوصیات اور خدمات پر معلومات افزا مقالے پیش کیے گئے، وہی مقالے چند اور مفید مضامین کی شمولیت کے ساتھ "فیضان خواجہ غریب نواز" کے نام سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس پیش کش میں حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ ہندستان میں سلسلۂ چشتیہ کے دور اول (خواجہ غریب نواز سے محمود چراغ دہلی تک) کے مشایخ اور ان کی دعوتی و تربیتی مساعی پر

مشتمل مضامین شامل کیے جائیں تا کہ اس دور کی اسلامی تاریخ روشنی میں آسکے، امید ہے کہ یہ مجموعہ اہل ذوق کی تسکین خاطر کا سبب ہوگا۔

اور ہم ممنون و متشکر ہیں مقالہ نگار حضرات کے جنھوں نے اپنے قیمتی اوقات صرف کر کے مقالات قلم بند کیے، یہ وہ حضرات ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے انفرادی شان کے مالک ہیں اور اہل علم کے درمیان قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے مضامین مجلے کی افادیت میں مزید چار چاند لگا رہے ہیں، پروردگار عالم ان کا سایہ ہم پر دراز فرمائے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دو استاد، مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی اور مولانا جنید احمد مصباحی کی خدمات بھی فراموش نہیں کی جاسکتیں جنھوں نے قریب قریب تمام مقالات پر نظر اصلاح و تصحیح ڈال کر بھرپور معاونت فرمائی اور جابجا مفید مشوروں سے نوازا، حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ان حضرات کا تعاون نہ ہوتا تو شمارے کا یہ رنگ و آہنگ بھی نہ ہوتا جسے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں، اللہ تعالی ان کے علم و عمل کو ترقیوں سے ہم کنار کرے۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ کی دینی اور ملی خدمات میں جہاں جلسوں اور مذاکرات علمیہ کا انعقاد ہے وہیں دینی اور علمی کتابوں کی اشاعت، جامعہ ایوب نسواں کے ذریعے اسلامی بچیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام بڑی سوج بوجھ کا کارنامہ ہے، یہ سب خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے سجادہ نشین شاہ محمد سبطین رضا قادری ایوبی اور ان کے برادران گرامی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ دعا ہے پروردگار عالم ان کے عزائم میں پختگی عطا فرمائے اور ان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ دین حنیف کا کام لے۔

اختر حسین فیضی مصباحی

۱۸/ ۲/ ۱۴۳۸ھ / ۱۸/ ۱۱/ ۲۰۱۶ء

شب شنبہ

سلسلۂ چشتیہ کی خصوصیات

- روحانی سلاسل کا آغاز وارتقا اور سلسلۂ چشتیہ کے امتیازات
- وحدۃ الوجود- مشائخ چشت کا منظور نگاہ نظریہ

روحانی سلاسل کا آغاز وارتقا

اور سلسلۂ چشتیہ کے امتیازات

مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی

صدر المدرسین دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی

اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اٹھارہ ہزار مخلوق پیدا فرمائی، جس میں جمادات، نباتات، حیوانات معلوم اور مادی مخلوقات ہیں، جنھیں ہم ہر دم اپنی آنکھوں سے دیکھتے بھی ہیں اور توفیق کے مطابق ان سے فائدے بھی اٹھاتے رہتے ہیں، جمادات ونباتات کی طرح حیوانات میں بھی بڑا تنوع اور بے شمار معلوم اور غیر معلوم اقسام ہیں، حیوانات کی سب سے افضل واشرف قسم انسان ہے، پھر انسانوں میں سب سے افضل صاحبِ ایمان بندے ہیں اور صاحب ایمان بندوں میں سب سے افضل اللہ تعالیٰ کے صاحبِ عرفان مقرب ومحبوب اور واصل بندے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے عرفان ہی کے لیے جن وانسان کو پیدا فرمایا ہے، فرماتا ہے:

{وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾}(۱)

ترجمہ: میں نے جن وانس کو صرف اپنی عبادت یعنی معرفت کے لے پیدا کیا ہے۔

حضرات صوفیۂ کرام نے یہاں عبادت سے معرفت مراد لی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب ووصال اور محبوبیت اس کے کچھ خاص بندوں کو ہی ملتی ہے، وہ بھی صرف توفیق الٰہی سے، پھر ہزاروں لاکھوں میں بعض خوش نصیبوں کو بغیر کسب ومجاہدہ کے صرف وہب اور خصوصی عطا سے، چناں چہ کوئی کوئی ہی ایسا ہوا ہے کہ چوری کرنے گیا اور قطب بنا دیا گیا، ڈاکو تھا اور ایک لمحے میں اللہ والا ہو گیا، جب کہ عام

(۱) الزاریات: ۵۶.

سنت الٰہیہ یہ ہے کہ بندہ ایمان کے ساتھ ریاضت و مجاہدہ یعنی عبادات کی کثرت اور ذکرو تلاوت قرآن اور اتباع سنت و شریعت ہی کے ذریعہ تدریجاً روحانی ترقی کرتے کرتے مولا تک پہنچ پاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا} (۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم انھیں اپنی راہ ضرور چلائیں گے۔

اس راہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب ووصال اور خوشنودی و محبوبیت ہی کی راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی بندوں کو ولی کہا جاتا ہے، جو ولایت پاکر صفات الٰہیہ اور عون الٰہی کا مظہر بن جاتے ہیں اور خرق عادت کام انجام دینے لگتے ہیں، یہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے مقرب و محبوب ہوتے ہیں اور دوسرے بندوں کو بھی اپنے قریب کر کے اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ تک پہنچنا مشکل بھی ہے اور بہت آسان بھی، مشکل اس لیے کہ انسان کے تین دشمن، نفس، شیطان اور شریر انسان سلوک الی اللہ کی راہ میں ہر دم اور ہر طرح کی ہر ممکن رکاوٹیں کھڑی کرتے رہتے ہیں، اس لیے ہر انسان اور خاص طور سے ہر دم مسلمان ہمیشہ ان تینوں دشمنوں سے ہر دم ہر حالت میں جنگ میں رہتا ہے، اور بندے کو خدا تک پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

اور آسان اس لیے کہ ایک بزرگ کے بقول اللہ تعالیٰ نے وصول الی اللہ کے لیے اتنے ہی طریقے اور راستے بنائے ہیں، جتنی کہ اس کی مخلوق کی تعداد ہے۔

اولیائے کرام اور بزرگان دین کے روحانی طریقے اور سلسلے بھی خدا تک پہنچنے کے بہترین راستے ہیں، روحانی سلاسل کی خصوصی تربیت اور مخصوص وظائف نیز تعلیمات و معمولات کے ذریعہ بزرگان دین نے اپنے بے شمار مریدین و متعلقین کو خدا تک پہنچایا ہے، اس قسم کے واقعات سے سیر و سوانح کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

امت محمدیہ میں روحانی سلاسل کی ابتدا خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوتی ہے، آپ کے بعد اکثر روحانی سلسلوں کا سرچشمہ مولائے کائنات امیر المومنین سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔

---

(۲) العنکبوت: ۶۹.

مرأة الاسرار کے مصنف شیخ عبد الرحمٰن چشتی قدس سرہ [۱۰۰۵ھ۔۱۰۹۴ھ] لطائف اشرفی اور دیگر حوالوں سے لکھتے ہیں:

''حضرت علی کا خرقۂ خلافت چار بزرگوں کو ملا ہے، یعنی حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت خواجہ کمیل بن زیاد۔ یہی لوگ چار پیر کہلاتے ہیں۔''

عصر حاضر کے چار انتہائی مشہور و مقبول اور رائج روحانی سلسلوں، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، اور نقش بندیہ میں سے سلسلہ نقش بندیہ کا منبع خلیفۂ اول سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ان دونوں خلفا سے شاخ در شاخ بے شمار سلسلے وجود میں آئے، جن میں مورخین تاریخ تصوف نے چودہ (۱۴) خانوادوں کو اصل قرار دیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ ان چودہ سلسلوں سے چالیس فروعی سلسلے نکلے ہیں، شیخ عبد الرحمٰن چشتی نے اپنی کتاب میں ان چالیس میں سے مختصراً صرف بارہ سلسلوں کا ذکر کیا ہے، جو سب سے زیادہ مشہور اور مروج ہیں، پھر ان چالیس سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں فروعی سلاسل کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

شیخ عبد الرحمٰن چشتی نے سلسلۂ چشتیہ کو چودہ اصل خانوادوں میں پانچویں نمبر پر رکھ کے اس کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے

''پانچواں سلسلۂ چشتیان حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری سے جا ملتا ہے، آپ حضرت خواجہ ابو ہُبیرہ امین الدین بصری کے مرید اور خلیفہ تھے اور وہ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی کے مرید اور خلیفہ تھے اور وہ خواجہ ابراہیم ادہم کے مرید اور خلیفہ تھے، حضرت ابراہیم ادہم کو جو نعمت اور امانت حضرت خواجہ خضر، حضرت امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین اور حضرت فضیل بن عیاض کی صحبت سے ملی تھی، آخر عمر میں سب خواجہ حذیفہ مرعشی کے حوالے فرمائی اور ان سے آج تک یہی امانت بطریق سلوک صحیح طور پر اس سلسلے میں موجود ہے۔'' [مرأة الاسرار ص ۱۷]

خواجہ ممشاد علی دینوری کے خلیفہ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی [متوفی...۳۲۹ھ] ہیں، یہی سلسلۂ چشتیہ کے بانی ہیں، شیخ عبد الرحمٰن چشتی لکھتے آگے لکھتے ہیں:

”سلسلۂ چشتیہ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی سے شروع ہوا ہے، آپ ملک شام سے بغداد میں خواجہ علو دینوری کی خدمت میں مرید ہونے کی نیت سے حاضر ہوئے، حضرت خواجہ نے دریافت فرمایا: کیا نام ہے؟ عرض کیا: ابو اسحاق شامی، حضرت خواجہ نے فرمایا: آج سے تم چشتی کہلاؤ گے، تم خواجۂ چشت ہو، چشت تمھاری وجہ سے مشہور ہوگا اور جو شخص تم سے منسوب ہوگا، وہ بھی قیامت تک چشتی کہلائے گا، پس ان کو مرید کیا اور تربیت دی، اس کے بعد خرقہ خلافت عطا کر کے چشت بھیج دیا، خواجہ ابو احمد چشتی جو کہ چشت کے رئیس و اشراف تھے آپ کے مرید ہو گئے۔“ [ایضًا]

مولوی احمد علی چشتی کے بقول خواجہ ابو اسحاق شامی ۲۶۰ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے دور خلافت میں چشت تشریف لائے اور شام میں ۳۵۵ھ میں وصال فرمایا، مزار ملک شام کے شہر عکہ میں ہے، حضرت خواجہ ابراہیم گازرانی قدس سرہ کی روایت کے مطابق آپ کے مزار پر غیب سے ایک چراغ روشن رہتا ہے اور کوئی ہوا یا آندھی بجھا نہیں سکتی۔ [قصر عارفاں، ص ۶۸-۶۹]

پھر یہ سلسلہ خواجہ ابو محمد چشتی، خواجہ ابو یوسف چشتی، خواجہ مودود چشتی، حاجی شریف زندنی اور خواجہ عثمان ہارونی کے ذریعہ، خواجۂ خواجگاں، سلطان الہند، عطائے رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری معروف بہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

اس سلسلے کی اشاعت شہر چشت سے ہوئی اور پھر یہ سلسلہ سنجان، دمشق، سجستان، خراسان اور نیشاپور ہوتا ہوا خواجہ غریب نواز کے واسطے سے ہندوستان آیا اور یہاں خوب پھولا پھلا، حتی کہ ہمارا ہندوستان، خواجہ کا ہندوستان بن گیا۔

خصوصیات

تصوف کے بعض سلاسل محض برائے امتیاز کچھ خاص بزرگوں کی طرف منسوب ہیں، جب کہ کچھ سلاسل اپنے بانی یا مابعد کے بزرگوں کے بعض منفرد فروعی نظریات و خیالات اور خصوصی تربیت و وظائف اور تعلیمات و معمولات کی وجہ سے بین السلاسل ممتاز ہیں، موضوع گفتگو سلسلۂ چشتیہ اولاً تو کسی شخصیت کے نام سے منسوب نہیں بلکہ یہ خاص شہر ”چشت“ سے موسوم ہے، جہاں بانی سلسلہ نے کچھ سال رہ کر تبلیغ دین

اور اشاعت سلسلہ کا کام کیا۔ اور یہ نام صرف برائے نام بھی نہیں ،بلکہ اپنی بعض نظری و عملی خصوصیات کی وجہ سے اس نام سے مشہور و مقبول ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ نہ تو بانی سلسلہ خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی، چشت کے تھے ،اور نہ ہی خواجہ غریب نواز چشتی اجمیری۔ دونوں حضرات چشت کے سوا دوسری جگہوں پر پیدا ہوئے اور پروان چڑھے اور دوسری جگہ ہی وصال کیا اور وہیں ان کی آخری آرام گاہ بھی ہے۔

سلسلۂ چشتیہ کے بہت سے امتیازات میں سے ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ بقول خواجہ معین الدین چشتی ہمارے سلسلے میں ایک شب و روز کا مجاہدہ ہے اور زیادہ ذوق و مشاہدہ ہے۔

لطائف اشرفی کے مطابق جو شخص خاندان قدیم اور سلسلہ کریم اہل چشت کی محبت اور موافقت کا دعوی کرتا ہے ،اس کے اندر یہ دو وصف ہونے ضروری ہیں اول ترک و ایثار۔ دوم عشق و انکسار [مرأۃ الاسرار ص ۷۲]

اس سلسلے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں ظاہر سے زیادہ باطن پر زور دیا گیا ہے ،اور وجد و سرمستی پیدا کرنے کے لیے محفل سماع سے کام لیا جاتا ہے۔

قصر عارفاں کے مصنف سلسلۂ چشتیہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہ حضرات (مشائخ چشت) عام طور پر قصبات ،دیہات ،اور شہروں میں سکونت رکھتے ہیں اور مخلوق خدا کو اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، خاص و عام کی دست گیری فرماتے ہیں اور اپنے پیر و مرشد کے طریقے اور سلسلے پر مستحکم رہتے ہیں، نواہی سے کنارہ کشی اور اوامر سے وابستگی رکھتے ہیں، عبادت میں ریاضت شاقہ اختیار کرتے ہیں، مہمان عزیز کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، سماع اور اہل سماع کا احترام کرتے ہیں ،ہر فرقے سے ازرہِ تلطف و صلح، محبت سے پیش آتے ہیں، اپنے پیروں کا عرس بڑے شوق سے مناتے ہیں۔

ان کی نگاہیں ہمیشہ وحدۃ الوجود پر ہوتی ہیں ،کثرت میں جمال احدیت پاتے ہیں، پہلے مریدوں کو لا موجود إلا ھو سکھاتے ہیں، پھر اسی پر مراقبے کی مشق کراتے ہیں۔

صحو و سکر کے جامع ہوتے ہیں ... ان دونوں اوصاف کے متحمل صرف وہی لوگ ہو پاتے ہیں جو سید الانبیا ﷺ کے قدم بہ قدم سنت کی پیروی کریں۔

حضرات چشت آداب، تواضع ،اخلاق ،بذل و ایثار اور دل داری کے اس طرح خوگر ہو جاتے ہیں کہ قویٰ ان سے روگردانی نہیں کرتے۔

عقل کو علم پر فوقیت دیتے ہیں۔
ان کا اصل مشرب عشق و انکسار، ترک خواہشات اور ایثار ہے، وہ مجاہدہ کم کرتے ہیں، ذوق اور مشاہدہ زیادہ کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دوسرے سلسلوں کے اکابر اپنی زبان پر یہ لاتے ہیں کہ ”خانوادۂ چشت میں اللہ آسانی سے مل جاتا ہے“۔ [ص ۷۱، ۷۰، ۶۹]
مشہور مورخ علامہ ڈاکٹر عاصم اعظمی سلسلۂ چشتیہ کے امتیازات میں خاص طور سے اخلاق عالیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”(اس سلسلے میں) اخلاقی اقدار اور صفات محمودہ کے فروغ پر خاص زور دیا جاہے، اخلاقی تادیب و تربیت کے دو پہلو ہیں، جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ایک تخلیہ ہے اور دوسرا تحلیہ۔
تخلیہ یہ ہے کہ طبعی اور رذیل اخلاق جیسے کینہ، تکبر، غصہ، غیبت اور بدگوئی وغیرہ سے نفس کو پاک کیا جائے۔ اور اخلاق محمودہ: جیسے تواضع، سخاوت عفو و درگزر، صبر و تحمل، ایثار اور توکل و قناعت کی آب یاری کا نام تحلیہ ہے۔
چشتی مشایخ نہ کسی کو حقیر سمجھتے ہیں اور نہ کسی کو ضرر پہنچاتے ہیں، وہ جاہ اور ترفع پر تواضع اور انکسار کو ترجیح دیتے ہیں، خلق خدا کے ساتھ ان کا سلوک حد درجہ محبت و شفقت اور عفو و درگزر کا ہوتا ہے، مخلوق کی اذیتوں اور سختیوں پر ضبط و تحمل سے کام لیتے ہیں اور انھیں روحانی ترقی کا ذریعہ گردانتے ہیں، مزید برآں وہ فقر کو غنا پر ترجیح دیتے ہیں۔“
[تذکرۂ مشایخ عظام ص ۵۹، ۶۰]
آگے مزید لکھتے ہیں:
”چشتی صوفیہ افراط و تفریط کے مغالطوں میں پڑنے سے بچتے ہیں، اور زہد و ترک دنیا کے باب میں غلو نہیں کرتے، شریعت کی پاس داری کا پورا پورا لحاظ کرتے ہیں۔“
مولا ہم تمام مسلمانوں کو بھی بزرگوں کے طریقوں پر چلتے رہنے اور اتباع سنت و شریعت کی ہر ممکن توفیق عطا فرمائے اور اپنی رضا اور محبوبیت سے نواز کر دونوں جہان میں سرخ روئی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

۞ ۞ ۞ ۞ ۞ ۞

وحدۃ الوجود-مشائخ چشت کا منظورِ نگاہ نظریہ

علامہ محمد احمد مصباحی

ناظم تعلیمات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

وحدۃ الوجود ایک خالص عرفانی مسئلہ ہے جسے سید المکاشفین شیخ اکبر محمد بن علی بن محمد حاتمی طائی معروف بہ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ (۵۶۰ھ-۶۳۸ھ) نے اپنی تصانیف میں شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وجود صرف ایک ہے جو عین ذات باری تعالیٰ ہے۔ باقی سب اس کے مظاہر اور پرتو ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

”مرتبۂ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات سے خاص ہے۔ وحدتِ وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود ہستی میں بہرہ نہیں رکھتے۔ ”كل شئی هالك الا وجهه“.

اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من و تو، زید و عمرو، ہر شے خدا ہے۔ یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے۔ اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام و ایمانِ حقیقی ہیں۔“ [1]

مشائخ قادریہ وچشتیہ وغیرہم ہمیشہ وحدۃ الوجود کے قائل رہے اور اہل ظاہر نے اس پر جو اعتراضات کیے ان کے جوابات بھی دیے اور ثابت کیا کہ یہ معنی قرآن وسنت کے خلاف نہیں۔ یہ بھی کہا گیا کہ مسئلۂ وحدت الوجود عقول متوسط کے فہم وادراک سے ماورا ہے اور صرف کشف وشہود کے ذریعہ اس سے آگاہی ہو سکتی ہے۔ لیکن علامہ فضل حق خیر آبادی نے خاص معقولی طرز پر بحث کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ صوفیہ کے اسرار واصول سے قطع نظر نگاہ عقل میں بھی حق یہی ہے کہ مصداق وجود صرف ایک حقیقت واجبہ ہے۔ باقی

(۱) امام احمد رضا قادری: کشف حقائق واسرار دقائق (۱۳۰۸ھ) اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی ص ۱۵

سب اس کے مظاہر اور تعینات ہیں ۔ اس بارے میں انھوں نے ایک مفصل رسالہ ’’الروض المجود‘‘ تحریر فرمایا جس کا تذکرہ میں نے اپنی کئی مضامین میں کیا ہے۔ یہاں چاہتا ہوں کہ مختصراً اس کے چند اقتباسات بھی پیش کروں تاکہ اس کی تحقیقات سے کسی قدر آشنائی ہو سکے۔ علامہ فضل حق خیر آبادی چشتی (۱۲۱۲ھ - ۱۲۷۸ھ) فرماتے ہیں:

’’نظر جتنی زیادہ دقیق اور صاف ہوگی اس سے حاصل ہونے والا علم بھی اتنا ہی زیادہ حق اور کامل ہوگا۔ اور صوفیہ کرام کا حصہ دقت نظر، پاکیزگی اسرار اور درستی افکار میں دوسروں سے زیادہ ہے تو رب سے متعلق ان کا اعتقاد بھی کسی انحراف سے بعید تر اور قبول وایمان کے لیے مناسب ولائق تر ہوگا۔ ان سے متعلق یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا عقیدہ اسلام کے بر خلاف، یا تقاضاے عقل کے برعکس ہے۔ یہ بات کسی طرح لائق التفات نہیں کہ صوفیہ کا مذہب عقل کے احکام وطریق سے ماورا ہے۔ اس لیے اس کی تائید یا تردید میں مصروف ہونا مناسب نہیں۔ صوفیہ کا طریقہ خلاف عقل نہیں ہو سکتا۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (۴۵۰ھ - ۵۰۵ھ) احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: یقین رکھو کہ طریق ولایت میں کوئی ایسا امر ظاہر نہیں ہو سکتا جسے عقل محال قرار دے۔ ہاں طریق ولایت میں ایسی بات ظاہر ہو سکتی ہے جس سے عقل قاصر وعاجز ہو یعنی وہ ایسی بات ہے کہ صرف عقل سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ ایک وہ امر ہوتا ہے جسے عقل محال قرار دیتی ہے اور ایک امر وہ ہوتا ہے جو عقل کی دست رس میں نہیں ۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ جو اس فرق کو سمجھنے سے قاصر ہو وہ ہمارے خطاب کے لائق نہیں‘‘۔ انتہی۔ (۲)

اس تمہید کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ واضح ہو گیا کہ مذہب صوفیہ طریقہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کی میزان صحیح پر تُلا ہوا ہے۔ اس لیے پہلے ہم اسے دلیل عقلی سے بیان کریں گے تاکہ کسی تشدد پسند فلسفی کے لیے شک کی گنجایش نہ رہے پھر اسے نقلی دلائل سے مضبوط کریں گے تاکہ کسی تکلف پسند متکلّم کے لیے طعن وتشنیع کا موقع نہ رہے۔

آگے رقم طراز ہیں:

---

(۲) علامہ فضل حق خیر آبادی: الروض المجود۔ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ ۱۳۹۷ھ ص ۵-۶ ملتقطا مترجما

وجود حقیقی ایک حقیقت واحدہ ہے جس میں اقسام وانواع حاصل کرانے والی فصلوں اور اشخاص بنانے والے عوارض کے ذریعہ اختلاف نہیں ہوتا بلکہ یہ بالذات مطلق رہتے ہوئے خود ہی متعیّن ہوتی ہے۔ اس کا تعین اس کی حقیقت سے زائد نہیں ہوتا مگر اعتباری طور پر۔ یہ بالذات واجب بھی ہے، کسی اور کی معلول نہیں، اس لیے کہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں۔

اور جب یہ بالذات مطلق رہتے ہوئے خود ہی متعیّن ہوتی ہے تو یہی مابہ الاشتراک ہے ان اشیا میں جو ایک دوسرے کی غیر اور باہم جداگانہ ہیں۔ اسی طرح وہ ان اشیا کے درمیان بالذات مابہ الامتیاز بھی ہے، بغیر اس کے کہ کوئی امر اس کی طرف مضاف ہو یا کوئی معنی اس پر زائد ہو۔

اس کے تعیّنات ممکن ہیں اور خود وہ حقیقت، واجب ہے، جیسے تعیّنات باہم متغایر ہیں اور وہ واحد ہے۔ وہ حقیقت حقہ کسی ایک تعین میں محدود یا کسی ایک تشخص میں محصور نہیں۔ یہ اپنے تعینات میں بہت سے اطوار رکھتی ہے۔ وحدت کے باوجود کثرت میں نمایاں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اے کہ ذاتِ خویش را مطلق مقید ساختی — رنگ ہائے مختلف را صورت خود ساختی (۳)

اس اجمال کے بعد تفصیل دلیل کے لیے پہلے وہ چار مقدمات پیش کرتے ہیں:

پہلا مقدمہ:

وجود بمعنی مصدری جسے "ہستی" اور "ہونا" کہا جاتا ہے ایک فطری بدیہی امر ہے۔ یہ اشیا کے درمیان مشترک اور اذہان کے اندر اشیا سے مُنتزع ہے۔ خارج میں موجود نہیں۔ یہ بدیہی بات ہے جس سے کسی مکابر کو بھی اختلاف نہیں۔

دوسرا مقدمہ:

وجود مصدری جو اشیا سے منتزع ہے، اس کے لیے واقع میں کوئی ایسا منشأ انتزاع

(۳) ایضا، ص ۷

ہونا ضروری ہے جو محض اعتبار کرنے والے کے اعتبار یا فرض کرنے والے کے فرض کے تابع نہ ہو۔ ورنہ انتزاع وجود محض ایک اختراعی امر اور وہمی عمل ہو جائے گا۔ وہ منشأ انتزاع واقع میں موجود اور نفس الامر میں متحقق ہونا ضروری ہے تاکہ محض امر اختراعی نہ ٹھہرے۔ اس لیے کہ امور انتزاعیہ کی واقعیت یہی ہے کہ ان کا منشأ انتزاع واقع میں موجود ہو۔

تیسرا مقدمہ:

وجود مصدری کا منشأ انتزاع خود حقیقت موجودہ ہے، اس کے بغیر کہ کوئی امر اس پر زائد، یا کوئی معنی اس کے ساتھ منضم ہو۔

اس لیے کہ انتزاع کا منشأ اگر نفس حقیقت نہ ہو بلکہ حقیقت مع امر زائد ہو تو وہ امر یا تو انضمامی ہوگا یا انتزاعی؟ دونوں صورتیں باطل ہیں (تفصیل کتاب میں مذکورہ ہے) تو مصداق وجود کسی فرض فارض یا زیادتِ عارض کے بغیر خود حقیقت موجودہ کا ہونا ثابت ہے۔

چوتھا مقدمہ:

وجود کو اصل حقیقت سے، جو مصداق وجود ہے وہی نسبت ہے جو انسانیت کو ماہیت انسانیہ اور حیوانیت کو ماہیت حیوانیہ سے ہے۔ اس لیے کہ وجود نفس حقیقت سے زائد کوئی معنی نہیں جیسے انسانیت کا مفہوم حقیقت انسانیت سے زائد کوئی معنی نہیں۔ اس کا بیان تیسرے مقدمے میں ہو چکا ہے۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ وجود مصدری چھوٹی بڑی تمام چیزوں سے منتزع ہے تو اس کے لیے کوئی ایسا منشأ انتزاع ہونا ضروری ہے جو واقعی ہو، محض فرضی واعتباری نہ ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منشأ نفس ذات اور اصل حقیقت ہو اور اس کی جانب وجود کی نسبت اسی طرح ہو جیسے انسان کی طرف انسانیت اور حیوان کی طرف حیوانیت کی نسبت ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معنی وجود کا مصداق کسی امر کی زیادتی اور کسی معنی کی اضافت کے بغیر خود ہی ہو۔ اور محال ہے کہ وہ منشا اشیا سے مبائن یا مفارق کوئی امر ہو۔ اس لیے کہ وجود خود ان اشیا کے حقائق سے منتزع ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منشا حقیقت واحدہ ہو۔ اس لیے کہ اگر کئی حقائق ہوں تو وجود کی نسبت اپنے منشا کی جانب نسبت انسانیت بہ انسان کی طرح نہ ہوگی جیسا کہ چوتھے مقدمے میں ثابت ہوا۔

اور محال ہے کہ وہ حقیقت واحدہ اشیا سے منضم یا منتزع کوئی امر ہو جیسا کہ تیسرے مقدمے میں ثابت ہوا۔

اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اشیا سے مبائن کوئی امر ہو، ورنہ ان سے وجود کا انتزاع نہ ہو سکے گا۔ وہ حقیقت کسی خاص تعین سے مقید بھی نہیں۔ اسی طرح وہ کلی مبہم نہیں ورنہ بذاتہ مصداقِ وجود نہ ہو سکے گی۔ بلکہ اپنے حصول میں خارجی محصلات کی محتاج ہوگی۔ تو یہ مطلق ہے یعنی ہر قید سے معرّا اور تعین کی صالح ہے۔

وہ کسی کی معلول بھی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اس کے ماسوا نہ کوئی موجود ہے، نہ کسی کی کوئی اصلیت۔ اور جو چیزیں متغایر اور اس سے مبائن نظر آرہی ہیں، یہ سب اسی کے شیون اور تعیّنات ہیں جو اسی سے پیدا اور اسی سے جلوہ نما ہیں۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مصداق وجود جسے وجود حقیقی کہا جاتا ہے وہ، ایک حقیقت واحدہ واجبہ ہے جو سب میں پھیلی ہوئی اور ہر تعین وقید سے مطلق ہے۔ اب یہ بھی جان لو کہ وہ حقیقت جب اشیا کی کوئی انضمامی صفت نہیں، نہ کوئی وصف انتزاعی، نہ کوئی امر مبائن تو یہ ہر شے کا عین ہے۔ نہ اس معنی میں کہ ہر شی وہی حقیقت مطلقہ ہے بلکہ اس طرح کہ وہ حقیقت کسی امر کی زیادتی اور کسی معنی کے انضمام کے بغیر خود گوناگوں تعیّنات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی اور طرح طرح کے اطوار میں نمایاں ہوتی ہے۔ تو ایک تعین کے اعتبار سے وہ ایک شے ہے اور دوسرے تعین کے اعتبار سے دوسری شے ہے"۔ (۴)

اس کی مزید تفصیل کے بعد بحر اور تعیّنات امواج کی مثال سے اس کی توضیح فرمائی ہے، اس کے بعد اس مسلک پر دس اعتراضات مع جوابات رقم فرمائے ہیں۔ پھر

---

(۴) ایضا، ص ۱۰-۱۱

چند آیات پیش کر کے دلیل شرعی نقلی سے اس کی موافقت ثابت کی ہے۔
ملک العلما بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی علیہ الرحمہ (۱۱۴۳ھ-۱۲۲۵ھ) نے بھی اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ ''وحدۃ الوجود و شہود الحق فی کل موجود'' لکھا تھا۔ پھر نواب انور الدین خان بہادر کی فرمایش پر اسے فارسی میں لکھا۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا اور مکتوبات مجدد الف ثانی سے اخذ کرتے ہوئے متعدّد حواشی بھی لکھے۔ یہ ترجمہ پہلی بار غالباً ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ مسلک وحدۃ الوجود کی توضیح و تفہیم کے لیے اس سے بھی کچھ اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں:
''وجود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وجود اس کی حقیقت کا عین ہے۔ اور یہ وجود، مصدری وجود نہیں کیوں کہ مصدری وجود ایک انتزاعی امر ہے جس کا معنیٰ ''ہونا'' ہے۔
ایسے انتزاعی مفہوم سے اللہ تعالیٰ بالا و برتر ہے بلکہ وجود سے مراد وہ حقیقت ہے جو مصدری وجود کا مصداق ہے جو نفس وجود ہے، وہ اپنے مرتبۂ ذات میں کثرت سے پاک ہے۔
اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات و تعینات ہے۔ تمام شیونات و تعینات اس کے مظاہر ہیں اور وہ ان میں ظاہر و ساری ہے، اس کی سرایت وہ نہیں جس کے حلولی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں بلکہ یہ سریان مثل اس سریان کے ہے جو گنتی کے اعداد میں ایک کا ہے۔ گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں۔ عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے۔ کثرت میں وہی ظاہر ہے۔ اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں۔ اللہ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا۔ اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے۔ اللہ ہی اوّل ہے۔ اللہ ہی آخر ہے۔ اللہ ہی ظاہر ہے۔ اللہ ہی باطن ہے۔ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے''۔ (۵)
سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ (م ۱۳۲۴ھ) فرماتے ہیں: ''وحدت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وجودی دوسری شہودی۔ وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور

---
(۵) بحر العلوم عبد العلی فرنگی محلی: وحدۃ الوجود، ص:۱۸ تا ۲۱۔ اشاعت شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی

نظر دونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا شعور ختم ہو جائے اور اس کی نظر و علم میں اللہ کے سوا سب کچھ فنا ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔ یہی سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ اس مقام پر آنے کے بعد سالک ولی ہو جاتا ہے۔ سیر الی اللہ کے ختم ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔ سیر و سلوک قادریہ میں یہ چوتھا مقام ہے۔ اس کے بعد سیر فی اللہ ہے کہ اس سے مراد ذات بحت باری تعالیٰ میں، جس کی کوئی حد نہیں، ترقی حاصل کرنا شروع ہوتا ہے اور حدیث شریف ماعر فناك حق معر فتك (ہم نے جیسا کہ تیرا حق تھا تجھے نہ پہچانا) اسی سیر کی خبر دیتی ہے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ایک قلیل تعداد وحدت شہود کی طرف گئی ہے اور اس کو سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں۔ وحدت شہودی کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف سالک کی نظر سے ہوتا ہے، اس کے علم سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں تو باقی رہتے ہیں صرف نظر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نظر میں صرف ذات باری باقی رہتی ہے۔ باقی سب نظر سے ہلاک اور فانی ہو جاتے ہیں مگر سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں۔ جیسے سورج نکلنے پر ستارے۔ کہ سب ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں، نظر کے سامنے صرف سورج ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود ویسے ہی باقی ہے بس نظر سے چھپ گیا ہے"۔ (۶)

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰) فرماتے ہیں:

حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے: " ألا كل شئى ما خلا الله باطل " ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں اور اخص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں۔ اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے

---

(۶) شاہ ابوالحسین احمد نوری: سراج العوارف فی الوصایا والمعارف۔ ترجمہ ڈاکٹر سید محمد امین برکاتی، ص ۶۴-۶۵ اشاعت بمبئی ۱۹۸۶ء

ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور سب حق ہے۔ مدارِ ایمان اول پر ہے۔ مدارِ اصلاح دوم پر، کمالِ سلوک سوم پر اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظ کامل عطا فرمائے، اپنے احسان وکرم سے۔ (۷)

یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صوفیہ واجب اور ممکن میں اتحاد کے قائل ہیں، واجب کو عین ممکن اور ممکن کو عین واجب جانتے ہیں اور ''ہمہ اوست'' کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن صوفیہ کا دامن اس الزام سے بری ہے۔ وہ ممکن کو ظل، عکس، پرتو، مظہر کہتے ہیں اور ظل بہر حال اصل سے جدا اور اصل کا غیر ہوتا ہے۔ ظلّیت کی صراحت کے باوجود ان کے کلام سے عینیت ثابت کرنا غلط ہے، اگر کسی سے کوئی ایسی عبارت منقول ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے کیوں کہ حلول واتحاد کی نفی میں صوفیۂ کرام کی صریح عبارات موجود ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ بات ملحدین نے شیخ اکبر کے خلاف پھیلائی ہے۔ امام شعرانی نے شیخ اکبر کی کتابوں سے ان کا مذہب اور حلول واتحاد کی نفی نقل کر کے واضح کیا ہے کہ شیخ اس خیال باطل سے بلا شبہ بری ہیں۔ چند عبارتیں یہاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں: جو حلول کا قائل ہے وہ بیمار ہے کیوں کہ حلول کا قول ایک لاعلاج مرض ہے اور اتحاد کے قائل اہل الحاد ہیں جیسے حلول کے قائل اہل جہل وفضول ہیں۔ (۸)

حادث حوادث سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر قدیم کا حلول حادث میں ہو تو مجسمہ کی بات درست ہو جائے۔ قدیم نہ حلول کرنے والا ہے، نہ اس میں کوئی شے حلول کرنے والی ہے۔ عاشق جب کہتا ہے '' أنا من أهوى ومن أهوى أنا'' تو یہ زبان عشق ومحبت کا کلام ہے۔ زبانِ علم وتحقیق کا کلام نہیں۔ اسی لیے ایسا قائل جب سکر سے صحو میں آتا ہے تو اپنے قول سے رجوع کرتا ہے۔ (۹)

---

(۷) امام احمد رضا اور تصوف: محمد احمد مصباحی، ص ۱۰۲، اشاعت اول المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۴۰۸ھ
(۸) فتوحات۔ باب الاسرار
(۹) فتوحات۔ باب الاسرار

اگر یہ صحیح ہے کہ انسان، انسانیت سے اور ملک، ملکیت سے ترقی کرکے خالق جل وعلا سے متحد ہوجائے اور خلق، حق ہوجائے تو کسی کو کسی علم پر اعتماد نہ رہے اور محال واجب ہوجائے جب کہ قلب حقائق کی کوئی راہ نہیں۔ (۱۰)

خلقت کبھی مرتبۂ حق عزوجل میں نہیں ہوسکتی، جیسے معلول کبھی مرتبۂ علت میں نہیں ہوسکتا۔ (۱۱)

کمال عرفان یہ ہے کہ عبد اور رب دونوں کا مشاہدہ ہو، جو عارف کسی بھی وقت مشاہدۂ عبد کی نفی کرے، وہ عارف نہیں۔ اس وقت وہ صاحب حال ہے اور صاحب حال سُکر والا ہے جسے تحقیق نہیں ہوتی۔ (۱۲)

فتوحات باب ۳۶۷ میں لکھتے ہیں: ''بعض مکاشفات میں میری روح کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ نے یہ کیسے کہا ''فلا تشمت بي الاعداء'' (مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا) وہ اعدا کون ہیں جن کا آپ مشاہدہ کررہے ہیں۔ جب کہ ہم لوگوں میں سے سالک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا۔ تم نے جو کہا تمھارے مشاہدے کے لحاظ سے صحیح ہے۔ لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم خدا کے سوا کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے تو کیا اس وقت نفس الامر سے عالم زائل ہوگیا، جیسا کہ تمھارے مشاہدے میں زائل ہے یا نفس الامر میں عالم باقی اور غیر زائل ہے۔ صرف تم اس کے مشاہدے سے محجوب ہو، اس لیے کہ ایک ایسی عظیم تجلی تمھارے قلوب پر واقع ہوئی جس نے عالم کو تمھارے شہود سے روپوش کردیا؟ میں نے عرض کیا: نفس الامر میں عالم، باقی و غیر زائل ہے۔ صرف ہم اس کے مشاہدے سے محجوب ہوگئے۔ فرمایا: اس شہود میں خدا سے متعلق تمھارے عرفان میں کمی ہے جس قدر کہ مشاہدۂ عالم میں کمی ہے۔

---

(۱۰) فتوحات باب ۳۱۴۔

(۱۱) فتوحات باب ۴۸

(۱۲) لوائح الانوار۔

اس لیے کہ ساراعالم اللہ کی نشانی ہے۔ اس جواب سے حضرت ہارون علیہ السلام نے مجھے ایسی معرفت کا افادہ فرمایا جو مجھے پہلے حاصل نہ تھی۔ انتہی۔ سیدی علی بن وفار حمۂ اللہ فرماتے کہ اگر کلام قوم میں کہیں اتحاد کا ذکر آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی مراد، حق کی مراد میں فنا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں میں اتحاد ہے، جب ہر ایک دوسرے کے منشا کے مطابق کام کرتا ہے"۔ (۱۳)

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ حلول واتحاد کے قول سے صوفیہ کرام کس قدر دور ہیں اور ان کی جانب اس خیال باطل کا انتساب کتنا غلط اور گمراہ کن ہے۔

میں یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا کلام پیش کرتا ہوں جس سے توحید، وحدت اور اتحاد کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور وحدت پر دلیل سمعی بھی فراہم ہوتی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔ یہاں تین چیزیں ہیں: توحید، وحدت اور اتحاد۔ توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر اور وحدت وجود حق ہے، قرآن عظیم واحادیث وارشادات اکابر دین سے ثابت۔ اور اس کے قائلوں کو کافر کہنا خود شنیع خبیث کلمہ کفر ہے۔

رہا اتحاد، وہ بے شک زندقہ والحاد، اور اس کا قائل ضرور کافر۔ اتحاد یہ کہ یہ بھی خدا، وہ بھی خدا، سب خدا، ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی۔ حاشا للہ! اللہ، اللہ ہے اور عبد عبد۔ ہرگز نہ عبد الہ ہو سکتا ہے نہ الہ عبد۔ اور وحدت وجود یہ کہ وہ صرف موجود واحد، باقی سب ظلال وعکوس ہیں۔ قرآن کریم میں ہے: "کل شئی ھالك الا وجھه"

صحیح بخاری، وصحیح مسلم، وسنن ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اصدق کلمة قالھا الشاعر کلمة لبید ع الا کل شئی ما خلا اللہ باطل، سب میں زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی، لبید کی بات ہے کہ سن لو! اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔ کتب کثیرہ مفصلہ اصابہ، نیز مسند میں ہے: سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس

---

(۱۳) الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الاکابر: امام عبدالوہاب شعرانی (۸۹۸ھ - ۹۷۳ھ) ج ۱، ص ۶۳-۶۵ بہ تلخیص وترجمہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشهدان الله لاشئی غیره وانك مامون علی کل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں اور حضور جمیع غیوب پر امین ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔(١٤)

اب مسئلہ کی قدرے تفصیل اور ایک مثال سے تفہیم بھی ملاحظہ ہو۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

یہاں فرقے تین ہیں: ایک خشک اہل ظاہر، کہ حق و حقیقت سے بے نصیب محض ہیں۔ یہ وجود کو اللہ و مخلوق میں مشترک سمجھتے ہیں۔ دوم اہل حق و حقیقت کہ بمعنی مذکور قائل وحدت وجود ہیں۔ سوم اہل زندقہ وضلالت، الٰہ و مخلوق میں فرق کے منکر، اور ہر شخص وشے کی الوہیت کے مُقر ہیں۔ ان کے خیال واقوال اس تقریبی مثال سے روشن ہوں گے۔

ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے۔ جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شے کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے۔ بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوش نما، کسی میں بھونڈی، یہ اختلاف ان کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے خود واحد ہے، ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے۔ ان کے لیے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وللہ المثل الاعلیٰ۔ اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

اول ناسمجھ بچے:

انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ

---

(١٤) فتاوی رضویہ ج٦، ص ١٣٢ - ١٣٣۔ سنی دار الاشاعت مبارک پور۔

یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آرہے ہیں جیسے وہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں۔ جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں۔ وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ تو عین یہ بھی اور وہ بھی۔ مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم۔ اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے۔ یہ سب اسی کے عکس ہیں، اگر اس سے حجاب ہوجائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدوم محض ہوجائیں گے، ہوکیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں۔ حقیقتاً بادشاہ ہی موجود ہے، باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

دوم اہل نظر و عقل کامل:

وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بے شک وجود ایک بادشاہ کے لیے ہے، موجود ایک وہی ہے۔ یہ سب ظل و عکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے۔ اس تجلی سے قطع نظر کرکے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے۔ حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمودِ وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی، یہ ناقص ہیں وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع، تو یہ اس کا عین کیوں کر ہوسکتے ہیں؟ لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کی نمود۔ یہی حق و حقیقت ہے اور یہی وحدت الوجود۔

سوم عقل کے اندھے:

سمجھ کے اوندھے، ان ناسمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے۔ انھوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی، جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی۔ انھوں نے عقل و دانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب و نقائص جو نقصان قوابل کے باعث ان میں تھے خود بادشاہ کو ان کا موردِ کردیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص عاجز محتاج الٹے بھونڈ

ے بدنما دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انھی ذمائم سے متّصف ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا.

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجود حقیقی، احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود بھی ایک ظل ہے، پھر آئینے میں انسان کی صرف سطحِ مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کی صفات مثل کلام و سمع و بصر و علم و ارادہ و حیات و قدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عزّ جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا، ان صفات کا بھی پرتو ڈالا۔ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایتِ حق ہوئی وہ سمجھ لیے کہ

یک چراغے ست دریں خانہ کہ از پرتو آں　　　ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

انھوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں: حقیقی ذاتی کہ متجلی کے لیے خاص ہے اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لیے ہے اور حاشا یہ تقسیم، اشتراک معنی نہیں بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حق حقیقت و عین معرفت۔ و للہ الحمد"۔(۱۵)

ایک حدیث طبرانی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے فرمایا:

"إن اللہ یجمع الأولین والآخرین في صعید واحد ثم ینادی مناد من تحت العرش یا أھل التوحید ان اللہ عزوجل قد عفا عنکم فیقوم الناس فیتعلق بعضھم ببعض في ظلمات، فینادی منادیا أھل التوحید لیعف بعضکم عن بعض وعلیّ الثواب"

یعنی بے شک اللہ عزوجل روز قیامت سب اگلوں پچھلوں کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا پھر زیر عرش سے منادی ندا کرے گا اے توحید والو! مولا تعالیٰ نے تمھیں اپنے حقوق معاف فرمائے۔ لوگ کھڑے ہو کر آپس کے مظلموں میں ایک دوسرے سے لپٹیں گے۔ منادی پکارے

---

(۱۵) فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۱۳۳-۱۳۴۔ سنی دارالاشاعت مبارک پور۔

گا: اے توحید والو! ایک دوسرے کو معاف کر دو اور ثواب دینا میرے ذمہ ہے"۔[16]

یہ اہل توحید کون ہیں جن سے حقوق اللہ بھی معاف ہوں گے اور باہمی حقوق العباد کی بھی معافی کرا کے ثواب کا پروانہ مل جائے گا؟ امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"فقیر کے گمان میں حدیث مذکور میں اہل توحید سے یہی محبوبانِ خدا مراد ہیں کہ توحید خالص تام کامل، ہر گونہ شرکِ خفی واخفی سے پاک ومنزہ انھیں کا حصہ ہے۔ بخلاف اہل دنیا جنھیں عبدالدینار، عبدالدرہم، عبد طمع، عبد ہویٰ، عبد رغب فرمایا گیا۔ وقال تعالیٰ: "اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ" اور بے شک بے حصولِ معرفتِ الٰہی اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار۔ یہ بندگانِ خدا نہ صرف عبادت بلکہ طلب واردات بلکہ خود اصل ہستی ووجود میں اپنے رب جل مجدہ کی توحید کرتے ہیں۔ لا إله إلا الله کے معنی عوام کے نزدیک لا معبود إلا الله. خواص کے نزدیک لا مقصود إلا الله. اہل ہدایت کے نزدیک لا مشهود إلا الله. ان اخص الخواص ارباب نہایت کے نزدیک لا موجود إلا الله. تو اہل توحید کا سچا نام انھی کو زیبا۔ ولہٰذا ان کے علم کو علم توحید کہتے ہیں۔ (جعلنا الله تعالیٰ من خدامهم وتراب أقدامهم فى الدنيا والآخرة، وغفر لنا بجاههم عنده انه أهل التقوىٰ وأهل المغفرة. آمین۔[17]

(۱۶) فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۵۰۔ اشاعت رضا اکیڈمی بمبئی ۱۴۱۵ھ۔

(۱۷) فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۵۲-۵۳۔ اشاعت رضا اکیڈمی ۱۴۱۵ھ

برصغیر میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی

- حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فقہی مذہب
- حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز تربیت واصلاح
- حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانیت وکرامت

سلطان الہند، غریب نواز

خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۵۳۷ھ ——— وفات: ۶۳۲ھ

مولانا محمد رضاء المصطفیٰ برکاتی مصباحی
استاد: دار العلوم انجمن اسلامیہ، پڈرونہ، کشی نگر

مادرِ وطن ہندوستان میں اسلام کی آمد آمد عہدِ صحابہ ہی میں ہو چکی تھی۔ ۱۵ھ میں حضرت عثمان بن ابو العاص کی سرکردی میں لشکرِ اسلام نے ہند کے کچھ علاقوں پر اسلام کا جھنڈا نصب فرمایا۔ بعدہ حضرت عثمان ذو النورین کے دورِ خلافت میں اس طرف خوب پیش رفت ہوئی اور ہندوستان کے سرحدی علاقوں میں مسلمان اپنی فوجی کارروائی کرتے رہے، پھر اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے دورِ امارت میں حجاج بن یوسف ثقفی کے ایما پر مشہورِ زمانہ جرنیل محمد بن قاسم نے باضابطہ ہندوستان پر فوج کشی کی اور بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ لیکن ان فتوحات سے قطعِ نظر ہندوستان میں ایک ایسے باکمال اور مردِ حق آگاہ شیخِ کامل کی ضرورت تھی جو قلعوں کے بجائے دلوں کو فتح کرے اور موروثی پجاریوں کے دلوں سے بتوں کی وقعت نکال کر خدائے وحدہ لاشریک کی عظمت ورفعت اور اس کی محبت کا چراغ ان کے تاریک دلوں میں روشن کر دے۔

اسی اہم مقصد کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا انتخاب فرمایا اور ہندوستان کی ولایت آپ کے سپرد فرما کر ہندوستان جانے کا حکم

دیا، آپ تشریف لائے اور دعوت وتبلیغ کے اہم فریضے کو بخوبی انجام دیا اور ہندوستان میں اسلام کی شمع روشن وفروزاں فرمائی۔

ذیل میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کی حالاتِ زندگی، آپ کے دعوتی کارنامے، خلفاومریدین، تعلیمات وارشادات، اخلاق واوصاف کا مختصراً تذکرہ سپردِ قرطاس ہے۔

خاندانی عظمت : حضرت خواجہ صاحب کے آبا واجداد کو علم وفضل، تقویٰ وطہارت، زہدورع، عبادت وریاضت اور حق گوئی وبے باکی میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ آپ کے والدماجد حضرت خواجہ غیاث الدین رضی اللہ عنہ ایک ولی کامل، علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ زبردست عالم دین، تہجد گزار، شب زندہ دار اور مردحق آگاہ صاحبِ شوکت وثروت بزرگ تھے، غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کے لیے آپ کا در ہمیشہ کھلا رہتا، اپنا سارامال راہِ خدامیں وقف کررکھا تھا، جوکہ درویشوں کا خاص وطیرہ ہے۔ والدہ ماجدہ "بی بی نور فاطمہ" حافظِ قرآن، خداترس، نیک سیرت اور صوم وصلات کی پابند خاتون تھیں، شب بیداری اور تہجد گزاری آپ کا محبوب مشغلہ تھا، آپ کا لقب "خاص الملکہ" ہے۔

آپ نجیب الطرفین یعنی حسنی حسینی سید ہیں، والدِ محترم کی جانب سے سلسلۂ نسب سید الشہدا راکبِ دوشِ مصطفیٰ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتاہے اور والدہ کی جانب سے نسب نامہ جگر گوشۂ رسول حضرت حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

والدماجد کی طرف سے سلسلۂ نسب یوں ہے:

(۱)حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی رضی اللہ عنہ (۲)حضرت خواجہ غیاث الدین رضی اللہ عنہ (۳)حضرت سید سراج الدین رضی اللہ عنہ (۴)حضرت سید عبد اللہ رضی اللہ عنہ (۵)حضرت سید عبد الکریم رضی اللہ عنہ (۶)حضرت سید عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ (۷)حضرت سید اکبر علی رضی اللہ عنہ (۸)حضرت سید ابراہیم رضی اللہ عنہ (۹)حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ (۱۰)حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (۱۱) حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ (۱۲) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

(۱۳) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ۔

والدہ محترمہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے:

(۱) حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی رضی اللہ عنہ (۲) بی بی ام الورع ماہ نور فاطمہ رضی اللہ عنہا (۳) حضرت سید داؤد رضی اللہ عنہ (۴) حضرت سید عبد اللہ حنبلی رضی اللہ عنہ (۵) حضرت سید زاہد علی رضی اللہ عنہ (۶) حضرت سید مورث علی رضی اللہ عنہ (۷) حضرت سید داؤد رضی اللہ عنہ (۸) حضرت سید موسیٰ جون رضی اللہ عنہ (۹) حضرت سید عبد اللہ محض رضی اللہ عنہ (۱۰) حضرت سید حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ (۱۱) حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ۔

ولادتِ باسعادت: آپ کی ولادت ملک سجستان میں ہوئی اور علاقۂ خراسان میں نشو و نما پائی۔ شہزادی جہاں آرا لکھتی ہیں:

ولادت باسعادت حضرت ایشاں روح اللہ روحہ در ولایت سجستان بود ودر دیار خراسان نشو و نما یافتہ اند۔ (مونس الارواح، ص:۲۳)

آپ ۱۴/ رجب المرجب ۵۳۷ھ / ماہ اپریل ۱۱۴۲ء کو اس خاک دان گیتی پر بروز دوشنبہ صبح صادق کے وقت رونق افروز ہوئے۔

کسی شاعر نے آپ کی ولادتِ باسعادت کی تاریخ اپنے اشعار میں یوں بیان کی ہے:

سید عالم معین الدیں ولی — مقتدائے دیں شہ ہندوستاں
سالِ تولیدش بگو "بدر المنیر" — باز، سرور "عارف صوفی" بخواں

اشعار میں مذکور لفظ "بدر المنیر" اور "عارف صوفی" کے اعداد (۵۳۷) (۵۳۷) ہیں۔

آپ کے والد محترم حضرت خواجہ غیاث الدین حسن رضی اللہ عنہ سیستان کی تباہی و بربادی اور اس کی بد نظمی سے تنگ آکر سجستان سے ترک وطن فرما کر خراسان میں اقامت اختیار فرمائی، اور اسی جگہ حضرت خواجہ صاحب کی نشو و نما ہوئی۔

اسمِ گرامی اور القابات: والدِ محترم حضرت خواجہ غیاث الدین رضی اللہ عنہ نے بڑے ہی تزک و احتشام کے ساتھ آپ کا عقیقہ کرایا اور "معین الدین" نام تجویز کیا۔

لوگ پیار سے آپ کو ”حسن“ کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب کے القابات کے سلسلے میں ”معین الارواح“ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں: ”آپ کو دربارِ رسالت سے ”قُطب مشایخ البر والبحر“ کا خطاب عطا ہوا، اور مخلوق آپ کی خصوصیات سے متأثر ہو کر آپ کو متعدّد خطابات و القاب سے یاد کرنے لگی، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

”ہندالولی، عطاے رسول، خواجۂ خواجگان، خواجۂ بزرگ، غریب نواز، سلطان الہند“

ان کے علاوہ خلقِ خدا آپ کو ان القابات سے بھی یاد کرتی ہے:

معین الحق، معین الملۃ والدین، سلطان العارفین، قطبِ دوراں، وارث الانبیا والمرسلین، محبِ اولیاے زماں، امامِ شریعت و طریقت، مخزنِ معرفت، واقف رموزِ صوری و معنوی، مقتداے اربابِ دیں، پیشواے اربابِ یقین، صاحبِ اسرار، عالمِ علم ظاہری و باطنی، قدوۃ السالکین، تاج المقربین والمحققین، سید العابدین، امام العارفین، رہ نماے کاملین، تاج العاشقین، برہان الواصلین، وغیرہ۔ (سیرت خواجہ غریب نواز، ص:۱۷۰)

تعلیم و تربیت: چوں کہ آپ کا خاندان ایک علمی و روحانی خاندان تھا جو اسلامی ماحول اور دینی مقتضیات سے مکمل طور سے آراستہ تھا، اس لیے آپ کی تربیت ابتدا ہی سے علمی اور روحانی ماحول میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، ۹؍ سال کی کم عمری میں حفظِ قرآن کی تکمیل کی، بعدہ ایک مدرسے میں داخل ہو کر حدیث و فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

یتیمی اور مجذوبِ زمانہ ابراہیم قندوزی سے ملاقات: ابھی آپ کی عمر شریف ۱۵؍ برس کی ہوئی تھی کہ آپ اپنے والد ماجد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے، اس حادثۂ جاں کاہ نے آپ کے دل پر بڑا گہرا اثر ڈالا، پدرِ بزرگوار کی وفات کے بعد والد ماجد کے ترکہ سے ایک باغ اور پن چکی ملی اسے ہی آپ نے اپنا ذریعۂ معاش بنایا، خود ہی باغ کی نگہ بانی فرماتے اور اس سے حاصل شدہ کمائی سے شب و روز بسر فرمانے لگے۔

قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ ناگاہ آپ کی ملاقات وقت کے عظیم مجذوب حضرت ابراہیم قندوزی سے ہوئی ،اس ملاقات نے آپ کے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی ، دنیا سے نفرت ہونے لگی ، قلبِ اطہر پر انوار و تجلیات کا ورود ہونے لگا۔ اور آپ نے دینا سے قطعِ تعلق فرماکر طالبِ راہِ حق ہوکر میدانِ جستجو میں نکل پڑے۔ اس ملاقات کی تفصیل کتابوں میں یوں مذکور ہے:

”ایک دن سرکار غریب نواز اپنے باغ میں موجود تھے کی ایک مردِ کامل مجذوب تشریف لائے آپ نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ ایک سایہ دار درخت کے نیچے انھیں بٹھاکر ان کی تواضع کے لیے انگور کے کچھ خوشے خدمت میں پیش کیے ، مجذوب آپ کے اس حسنِ سلوک اور خلقِ کریمانہ سے بہت متاثر ہوئے ،وہ انگور کا ایک ایک دانہ منہ میں ڈالتے جاتے اور کہتے جاتے ”اس میں حسن کے زہد کا ذائقہ ہے ،اس میں امّ الورع کے ورع کی خوشبو ہے ،اس میں معین الدین کے اخلاص کی مٹھاس ہے اور اس میں چشت کی شادابی ہے۔“

آپ پوری توجہ سے ایک ایک بات سن رہے تھے ،آپ نے بزرگ سے فرمایا ”بلا شبہ آپ میرے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں ، مگر اپنے تعارف سے بھی سرفراز فرمائیں۔“

مجذوب نے جواب دیا: ”میرا نام ابراہیم قندوزی ہے ، مجھے لوگ دیوانہ کہتے ہیں اور ٹھیک ہی تو کہتے ہیں میں اپنے مرشد حاجی شریف کا دیوانہ ہوں اور ان کے ارشاد کی روشنی میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج ہی کا دن وہ مبارک دن ہے کہ میرے جذب کی آگ پر سلوک کا ابرِ کرم کھل کر برسے گا ، میرے مرشد نے میری نس نس میں آگ بھڑکا کر ایک چیز مجھے عطا کی تھی اور فرمایا تھا کہ اسے کھالینا سکون مل جائے گا، اس چیز کو کھانے کی شرط یہ ہے کہ ہمارے معین الدین حسن کو تلاش کرتے رہنا وہ مل جائے تو نصف خود کھالینا اور نصف اس کا حصہ ہے۔“ یہ کہ کر اپنی پوٹلی سے خوشبودار کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر آدھا خود کھایا اور آدھا سرکار خواجہ کو کھلادیا۔

سرکار خواجہ نے اپنا حصہ کھا کر پوچھا "آپ کی گفتگو میں کچھ باتیں تشریح طلب ہیں ، یہ حاجی شریف کون بزرگ ہیں اور چشت سے آپ کی کیا مراد ہے ؟"

ابراہیم قندوزی نے کہا: "تم سب کچھ جاننے ہی کے لیے پیدا ہوئے ہو اور سب کچھ جان لو گے ۔" اتنا کہا اور نظر سے اوجھل ہو گئے ۔ (سیرت خواجہ غریب نواز، ص:۱۷۵،۱۷۴)

اس ملاقات کے بعد آپ نے اپنے وطن کو خیر آباد کہہ دیا اور علمِ شریعت و طریقت کے حصول کی خاطر رختِ سفر باندھ لیا۔ سمرقند و بخارا - جو اس دور میں علوم و فنون کا معدن و مرکز تھا، جہاں عظیم الشان علمی و تحقیقی درس گاہیں تھیں ، تشنگانِ علوم و معرفت اکنافِ عالم سے جوق در جوق اور فوج در فوج اس جانب آتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے - حضرت خواجہ صاحب تشریف لے گئے اور پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ حضرت شیخ حسام الدین بخاری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ، حضرت مولانا شرف الدین رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اور حضرت شیخ شرع الاسلام رَضِیَ اللہُ عَنْہُ جیسے جید علماے کرام کی صحبتِ بافیض میں رہ کر تفسیر و حدیث ، فقہ و کلام اور عقائد و معمولات میں دسترس حاصل کی۔

مرشدِ کامل کی جستجو: علومِ ظاہری سے فارغ ہو کر علومِ باطنی کی تحصیل کے لیے ایک مرشدِ کامل کی تلاش شروع کر دی ، اور آخر کار آپ کی نگاہِ انتخاب قصبہ "ہارون" علاقہ نیشاپور کے ایک ہادی طریقت ، منبعِ رشد و ہدایت ، مظہرِ جود و عنایت ، مخزنِ علومِ شریعت و طریقت اور واقفِ رموزِ شریعت پر پڑی اور انھیں کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے ۔ بیعت کی تفصیل آپ نے اپنی کتاب "انیس الارواح" میں ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"حضرت کی صحبت میں ادب سے حاضر ہوا اور روے نیاز زمین پر رکھ دیا ، حضرت مرشد نے فرمایا: دو رکعت نماز ادا کر۔ میں نے فوراً تکمیل کی۔ ارشاد ہوا: رُو بقبلہ بیٹھ ! میں ادب سے قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا: سورۂ بقرہ پڑھ ! میں نے خلوص و عقیدت سے پوری سورہ پڑھی ۔ تب فرمایا: ساٹھ بار کلمۂ "سبحان اللہ" کہو ! میں

اس کی بھی تعمیل کی۔ ان مدارج کے بعد حضرت مرشد قبلہ خود اٹھ کھڑے ہوئے میرا ہاتھ دستِ مبارک میں لیا، آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا۔ ان جملہ امور کے بعد حضرت مرشد قبلہ نے ایک خاص وضع کی ترکی ٹوپی - جو "کلاہِ چار ترکی" کہلاتی ہے - میرے سر پر رکھی، اپنی خاص کملی مجھے اڑھائی اور فرمایا: بیٹھ! میں فوراً بیٹھ گیا۔ اب ارشاد ہوا: ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ! میں اس کو بھی ختم کر چکا تو فرمایا: ہمارے مشائخ کے طبقات میں بس یہی شب وروز کا مجاہدہ ہے، لہٰذا جا اور کامل ایک شب وروز کا مجاہدہ کر۔ اس حکم کے بموجب میں نے پورا دن اور رات عبادتِ الٰہی اور نماز وطاعت میں بسر کی، دوسرے دن حاضر ہو کر روے نیاز زمین پر رکھا، تو ارشاد ہوا: بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا: اوپر دیکھ۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دریافت فرمایا: کہاں تک دیکھتا ہے؟ عرض کیا: عرشِ معلیٰ تک۔ تب ارشاد ہوا: نیچے دیکھ۔ میں نے آنکھیں زمین کی طرف پھیریں، تو پھر وہی سوال کیا کہاں تک دیکھتا ہے؟ عرض کیا: تحت الثریٰ تک۔ حکم ہوا پھر ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ اور جب اس حکم کی بھی تعمیل ہو چکی تو ارشاد ہوا آسمان کی طرف دیکھ اور بتا کہاں تک دیکھتا ہے؟ میں نے دیکھ کر عرض کیا: حجابِ عظمت تک۔ اب فرمایا: آنکھیں بند کر، میں نے بند کر لی۔ ارشاد فرمایا: اب کھول دے۔ میں نے کھول دی، تب حضرت نے اپنی دونوں انگلیاں میری نظر کے سامنے کی اور پوچھا کیا دیکھتا ہے؟ عرض کیا اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں، جب میری زبان سے یہ کلمہ سنا، تو ارشاد فرمایا: بس تیرا کام پورا ہو گیا، پھر ایک اینٹ کی طرف دیکھ کر فرمایا: سے اٹھا، میں نے اٹھایا تو اس کے نیچے سے کچھ دینار نکلے، فرمایا: انھیں لے جا کر درویشوں میں خیرات کر، میں نے ایسا ہی کیا۔ (انیس الارواح، ص:۲،۱)

مجاہدے: حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی بافیض بارگاہ سے فیض یاب ہونے کے بعد آپ نے مجاہدہ، مراقبہ اور تزکیۂ باطن کی جانب اپنی توجہ مبذول فرمائی اور اس سلسلے میں جو مشقتیں اٹھائیں اس کا حال آپ کے خلیفۂ ارشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار

کاکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''انیس الارواح'' میں یوں بیان کرتے ہیں:

''حضرت خواجہ نے بڑے بڑے مجاہدات کیے، آپ سات شبانہ روز بعد افطار کرتے اور پانچ مثقال وزن کی روٹی پانی میں بھگوکر تناول فرماتے، آپ کا لباس دو چادریں تھیں، جس میں پیوند لگانے کے لیے جس قسم کا کپڑا مل جاتا اسے سی لیتے۔'' (مرأۃ الاسرار، ص:۵۹۵)

خلافت و اجازت: پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت خواجہ صاحب کو اس قدر عقیدت و محبت تھی کہ آپ ان کے ہم راہ تقریباً ۲۰/ سال ۶/ ماہ مسلسل شبانہ روز آپ کی خدمت میں سایہ کی طرح لگے رہے، سفر و حضر ہر حالت میں آپ کی معیت کو اپنے لیے حرزِ جان تصور کیا۔ اور پیر و مرشد نے بھی ان ایام میں آپ کو ہر طرح سے نکھار کر ۵۲۸ھ مطابق ۱۱۸۶ء کو ۵۲/ برس کی عمر میں آپ کو خلافت و اجازت اور خرقہ عنایت فرماکر حقیقت و معرفت کے تمام درس پڑھا کر قطبیت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز فرمادیا۔

سیر و سیاحت: پیر و مرشد کی بارگاہ سے علومِ باطنی کے زیور سے آراستہ ہونے کے بعد آپ نے مشاہدہ و مطالعۂ عالم کی غرض سے سفر کا آغاز فرمایا اور دمشق، اوش، بدخشاں، اصفہان، سبزہ وار، سمانا، بلخ، سمرقند و بخارا، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کی سیر فرمائی اور اس مبارک سفر میں اس وقت کے اساطینِ امت و اولیاے ملت، مثلاً: حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ وحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ اور محبوب سبحانی، قطبِ ربانی، شہباز لامکانی حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا۔

مرأۃ الاسرار میں ہے: ''حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان تشریف لانے سے قبل ۵/ ماہ ۷/ دن حضور غوث اعظم دستگیر کی صحبت میں رہ کر اکتساب کیا۔ (مرأۃ الاسرار، ص:۵۹۴)

اس زمانۂ سیر و سیاحت میں آپ نے اولیاے کاملین اور پاک باطن علماے دین کے حالات و کوائف سے خوب سبق حاصل کیا۔ چند سبق آموز واقعات صاحبِ انیس الارواح نے درج فرمائے ہیں ان میں سے ایک رقت آمیز اور سبق آموز واقعہ درج ذیل ہے:

"جب وہ بدخشاں پہنچے، وہاں ایک بزرگ کو دیکھا جن کی عمر سو سال تھی اور ان کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا۔ جب ان سے پاؤں کٹنے کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: ایک مرتبہ میں نے اپنی خواہشِ نفس سے ایک قدم صومعہ سے باہر نکالا ہی تھا کہ غیب سے ندا آئی، اے مدعی !کیا یہی عہد تھا جسے تو نے فراموش کر دیا؟ یہ سنتے ہی میں نے وہ پاؤں کاٹ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس واقعے کو چالیس سال گزر چکے ہیں اور میں عالمِ حیرت میں ہوں، میں نہیں جانتا کل قیامت میں درویشوں کو یہ منہ کس طرح دکھاؤں گا۔ (انیس الارواح، ص:۳)

سرزمینِ ہند پر ورودِ مسعود: حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے ہندوستان کو اپنا تبلیغی مرکز بنانے کے لیے ۵۷۸ھ مطابق ۱۱۹۱ء کو ملتان ،لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے شہرِ اجمیر تشریف لائے، اس وقت کا ہندوستان انتہائی پستی کے عالم میں تھا، حکومت وقیادت اونچی ذات کے لوگوں میں تھی جو انتہائی سرکش اور متکبر تھے، عام آدمی کی اخلاقی حالت انتہائی پست تھی، اسی ہندوستان میں سیکڑوں معبودانِ باطل کی پرستش کی جا رہی تھی اور بعض لوگ تو دیوی دیوتاؤں کے سامنے انسانی جان کی بلی چڑھا دیا کرتے تھے۔ صاحبِ "سیر الاولیا" نے اس دور کے ہندوستان کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"ہمہ دیارِ کفر و کافری و بت پرستی بود و متمردان ہند یکے دعوی "انا ربکم الاعلیٰ "می کردند و خدائے جل و علا را شریک می گفتند و سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور گاؤ و سرگین ایشاں را سجدہ می کردند و بہ ظلمت کفر قفلِ دلِ ایشاں مظلم و محکم بود" (سیر الاولیا)

ترجمہ: ہندوستان کفر و شرک اور بت پرستی کا مرکز تھا، اور یہاں کا ہر سرکش شخص "انا ربکم الاعلیٰ" کا مدعی تھا اور اپنے کو خدا کا شریک ٹھہراتے اور لوگ پتھر، ڈھیلے ، درخت، گائے اور اس کے گوبر کو سجدہ کرتے اور کفر سے ان کے دل تاریک تھے۔

ایسے کفر و شرک کے معدن و مرکز کو اسلام کی روشنی سے منور و تابناک کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے حضرت خواجہ غریب نواز کا انتخاب فرمایا اور آپ کو اس طرح مژدۂ جانفزا سے شاد کام کیا اس کی تفصیل "سیر الاقطاب" میں کچھ اس طرح درج ہے:

”حضرت خواجہ غریب نواز لبوں پر درودِ پاک کے پھول سجا کر روضۂ رسول کے مقدس آستانے پر سراپا ادب و نیاز بن کر کھڑے ہو گئے، اندر سے آواز آئی کہ اے قطب المشائخ! اندر آ جاؤ۔ آپ از خود وارفتگی، بے خودی اور دیوانگی کے عالم میں بھی ہوش و حواس اور ادب و احترام کا دامن تھامے اندر حاضر ہوئے، آپ کی قسمت بیدار ہوئی کہ حالتِ بیداری میں رسولِ اکرم ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئے آقائے کریم نے ارشاد فرمایا:

”معین الدین تو ہمارے دین کا معین ہے، لیکن تجھے ہندوستان جانا ہو گا، وہاں ایک جگہ اجمیر ہے، جہاں میرے فرزند سید حسین نامی تبلیغِ دین اور جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے گئے تھے، اب وہ شہید ہو گئے ہیں، جس کے سبب وہ جگہ کافروں کے تسلط میں آ گئی ہے تمھارے قدموں کی برکت سے وہاں اسلام پھیلے گا اور وہاں کے کافر مغلوب ہوں گے۔“

پھر نبی کریم ﷺ نے ایک انار حضرت خواجہ غریب نواز کے ہاتھ میں عطا فرمایا اور فرمایا: اس میں دیکھو تا کہ تم یہ دیکھ اور جان لو کہ تمھیں کہاں جانا ہے۔ حکم کے مطابق حضرت خواجہ نے انار کے اندر نگاہ کی تو مشرق سے مغرب تک جو کچھ تھا سب نگاہوں کے سامنے آ گیا، نیز شہرِ اجمیر اور اس کی پہاڑیاں وغیرہ بھی اچھی طرح نظر آ گئیں۔ بارگاہِ رسول میں مدد کی درخواست کرتے ہوئے ہندوستان کی طرف مائل بہ سفر ہوئے۔ (سیر الاقطاب، ص: ۱۲۴، ۱۲۳)

حضرت خواجہ صاحب ملتان، دہلی اور دیگر شہروں کو عبور کرتے ہوئے ۵۷۸ھ مطابق ۱۱۹۷ء میں اجمیر کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنتِ لزوم سے سرفراز فرمایا، اور چند ہی ایام میں اس بوریہ نشین درویش نے اسلام کی عظمت و رفعت کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جما دیا، اور اپنے اخلاق حسنہ و اوصافِ کاملہ سے اجمیر میں بیٹھ کر اسلام کا ایسا دیپ جلایا کہ اس کی تابانی آج بھی اہلِ ہند کے قلوب و اذہان کو منور و تاباں کیے ہوئے ہے۔

دعوتی کارنامے: حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ کے حکمِ پاک

سے جب آپ اپنے ہم راہ چالیس اولیاے کرام کو لے ہندوستان کی جانب عازمِ سفر ہوے تو راستے ہی سے دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے بغداد، سمرقند وبخارا، سبزہ وار، بلخ اور دہلی میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور دینِ حق کی طرف بلایا، اس کا اثر یہ ہوا کہ راستے ہی میں سیکڑوں افراد دینِ حق سے وابستہ ہوگئے۔

"خزینۃ الاصفیا" میں ہے: "ہزارہا صغار وکبار بخدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ شرفِ اسلام و اِرادتِ آں حضرت شدند بحدے کہ چراغِ اسلام در ہند بطفیلِ ایں خاندان عالی شان و شوکت روشن گشت"۔

شہرِ اجمیر میں داخل ہونے کے بعد آپ کو بے پناہ مشقتوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہاں کے راجہ "پرتھوی راج" نے جب دیکھا کہ لوگ ایک اجنبی شخص کے دامن سے وابستہ ہورہے ہیں، اس کا اور اس کے ساتھیوں کا زور دن بہ دن کم ہوتا جارہا ہے تو اس نے آپ کو طرح طرح سے اذیتیں دیں، آپ اور آپ کے ساتھیوں پر اناساگر کا پانی بند کرایا، وقت کے نام ور ساحر جوگی جے پال سے مقابلہ کروایا اور جس طرح سے بھی ہوسکا آپ کو زیر کرنے کے لیے اس نے سارے سامان کر ڈالے لیکن حضرت خواجہ نے ان تمام حالات کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا اور صبر کے دامن کو مظبوطی سے تھامے رکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام اور مسلمان "جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی وہ ابھرے گا" کا مصداق بن کر تیزی سے پھیلتا رہا اور مشرکین وکفار کو منہ کی کھانی پڑی۔

اجمیر میں مستقل قیام کے بعد آپ نے باقاعدہ دعوت و تبلیغ کے مشن کو آگے بڑھایا، "اُدع الیٰ سبیلِ ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" کا حسین مصداق بن کر نبوی طریقۂ تبلیغ کو اپنا کر دل نشین اور اخلاقِ حسنہ کا پیکر بن کر لوگوں کو حق کی جانب بلایا۔ آپ فطرتاً سلیم الطبع اور اخلاق مصطفوی کا پیکر تھے آپ کے اخلاقِ کریمانہ میں اس قدر کشش تھی کہ جو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کے ارشادات و فرامین کو سن لیتا وہ اسلام کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوجاتا، آپ کی خانقاہ کا دروازہ بلا تفریق مذہب و ملت ہر

ایک کے لیے کھلا رہتا اور ہر ایک اس بافیض در سے اپنا دامنِ مراد بھرتا اور مرادیں پاکر واپس جاتا، اس کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان کے وہ افراد جو ذات پات، اونچ نیچ، اور طبقاتی امتیازات سے تنگ آگئے تھے آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے وہ ہندوستان جہاں ہر طرف کفر و شرک کی گھنگھور گھٹا چھائی تھی اب وہاں اسلام اور اس کے احکامات کی روشنی و تابانی نے اپنا قبضہ جمالیا۔

عطائے رسول خواجۂ خواجگان کی شہرت جب ہوئی تو لوگ اکنافِ عالم سے آپ کی بارگاہ میں تحصیل علم اور تزکیۂ باطن کے لیے آنے لگے اور آپ کی بارگاہ سے یہ حضرات علم و فضل سے آراستہ ہوکر ہندستان بھر میں پھیل گئے اور اپنی جد و جہد سے ہندوستان جیسے ظلمت کدہ کو بقعۂ نور بنادیا۔ ان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ قابلِ ذکر ہیں۔

آج ہم لوگ ہندستان میں جس شوکتِ اسلام کا مشاہدہ کر رہے ہیں وہ یقیناً آپ کی محنت و مشقت، جہدِ مسلسل اور سعیٔ دائم کا ثمرہ ہے۔

خلفا و مریدین: آپ کی درس گاہِ طریقت سے نکل کر جو ماہ و نجوم اُفقِ عالم پر جگمگائے، خلقِ خدا کی خدمت کی، مجبوروں کی دست گیری فرمائی، لاکھوں گم گشتگانِ راہ کو شریعتِ مطہرہ کے راستے پر جادہ پیما کیا۔ ان کی تعداد تو بہت ہے، ان میں سے کچھ مشاہیر خلفا کا ذکر تبرکاً درج ذیل ہے:

☆قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت خواجہ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ (حضرت خواجہ صاحب کے فرزند ارجمند) ☆حضرت شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت شیخ وجیہ الدین رحمۃ اللہ علیہ، ہرات ☆حضرت سعد بن زید شیخ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت خواجہ برہان الدین عرف بدو رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت خواجہ شیخ احمد اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت خواجہ شیخ محسن رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت خواجہ سلیمان غازی رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت خواجہ حسن خیاط رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت

خواجہ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ (جوگی جیپال) ☆حضرت شیخ صدر الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ☆حضرت شیخ محمد ترک نارسومی رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت شیخ علی سنجری رحمۃ اللہ علیہ☆ حضرت خواجہ یادگار سبزواری رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت خواجہ عبد اللہ بیابانی رحمۃ اللہ علیہ☆ حضرت شیخ وحید رحمۃ اللہ علیہ ☆حضرت مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ۔

(یاد رہے کہ یہ حضرت مسعود غازی خلیفۂ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ، مشہور بزرگ حضرت سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ ہیں ان کا مزارِ مقدس ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش شہر بہرائچ میں ہے۔کیوں کہ ان دونوں بزرگوں کی وفات کے درمیان دوسو سال کا فاصلہ ہے۔) ملخصًا (خزینۃ الاصفیا، ج:۲، ص:۷۴)

تصنیفات: حضرت خواجہ صاحب کی ذات بابرکات دورِ حاضر میں ایک مبلغ و مصلح اور طریقت و معرفت کے شناور کی حیثیت سے متعارف اور مشہور ہے، آپ کی ذاتِ بابرکات شریعت وطریقت کا حسین سنگم تھی، تذکرہ نگاروں نے آپ کی تصنیفات کا بھی ذکر کیا ہے جو تصوف و سلوک کے گنج گراں مایہ ہیں ان میں کچھ یہ ہیں:

☆ انیس الارواح: یہ کتاب فارسی زبان میں ہے، اس میں حضرت نے اپنے پیر و مرشد کے ارشادات جمع فرمائے ہیں۔

☆کشف الاسرار: یہ کتاب بھی فارسی زبان میں ہے، اور اس کا موضوع تصوف ہے۔

☆کنزالاسرار: یہ کتاب آپ نے سلطان الہند شمس الدین التمش کی تربیت کے لیے تحریر فرمائی۔

☆ رسالۂ تصوف: یہ رسالہ بھی تصوف کا ایک اہم رسالہ ہے۔

☆ رسالہ آفاق و انفس: یہ کتاب بھی فارسی زبان میں ہے اور ابھی تشنۂ طبع ہے۔

☆ دلیل العارفین: یہ رسالہ مسائلِ طہارت و نماز و ذکر و اذکار پر مشتمل ہے۔

☆ رسالہ تصوف منظوم: یہ کتاب فارسی منظوم ہے جو آپ کے طرزِ سخن کا آئینہ دار ہے۔

☆ گنج اسرار: یہ رسالہ بھی حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا حسین مجموعہ ہے۔

تعلیمات وارشادات: حضرت خواجہ غریب نواز کی پوری زندگی انسانوں کی رشد وہدایت اور انھیں دینِ حق کا رستہ دکھانے، دعوت وتبلیغ اور تعلیمات وارشادات کے لیے وقف تھی۔ آپ کے چہیتے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ملفوظات وارشادات کو "دلیل العارفین" میں جمع فرمایا ہے، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

☆ دینا میں سب سے بہتر تین اشخاص ہیں: عالم جو علم سے بات کہے، جو حرص نہ رکھے، وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی تعریف وتوصیف کرے۔

☆ جس نے خدا کو پہچان لیا اگر وہ خلقِ خدا سے دور نہ بھاگے تو سمجھ لو اس میں کوئی نعمت نہیں۔

☆ علم ایک بے پناہ سمندر ہے اور معرفت اس کی ایک نالی، سو کہاں خدا اور کہاں بندہ، علم اللہ کے لیے اور معرفت بندے کے لیے۔

☆ اہلِ عرفان یادِ الٰہی کے سوا کوئی اور بات زبان سے نہیں نکالتے۔

☆ نیکوں کی صحبت نیک کام سے بہتر ہے اور بروں کی صحبت کارِ بد سے بری ہے۔

☆ گناہ تم کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا، جتنا ایک مسلمان بھائی کا ذلیل اور رسوا کرنا۔

☆ محبت میں صادق وہ ہے جس پر شوقِ اشتیاق اس قدر غالب ہو کہ سو ہزار شمشیریں اس کے سر پر ماریں تب بھی اس کو خبر نہ ہو۔

☆ بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے پھر بھی مقبولِ بارگاہ ہونے کا امیدوار ہو۔

☆ مرید اپنی توجہ میں اس وقت راسخ اور قائم سمجھا جائے گا جب کہ اس کے بائیں طرف والے فرشتے نے بیس سال تک اس کا ایک بھی گناہ نہ لکھا ہو۔

☆ لوگ منزل گاہِ قرب کے نزدیک صرف اس وقت جا سکتے ہیں جب نماز میں مکمل فرماں برداری کریں، کیوں کہ مومن کی معراج یہی نماز ہے۔

☆ دوستی مولیٰ میں وہ شخص سچا ہوتا ہے کہ اگر اس کے جسم کا ذرہ ذرہ کر دیا جائے

اور آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا جائے، تو بھی دم نہ مارے۔

☆عارف وہ شخص ہے جو کچھ اس کے اندر ہو اسے دل سے نکال دے تاکہ اپنے دوست کی طرح یگانہ ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ اس پر کسی چیز کو مخفی نہ رکھے گا۔

☆کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہے، مرد کو چاہیے کہ احکامِ الٰہی بجالانے میں کمی نہ کرے پھر جو کچھ چاہے گا، مل جائے گا۔

☆جو شخص عشق کی راہ میں قدم رکھتا ہے اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔

☆عارف آفتاب کی طرح ہوتا ہے، جو سارے جہان کو روشنی بخشتا ہے جس کی روشنی سے کوئی چیز خالی نہیں رہتی۔

☆حق شناسی کی علامت لوگوں سے فرار کرنا اور معرفت میں خاموشی اختیار کرنا ہے۔

ان ملفوظات و ارشادات کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ ارشادات جہاں ایک طرف بحرِ ظلمات اور وادی کہسار میں بھٹکنے والوں کے لیے منارۂ نور ہیں، وہیں یہ بحرِ ظلمات میں غوطہ زن افراد کے لیے سفینۂ نجات ہیں۔

اخلاق و اوصاف: اللہ جل شانہ کی یہ عادتِ کریمہ رہی ہے کہ وہ اپنے مخصوص بندوں کو اخلاقِ حسنہ اور بلند و بالا اوصاف و کمالات کے زیور سے آراستہ فرماتا ہے، حضور خواجہ غریب نواز کی ذاتِ بابرکات عالی اوصاف، بلند کردار اور اخلاقِ مصطفوی ﷺ کی نمونہ تھی۔ فیاضی، دریادلی، عفو و بردباری، خوفِ خدا، محبتِ رسول، پابندی شریعت، پڑوسی کا خیال، درویشوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور شریعتِ مطہرہ کی ہر ایک عمل میں مکمل پاس داری وغیرہ اوصاف میں اپنی مثال آپ تھے۔

حلم و بردباری و عفو درگزر کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کو اذیت دینے کے ارادے سے خنجر آستین میں چھپائے ہوئے کاشانۂ اقدس پر حاضر ہوا، آپ نے کشفِ باطنی سے اس کا اندازہ کر لیا تھا اس کے باوجود بھی آپ اس سے بڑے ہی اخلاق مندی سے پیش آئے اور اس سے کہا کہ تم جس ارادے سے آئے ہو اسے

انجام دو، یہ سنتے ہی وہ لرز گیا اور عرض گزار ہوا کہ حضور لیجیے یہ خنجر حاضر ہے، آپ مجھے اس غلطی کی سزا دیجیے اس پر آپ نے عفو و درگزر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ اگر ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں، تم نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی" پھر آپ نے اس مجرم کے حق میں دعا فرمائی اور اپنے غلاموں میں جگہ عنایت فرمائی۔

ازواج واولاد: حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی خدمتِ خلق، جستجوے حق اور ایصال الی الحق کے لیے وقف ہو چکی تھی، دنیاوی علائق وضروریات کی جانب آپ کا خیال تک نہ جاتا تھا اور ان سب سے آپ کی ذات بے نیاز تھی اسی لیے ابتدا میں آپ ازدواجی زندگی گزارنے کا خیال تک نہ لاتے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر آپ نے اس جانب توجہ مبذول فرمائی اور ۵۹۰ھ مطابق ۱۱۹۴ء کو اپنی ہی باندی (جو کہ نومسلم تھی) سے آپ نے نکاح فرمایا جن کا نام "امۃ اللہ" تھا۔

پھر ۶۲۰ھ مطابق ۱۲۲۳ء میں ایک مردِ حق آگاہ اور خدا رسیدہ بزرگ حضرت سید وجیہ الدین مشہدی کی صاحب زادی "بی بی عصمت اللہ" سے دوبارہ نکاح فرمایا۔

آپ کی صلبِ اطہر سے ۳/ صاحب زادے حضرت سید ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اور ایک صاحب زادی حافظہ بی بی جمال تھی، سبھی صاحب زادگان اپنے والدِ محترم کے سچے جانشین اور ان کی ذات کریمہ کا پرتو وعکسِ جمیل تھے۔

وصالِ مبارک: سرچشمۂ ہدایت کا یہ تابندہ اور درخشندہ ستارہ مورخہ ۶/ رجب المرجب ۶۳۲ھ مطابق ۱۶/ مارچ ۱۲۳۶ء دوشنبہ کی شب اکناف عالم کو تاریکی میں چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

اس حادثۂ جان کاہ کی تفصیل ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی صاحب "سلطان الہند خواجہ غریب نواز" میں ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”عشا کی نماز کے بعد حجرۂ پاک میں تشریف لے گئے، دروازہ اندر سے بند کرلیا اور خادمانِ بارگاہ کو ہدایت فرمائی کہ کوئی یہاں نہ آئے۔ محرمانِ راز جو دروازے پر تھے ساری رات عالمِ وجد میں پاؤں پٹکنے کی آواز سنتے رہے،، آخر شب میں یہ آواز آنی موقوف ہوگئی، جب صبح صادق ہوئی، نمازِ فجر کے لیے خادموں نے دستکیں دیں، جب دروازہ نہ کھلا تو خدام نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ خواجہ غریب نواز غریقِ رحمتِ الٰہی ہو چکے ہیں، آپ کی روحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کرچکی ہے اور پیشانی مبارک پر یہ غیبی تحریر ثبت ہے: ھٰذا حَبیب اللّٰہ مات فی حبّ اللّٰہ (ص:۱۱۹،۱۱۸)

نمازِ جنازہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی، جس حجرے میں آپ کی وفات ہوئی اسی میں سپردِ خاک کیے گئے۔

قطعۂ تاریخ وصال یہ ہے:

خواجۂ والا معین الدین از انوارِ او	گشت روشن در دو عالم ماہتابِ ملک ہند
محو شد در نورِ حق چوں آں مہ چرخ یقیں	شد ندا از چرخ چارم ”آفتابِ ملکِ ہند“

مزار مبارک زیارت گاہِ عوام و خواص ہے، بلا تفریق مذہب و ملت عوام و خواص، علماے دین اساطینِ امت و سلاطینِ زمانہ چوکھٹ پر اپنی جبینِ نیاز رکھنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ آپ کے درِ فیض سے فیضان کرم کا دریا آج بھی رواں ہے، ہندوستان اور ہندوستانیوں کے دلوں پر آپ کی حکومت آج بھی قائم ہے، جبھی تو ہندوستان کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایک انگریز مصنف یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا:

”ہندوستان پر ایک قبر حکومت کر رہی ہے، اور وہ قبر خواجہ غریب نواز کی ہے“۔
(بحوالہ محفلِ اولیا، ص:۳۴۸)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

خواجہ غریب نواز کا فقہی مذہب

مفتی محمد نظام الدین رضوی

صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

کثیر اولیاے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے فقہی مسائل میں سراج الاُمّہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی تقلید کی ہے، جیسے:

۱- حضرت سیّدی ابراہیم بن ادہم بن منصور بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ مرید حضرت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام۔

۲- حضرت سیّدی شفیق بلخی بن ابراہیم تلمیذ حضرت قاضی امام ابو یوسف و حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۹۴ھ)

۳- حضرت سیّدی معروف کرخی بن فیروز، استاذ سیدی سری سقطی رحمہا اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۰۰ھ)

۴- حضرت سیّدی ابو یزید بسطامی شیخ المشائخ (اصل نام طیفور بن عیسیٰ) رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۶۱ھ)

۵- حضرت سیّدی فضیل بن عیاض خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۸۷ھ)

۶- حضرت سیّدی داؤد طائی بن نصر بن نصیر بن سلیمان کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۶۰ھ)

۷- حضرت سیّدی ابو حامد لفاف احمد بن خضرویہ بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۴۰ھ)

۸- حضرت سیّدی خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ حضرت امام ابو یوسف و حضرت سیدی ابراہیم بن ادھم رحمہا اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۱۵ھ)

۹- حضرت سیّدی عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم واستاذ امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ

تعالیٰ۔ (وصال ۱۸۱ھ)

۱۰- حضرت سیّدی وکیع بن جراح بن ملیح کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۹۸ھ)

۱۱- حضرت سیّدی ابوبکر وراق محمد بن عمرو ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۲- حضرت سیّدی حاتم اصم تلمیذ حضرت سیدی شقیق بلخی رحمہا اللہ تعالیٰ۔

۱۳- حضرت سیّدی قطب الوجود، ختم دائرۃ الولایۃ محمد شاذلی بکری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(وصال ۸۴۷ھ)

۱۴- حضرت سیّدی علی ہجویری داتا گنج بخش لاہور، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۴۶۵ھ)

۱۵- حضرت سیّدی خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۶۱۷ھ)

۱۶- حضرت سیّدی معین الملۃ والدین خواجہ حسن سجزی غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(وصال ۶۳۳ھ)

۱۷- حضرت سیّدی بشر حافی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۱۸- حضرت سیّدی خواجہ نظام الدین دہلوی۔ سلطان الاولیا، محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(وصال ۷۲۵ھ)

۱۹- حضرت سیّدی شیخ عبدالحق محدث دہلوی محقق علی الاطلاق۔ (وصال ۱۰۵۲ھ)

۲۰- اکثر اولیاے چشت اہل بہشت اور دوسرے بے شمار اولیاے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان۔

مشہور حنفی فقیہ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع کے گیارہ اولیاء اللہ کو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلدین میں شمار کر کے فرماتے ہیں:

وغیر ھم ممن لا یحصیٰ لبعدہ ان یستقصیٰ

اور ان کے سوا بے شمار اولیاے کرام جن کا احاطہ دشوار ہے۔[1]

کشف المحجوب میں ہے:

”آپ (امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بکثرت مشائخ متقدمین کے استاذ ہیں۔ چناں چہ حضرت ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی اور حضرت بشر حافی وغیرہ

(۱) در مختار۔

رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے۔"

مشائخ چشت اہل بہشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سوانح حیات کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات زیادہ تر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب سے ہی وابستہ رہے۔ لیکن ہمارا روئے سخن اس وقت حضرت سیدی خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی طرف ہے، اس لیے ہم صرف آپ کے اور آپ کے شیخ حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہما کے حنفی ہونے کے تعلق سے کچھ شواہد کتاب ہشت بہشت سے پیش کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ حنفی تھے:

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حنفیت کا ثبوت یہ ہے کہ آپ حضرت سیدی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول حجت کے مقام میں پیش کرتے ہیں اور فقہ حنفی کے مسائل، مستدل احادیث، فقہائے حنفیہ اوران کی کتب معتمدہ سے استناد فرماتے ہیں۔

اس کے چند شواہد یہ ہیں:

۱- کتاب "دلیل العارفین" حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات طیبات کا گراں قدر مجموعہ ہے۔ کتاب گو مختصر اور صرف ۵۷ صفحات پر مشتمل ہے مگر علوم و معارف کا گنجینہ ہے، اس کتاب میں آپ کا ایک ارشاد یہ منقول ہے:

"بعد ازاں فرمایا کہ میں نے فقہ الاکبر میں لکھا دیکھا کہ":

امام المتقین ابو حنیفہ کوفی روایت فرماتے ہیں کہ ایک کفن چور چالیس سال تک کفن چراتا رہا۔ آخر جب مرا تو اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں ٹہل رہا ہے، اس کا سبب پوچھا تو بولا کہ مجھ میں ایک چیز تھی، وہ یہ ہے کہ جب میں صبح کی نماز ادا کرتا تھا تو سورج نکلنے تک یاد الٰہی میں مشغول رہ کر پھر اشراق کی نماز ادا کرتا، حق تعالیٰ چوں کہ اندک پذیر اور بسیار بخش ہے۔ اس نے اس کی برکت سے مجھے بخش دیا، میرے افعال کو در گزر کر کے

مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا“۔ [۲]

فقہ اکبر یہ سراج الامہ، کاشف الغمہ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہے جو علم العقاید کی اساسی کتاب ہے۔ حضرت علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری شرح فقہ اکبر کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

قا ل الامام الاعظم و الهمام الافخم الاقدم، قدوة الانام ابو حنيفة الكوفى رحمه الله تعالىٰ فى كتابه المسمّىٰ بالفقه الاكبر: اصل التوحيد اى هٰذا الكتاب اساس معرفة توحيد الحق.

امام اعظم وہمام افخم واقدم، قدوۃ الانام ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ”فقہ اکبر“ میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب معرفتِ توحید حق کی اساس ہے۔ [۳]

۲،۳- دلیل العارفین میں ہے:

بعد ازاں فرمایا کہ میں نے فقہ ہدایہ میں شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ حدیث دیکھی ہے۔ حدیث شریف: اسفروابالفجر فانه اعظم للاجر. یعنی صبح کی نماز سفیدی میں ادا کرو تاکہ ثواب زیادہ ہو۔

ظہر کی نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ اس قدر تاخیر کی جائے کہ ہوا سرد ہو جائے، اور جاڑے میں جب سایہ ڈھلے تو ادا کی جائے، چناں چہ حدیث شریف میں آیا ہے: ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم یعنی گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں ادا کرو۔ [۴]

ہدایہ فقہ حنفی کی بہت ہی عظیم الشان اور مشہور کتاب ہے، جس میں مذہب کے مسائل صحیحہ، رجیحہ، معتمدہ، مفتی بہا دلائل کتاب وسنت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، ساتھ ہی عقلی دلائل کے ذریعہ انھیں ذہن انسانی سے قریب تر کیا گیا ہے، راقم

(۲) دلیل العارفین ص۵ مشمولہ ہشت بہشت۔
(۳) شرح فقہ اکبر ص۹۔
(۴) دلیل العارفین مترجم ص۱۱۔

الحروف نے فقہ، ہدایہ ہی سے سیکھی ہے۔ یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کے نصف آخر میں تصنیف کی گئی اور منظر عام پر آنے کے بعد اس قدر مقبول ہوئی کہ اس وقت سے آج تک نصاب تعلیم میں شامل ہے، حالاتِ زمانہ بدلتے رہے مگر یہ کتاب نہ بدلی، کیوں کہ اس معیار کی کتاب اب تک منظر عام پر نہ آسکی۔ اس کے مصنف ہیں شیخ الاسلام، برہان الدین، ابو الحسن علی بن ابو رشدانی مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ آپ ۸/ رجب ۵۱۱ھ کو پیدا ہوئے اور ۴/ ذی الحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ میں اس جہان فانی کو خیر آباد کہا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درج بالا ارشاد میں فقہ حنفی کے دو مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ایک یہ کہ نماز فجر میں اسفار مستحب ہے یعنی جب رات کی تاریکی دور ہو جائے اور اجالا پھیل جائے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ سردی کے موسم میں ظہر کی نماز میں تعجیل اور گرمی کے موسم میں تاخیر مستحب ہے۔ ہدایہ میں دونوں مسائل کا بیان ان الفاظ میں ہے:

و یستحب الإ سفار بالفجر لقوله علیه الصلاة والسلام: أسفر وا بالفجر فانه أعظم للاجر. وقال الشافعی: یستحب التعجیل فی کل صلاة، والحجة علیه مارو یناه وما نرو یه.

والإ براد بالظهر فی الصیف وتقدیمه فی الشتاء لما رو یناه ولروایة انس رضی الله تعالیٰ عنه: قال: کان رسول الله علیه وسلم اذاکان فی الشتاء بکر بالظهر، واذا کان فی الصیف أبر د بها.

فجر کی نماز روشن کر کے پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ: ''فجر کی نماز روشن کر کے پڑھو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔''

اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے اور ان پر حجت ہماری روایت کردہ حدیث ہے اور ساتھ ہی وہ حدیث بھی جو

آرہی ہے۔

اور ظہر کی نماز گرمی کے موسم میں ٹھنڈی کرکے اور سردی کے موسم میں اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ ارشاد رسالت ہے: ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے۔ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سردی کے موسم میں ظہر کی نماز جلد ادا فرماتے اور گرمی کے موسم میں وقت ٹھنڈا کرکے پڑھتے۔ (۵)

۴- حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فتاویٰ ظہیریہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ آدمی کا منہ پاک رہتا ہے۔ جب تک جنب کی حالت میں رہے جو کچھ پانی وغیرہ پیے وہ ناپاک نہیں ہوتا، اگر وہ بے طہارت ہے، یا جنبی ہے یا حائض، مومن ہو یا کافر اس کا منہ پاک ہے۔ (دلیل العارفین مترجم ص ٦)

فتاوی ظہیریہ فقہ حنفی کی کتب معتمدہ سے ہے۔ عام طور پر فقہاے حنفیہ اس کے مسائل اپنی کتابوں میں نقل کرتے اور ان پر فتوے دیتے ہیں۔ امام قاضی ابو بکر محمد بن ظہیر الدین بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب میں مسائل ضروریہ کو جمع فرمایا ہے، بعد میں امام بدر الدین عینی صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب کے مسائل کا منتخب مجموعہ تیار کیا جس کا نام المسائل البدریۃ، المنتخبۃ من الفتاوی الظھیریۃ رکھا، اس کے مقدمہ میں آپ نے فتاویٰ ظہیریہ کی تعریف فرمائی اور یہ تعریف وانتخاب اس کے معتمد ہونے کی بین دلیل ہے۔

آپ کا اصلی نام محمد بن احمد، لقب ظہیر الدین، کنیت ابو بکر ہے، آپ بخارا کے قاضی و محتسب اور اصول و فروع میں یگانۂ روزگار تھے، وفات ٦١٩ھ میں ہوئی۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ ظہیریہ سے جو مسئلہ بیان فرمایا ہے وہی عامۂ کتب حنفیہ میں بھی ہے، ہدایہ میں یہ مسئلہ یوں مذکور ہے:

وسؤر الآدمی وما یوکل لحمه طاھر لأن المختلط به اللعاب،

---

(۵) ہدایہ ص ۸۲، ۸۳ ج ۱، باب المواقیت عن کتاب الصلاۃ۔

وقد تولد من لحم طاهر. و یدخل فی ھٰذا الجواب الجنب والحائض والکافر. ۱ھ

آدمی اور ماکول اللحم جانوروں کا جوٹھا پاک ہے، اس لیے کہ جوٹھے میں لعاب کی آمیزش ہوتی ہے۔ اور یہ لعاب پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی حکم جنبی، حائضہ اور کافر کے جوٹھے کا بھی ہے۔ (۶)

۵- حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت خواجہ کی چوتھی مجلس کے ارشادات سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ:

پھر فرمایا کہ قبرستان میں عمداً کھانا یا پانی پینا کبیرہ گناہ ہے۔ جو عمداً کھائے وہ ملعون اور منافق ہے، کیوں کہ گورستان عبرت کا مقام ہے نہ کہ حرص و ہوا کا۔

پھر اسی موقع کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے امام یحییٰ ابوالخیر زندویستی کے روضے میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من اکل فی المقابر طعاما أو شرابا فھو ملعون و منافق. جس نے قبرستان میں کچھ کھایا پیا، وہ ملعون اور منافق ہے۔ (۷)

امام یحییٰ بن علی بن عبداللہ زندویستی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہاے حنفیہ سے ہیں۔ آپ کی کتاب کا پورا نام روضۃ العلماء ہے۔ پہلے آپ نے روضۃ الذاکرین کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس میں فقہی مسائل نہیں تھے۔ بعد میں احباب کی فرمائش پر آپ نے ہر باب میں مسائل فقہیہ کا اضافہ فرمایا ساتھ ہی اس سے متعلق اخبار وحکایات بھی درج کیں، اس کا نام روضۃ العلماء رکھا، آپ چوتھی صدی ہجری کے فقہا سے ہیں اور اپنے زمانے کے امام، فقیہ وزاہد تھے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

۶- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

پھر فرمایا کہ: فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۶) ہدایہ ص ۴۵، ۴۴ ج ا، فصل فی الآسار وغیرھا من باب المیاہ۔
(۷) دلیل العارفین مترجم ص ۱۶۔

فرماتے ہیں کہ جو شخص علما سے آمد و رفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھتا ہے، ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہو کر گزار دے۔ (۸)

اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا فتاویٰ ظہیریہ فقہ حنفی کی اہم کتابوں سے ہے۔

۷،۸- نیز رقم طراز ہیں:

بعد ازاں فرمایا کہ صلاۃ مسعودی کی شرح میں امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت میں ایسی تاکید و تشدید نہیں فرمائی جیسی کہ نماز کے بارے میں۔ (۹)

پھر فرمایا کہ: میں نے صلاۃ مسعودی میں لکھا دیکھا ہے کہ جب لوگ نماز اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں اور رکوع و سجود اور قراءت و تسبیح کو ملحوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے نور شائع ہوتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، جب وہ نماز عرش کے نیچے لائی جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر اور نماز ادا کرنے والے کے لیے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالاتا ہے۔ (۱۰)

صلاۃ مسعودی اور اس کی شرح کتب حنفیہ سے ہے۔

۹- حضرت کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ غریب نواز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"پھر فرمایا کہ صلاۃ مسعودی میں بہ طریق ترغیب، حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق فقہ سنت میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا میری سنت ہے، اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنت ہے۔ اس پر زیادہ کرنا ستم ہے۔

---

(۸) دلیل العارفین مترجم ص۲۲۔

(۹) دلیل العارفین مترجم ص۹۔

(۱۰) دلیل العارفین مترجم ص۸۔

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ صرف دو مرتبہ دھوئے۔ جب نماز ادا کر چکے، تو اسی رات حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو خواب میں دیکھا، جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمھارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب اس ہیئت سے جاگ پڑے۔ پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی، اور کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعت بطور وظیفہ کے روزانہ ادا کی"۔ [۱۱]

صلاۃ مسعودی کتب حنفیہ سے ہے اور حضرت سیدی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجل فقہاے حنفیہ سے ہیں۔ آپ خراسان کے رہنے والے تھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ذکر الصیمری: اخذ الفقه عن ابی حنیفة وروی عنه الشافعی، فاخذ عن امام عظیم واخذعنه امام عظیم وروی له امامان عظیمان البخاری ومسلم وترجمه التمیمی وغیره بترجمة حافلة

علامہ صیمری نے ذکر کیا ہے کہ امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سیکھی اور ان سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی تو انھوں نے ایک امام عظیم (ابو حنیفہ) سے اور ان سے ایک امام عظیم (امام شافعی) نے اخذ فیض کیا، اور آپ سے دو عظیم المرتبت امام بخاری و مسلم نے حدیث روایت کی۔ علامہ تمیمی وغیرہ نے آپ کے حالات تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ [۱۲]

۱۰- حضرت خواجہ بختیار کاکی فرماتے ہیں کہ:

"بعد ازاں فرمایا کہ: امام خواجہ ابو اللیث سمرقندی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر روز دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ایک کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو اور پریو! سنو اور اس طرح سمجھ رکھو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرض بجا نہیں لاتا، وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا فرشتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم

---

(۱۱) دلیل العارفین مترجم ص ۳۔

(۱۲) رد المختار۔

کے حظیرہ پر کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو اور پریو! سنو! اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنت نبوی ادا نہیں کرتا اور تجاوز کرتا ہے، وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔ (۱۳)

امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا شمار اجلہ فقہائے حنفیہ سے ہے۔ آپ امام الہدیٰ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ نے چار جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی ہے جس کا حوالہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیا ہے۔ اس کے سوا نوازل فقیہ اللیث فقہ میں آپ کی مشہور کتاب ہے۔ خزانۃ الفقہ، شرح جامع صغیر، عیون الفتاویٰ وغیرہا آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں سے ہیں۔ ۱۱؍ جمادی الآخرہ ۳۷۳ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ امام فقیہ النفس قاضی خاں اور برہان الشریعہ و تاج الشریعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (حاشیہ احسن الوعامیں) وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت تاج الشریعہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

وله السفر بها بعد ادائه فى ظاهر الرواية أى بعد اداء مابين تعجليه أو قدرما يعجل لمثلها فى ظاهر الرواية. قيل: لا. و به افتى الفقيه ابو الليث رحمه الله تعالىٰ (۱۴).

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا مہر معجل ادا کرنے کے بعد اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جا سکتا ہے، اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ نہیں لے جا سکتا۔

۱۱- دلیل العارفین کی مجلس سوم میں ہے:

"بعد ازاں فرمایا کہ امام یحییٰ زندویسی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ مولانا حسام الدین و محمد بخاری سے جو میرے استاد تھے، سنا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے ہیں: من أكبر الكبائر الجمع بين الصلاتين۔ یعنی سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ نماز فریضہ میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت گزر جائے اور پھر دو نمازیں

---

(۱۳) دلیل العارفین مترجم ص ۳،۲۔
(۱۴) شرح الوقایۃ، باب المہر ص ۵۳، ۵۱ ج ۱ مجلس البرکات

اکٹھی ادا کی جائیں۔ (۱۵)

جمع بین الصلاتین مشہور اختلافی مسئلہ ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سفر میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سفر حضر ہر جگہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ " جمع بین الصلاتین "کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز کسی بھی ایک کے وقت میں اور مغرب وعشا کی نماز کسی بھی ایک کے وقت میں پڑھی جائے۔ اگر ظہر کے وقت میں عصر اور مغرب کے وقت میں عشا پڑھیں تو اسے "جمع تقدیم" کہتے ہیں اور عصر کے وقت میں ظہر اور عشا کے وقت میں مغرب پڑھیں تو اسے " جمع تاخیر" کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سفر کی وجہ سے جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دونوں ہی ناجائز ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کا وقت اول، آخر مقرر فرمادیا ہے تو جمع تاخیر کی صورت میں ایک نماز کا وقت گزار کر پڑھنا لازم آئے گا جو گناہ ہے اور جمع تقدیم کی صورت میں ایک نماز کا وقت گزرنے سے پہلے پڑھنا لازم آئے گا تو نماز ہی نہ ہوگی پھر وقت ہونے پر ادا نہ کرے تو ترک فرض بھی لازم آئے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم، رسالہ "حاجز البحرین" میں اس موضوع پر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی روشنی میں بہت ہی مبسوط اور تحقیقی کلام کیا ہے اور دلائل کثیرہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب بہت ہی قوی اور راجح و مختار ہے۔

حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روضۃ العلما سے یہی مسئلہ نقل فرمایا ہے جس سے آپ کی حنفیت عیاں ہو جاتی ہے۔

الغرض اس طرح کے کثیر شواہد ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیدی خواجہ غریب نواز حسن سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد تھے۔

---

(۱۵) دلیل العارفین مترجم ص ۱۱،۱۰۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی تھے:

اپنی گفتگو کے تکملہ کے طور پر عرض ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو مذہب حنفی کی تقلید کی نعمت اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے ملی ہے۔ وہ خود سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد اور حنفی تھے۔ اس کے چند شواہد یہ ہیں:

حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات بنام ''انیس الارواح'' جمع فرمائے ہیں، یہ کتاب اسم با مسمّٰی ہے جس کے مطالعہ سے روح کو انس اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔ یہ کتاب اٹھائیس مجالس اور پینتالیس صفحات پر مشتمل ہے جس میں علم و معرفت کے جواہر غالیہ بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں استشہاد کے لیے اسی کتاب کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

۱- حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مجلس اول میں ایمان کا ذکر ہوا، آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان ننگا ہے اور اس کا لباس پرہیزگاری ہے اور اس کا سرہانا فقر ہے اور اس کی دوا علم ہے اور اس بات کی شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص انکار کرتا ہے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ کچھ اعمال صالحہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

پھر فرمایا کہ: ان باتوں سے ایمان بار بار تازہ ہوتا ہے لیکن وہ روزے اور نماز سے گھٹتا بڑھتا نہیں، اس واسطے کہ جس نے نماز کے صرف فرضوں کو ہی ادا کیا ہو اور ان میں کسی قسم کا نقصان نہ کیا، خدائے تعالیٰ اس کے لیے حساب آسان کر دیتا ہے اور اگر فرضوں میں کسی قسم کا نقصان کیا ہو تو خداوند تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ دیکھو! اس نے کوئی دیدہ و دانستہ نقصان نہیں کیا اور عبادت کی ہے، تو فرضوں کے عوض اسے شمار کر لو۔ اور اگر اس نے فرض

بھی پورے ادانہ کیے ہوں اور نہ ہی کوئی عبادت فاضلہ کی ہو تو وہ دوزخ کے لائق ہوتا ہے، بشرطے کہ خدا کی رحمت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شفاعت نہ ہو لیکن ایمان کی اصلیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (۱۶)

ائمہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا جو بسیط ہے۔ اس میں اعمال صالحہ کی وجہ سے کمی بیشی نہیں ہوتی۔ ہاں ان کی وجہ سے ایمان کامل اور مضبوط سے مضبوط ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف ائمہ شافعیہ ایمان میں کمی بیشی کے قائل ہیں۔ امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح صحیح مسلم میں اور علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے المعتقد المنتقد میں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ نے المعتمد المستند میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ بصیرت افروز گفتگو فرمائی ہے اور غرض یہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس باب میں امام اعظم علیہ الرحمہ کے مذہب پر ہیں۔

۲- درج ذیل اقتباس میں فتاویٰ ابو اللیث سمرقندی کی عبارت بطور استناد بیان فرمائی ہے جس سے ان کی حنفیت کا اشارہ ملتا ہے، اقتباس یہ ہے:

”خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے خواجہ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے ابو اللیث سمرقندی کی فقہ میں لکھا دیکھا ہے کہ علی ابن ابی طالب روایت کرتے ہیں: ”فتلقیٰ اٰدم من ربہ کلمات“ (پس آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ باتیں سیکھ لیں) یہ وہ وقت تھا جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے آئے تھے۔“ (۱۷)

۳- انیس الارواح میں ہے:

”فرمایا کہ ان کا نام شمس العارفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روضہ مبارک سے پڑا۔ یہ اس طرح ہوا کہ جس روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روضہ

---

(۱۶) انیس الارواح مترجم مجلس اول ص ۵۔

(۱۷) انیس الارواح مترجم ص ۷

مبارک پر پہنچا اور سلام کیا تو آواز آئی (علیك السلام یاشمس العارفین) اے شمس العارفین تجھ پر سلام ہو۔

پھر فرمایا کہ یہی معاملہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پیش آیا تھا۔ جب آپ ابتدائی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روضہ مبارک پر پہنچے اور کہا: اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام۔ تو آواز آئی علیک السلام یاامام المسلمین۔ اے مسلمانوں کے امام تجھ پر سلام ہو۔"(۱۸)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب جلیلہ کا یہ بیان اس امر کا شاہد ہے کہ حضرت خواجۂ خواجگان سیدی عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی مذہب کے متبع اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔

اس تفصیل سے یہ امر منقح ہو جاتا ہے کہ حضرت سیدی خواجہ غریب نواز اور آپ کے شیخ حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور حنفی تھے۔ در مختار میں ہے کہ:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے اعظم معجزات اور سرداران اہل کشف وولایت سے تھے۔ بے شمار اولیاے کرام وصالحین عظام ومحققین اسلام نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی مدح فرمائی ہے۔ امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ ابو علی دقاق سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ طریقت امام ابو القاسم نصر اباذی سے، انھوں نے حضرت سیدی شبلی سے، انھوں نے حضرت سیدی سری سقطی سے، انھوں نے حضرت سیدی داؤد طائی سے اور انھوں نے علم طریقت امام اعظم ابو حنیفہ سے اخذ کیا رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ اور ان سب نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ثنا کی ہے اور آپ کے فضل کا اعتراف کیا ہے تو کیا یہ سادات کرام ہمارے لیے بہتر نمونہ نہیں ہیں جو ائمہ طریقت بھی ہیں اور ارباب شریعت وحقیقت بھی۔ خلاصہ کلام یہ کہ امام اعظم ابو

---

(۱۸) انیس الارواح مترجم ص ۲۱۔

حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زہد، ورع، عبادت، علم اور فہم میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے۔ اسی لیے آپ کے مذہب کے پیرو کار بے شمار ہوئے۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں کثیر مقامات پر اولیاے کرام کے فضائل بیان کیے گئے ہیں مثلاً ارشاد باری ہے: ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون. خبر دار، بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔[19]

جب اللہ عزوجل کے مقربان بارگاہ، عارفان رموز شریعت وواقفان اسرار طریقت اولیاے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے تقلید کی اور تقلید کرتے رہے تو آج کل کے آزاد منش نما گنواروں کی کیا حیثیت کہ وہ عالم اس سے روگردانی کریں۔ اسی لیے علما نے صراحت فرمائی کہ غیر مقلد گمراہ، گمراہ گر ہیں اور یقینا تقلید سے انحراف مسلمانوں کے راستے سے انحراف ہے جس کا انجام نار جہنم ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ حضرات اولیاے کرام کے دامن سے وابستہ رہیں، اور اماموں کے امام حضرت سیدی ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کو نعمت جانیں کہ یہ دراصل اتباع کتاب وسنت ہے۔

(۱۹) آیت سورہ

حضرت خواجہ غریب نواز
کا طرز تربیت و اصلاح

اختر حسین فیضی مصباحی
استاد: جامعہ اشرفیہ مبارک پور

کوئی مذہب اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ تغیر پذیر زندگی میں خوش گوار تبدیلی لا سکتا ہے، جب تک کہ اس میں ایسے افراد نہ پیدا ہوں جو نیک نیتی، بے غرضی، روحانیت، ایثار، اخلاص اور اپنے اخلاق حمیدہ کے ذریعہ پیروان مذہب کے تن بے جان میں نئی روح پھونک دیں اور ان کے اندر خود اعتمادی، خود احتسابی، قوت ادراک اور جوش عمل کی جوت جگا دیں۔

اسلام کی دعوت و تبلیغ اور بنی نوع انسان کی اصلاح و تربیت کی ایک طویل تاریخ ہے۔ داعی اعظم حضرت محمد عربی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد صحابہ، تابعین، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کے لیے مبارک زندگیاں وقف کیں، ان مبارک جماعتوں کے بعد علما، صلحا اور صوفیہ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور یہی وہ حضرات ہیں جو خداوند کریم کی طرف سے قیامت تک کے لیے اس کار عظیم کے لیے منتخب ہیں۔

اسلام کی تاریخ کبھی بھی دعاۃ و مصلحین سے خالی نہیں رہی، دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تربیت کا کام ہر زمانہ میں ان ادوار کی ضرورتوں کے پیش نظر کم و بیش ہوتا رہا۔ جب بھی دشمنان اسلام کی طرف سے دین کو کوئی خطرہ محسوس ہوا، کوئی پر عزم اور با قوت شخصیت ضرور میدان عمل میں آئی، جس نے اس فتنہ کا سد باب کیا اور باطل تحریکوں پر قدغن لگائی۔

اسلام کے چار مشہور سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقش بندیہ، سہروردیہ) نے رشد و ہدایت اور تبلیغ و اصلاح کی شمعیں خوب روشن کیں۔ اپنے اپنے دور میں ان میں سے ہر ایک

کی شعاع فیض بار نے اکناف عالم کو منور کیا، اہل ہند نے بھی ان کی پاکیزہ تعلیمات سے روشنی حاصل کی۔ لیکن سلسلۂ چشتیہ نے چوں کہ ہندستان کے قریبی ملک ایران میں نشوو نما پائی، اس لیے اس کے اثرات اس ملک پر نسبتاً زیادہ مرتب ہوئے۔ غرض کہ رب قدیر نے ہندستان میں اس سلسلے کو تربیت و اصلاح کے لیے منتخب کرلیا تھا، جس چشتی بزرگ نے سب سے پہلے اس ملک کی طرف نظر التفات فرمائی، وہ خواجہ ابو محمد چشتی (علیہ الرحمہ)[1] کی بابرکت ذات تھی۔ انھیں کی دعاے مستجاب نے سلطان محمود غزنوی کو فاتح ہندستان بننے میں معاونت کی۔

حضرت علامہ عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ رقم طراز ہیں:

جس زمانے میں سلطان محمود غزنوی سومنات[2] (ہندستان) کی لڑائی کے لیے روانہ ہوا تھا، خواجہ ابو محمد کو خواب میں اشارہ ہوا کہ تمھیں محمود کی مدد کے لیے جانا چاہیے، وہ ستر سال کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مشرکوں اور بت

---

(۱) خواجہ ابو محمد چشتی بن خواجہ ابو احمد کی ولادت شب یکم محرم ۳۳۱ھ / ۹۴۲ء میں ہوئی۔ آپ مادر زاد ولی تھے، ایام حمل میں آپ کی والدہ ماجدہ اپنے بطن سے لا الہ الا اللہ کی آواز سنتیں، جب اپنے شوہر خواجہ ابو احمد سے یہ حال بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: مبارک ہو تیرے بطن سے ولد صالح پیدا ہوگا۔ ایام رضاعت کے بعد شیر مادر از خود ترک کردیا، جب ساڑھے چار سال کی عمر ہوئی، مکتب میں بٹھائے گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں قرآن ختم کرلیا، سات سال کی عمر ہوئی تو نماز باقاعدہ باجماعت ادا فرمانے لگے اور گوشۂ خلوت میں ذکر الٰہی فرمایا کرتے۔

والد گرامی سے بیعت و خلافت: جب چوبیس سال کی عمر ہوئی، والد گرامی نے دار فانی سے کوچ کیا اور آپ خانقاہ چشت کے سجادہ نشین ہوکر بیعت و ارشاد کے منصب پر فائز ہوگئے۔ آپ کے تین خلفا تھے۔ خواجہ ابو یوسف، خواجہ محمد کاکو، خواجہ استاد مردان۔ آپ کی وفات سیر الاقطاب کے مطابق ربیع الاول ۴۱۴ھ میں ہے اور سفینۃ الاولیا کے مطابق رجب ۴۱۱ھ / ۱۰۲۰ء میں۔ مزار پر انور چشت میں ہے۔

(۲) تاریخ فرشتہ کے مطابق سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۵ھ میں سومنات کی طرف کوچ کیا، اگر حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کا سنہ وفات ۴۱۱ھ یا ۴۱۴ھ صحیح مانا جائے تو وہ حملہ سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اس زمانے میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا یہ دریاے عمان (مراد شمالی بحیرہ عرب) کے کنارے واقع ہے، یہ شہر اپنے عظیم الشان بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا تھا۔ (تاریخ فرشتہ ح ۱/۷۸)

پرستوں کے ساتھ جہاد کیا[۳] لیکن تبلیغ اسلام اور دعوت اصلاح میں اس وقت تیزی آئی، جب سلسلۂ چشتیہ کے شیخ الشیوخ خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی[۴] رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ہندستان میں قدم رکھا اور تبلیغ وارشاد کی بساط بچھائی۔

آپ رائے پتھورا[۵] (پرتھوی راج چوہان) کے دور حکومت میں ہندستان

---

(۳) علامہ عبد الرحمن جامی/ترجمہ اردو: شمس بریلوی، نفحات الانس ص ۵۲۰ دانش پبلشنگ کمپنی نئی دہلی۔

(۴) حضرت خواجۂ اجمیری کے ساتھ سنجری (س ن ج ری) کی نسبت بہت مشہور ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں۔ ان کی تحقیق میں سجزی (س ج زی) صحیح ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: سجزی بکسر سین و سکون جیم و کسر زاے معجمہ نسبت بہ سیستان، سیستان رابہ زبان عربی سجستان و سجز گویند۔ ایں تعریب است وابدال سین بہ زا از تعریب است۔

ترجمہ:- سجزی سین کسرہ، جیم کے سکون اور زاے معجمہ کے کسرہ کے ساتھ سیستان کی طرف منسوب ہے سیستان کو عربی زبان میں سجستان کہتے ہیں اور یہ تعریب ہے اور سین کا زا سے بدلنا تعریب کے تغیرات سے ہے۔ [الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ص ۸۸، مطبع احمد، دہلی]۔

مولانا عبد الاول جون پوری لکھتے ہیں: السجزي نسبة إلى سجستان الاقليم المعروف و يقال له في الفارسية سيستان فخواجه معين الدين ولي الهند الأجميري سجزي منسوب إلى سجستان و من يقولونه سجزي منسوب إلى سنجر فقولهم من قبيل غلط العوام.

ترجمہ: سجزی ایک مشہور ملک سجستان کی طرف منسوب ہے جسے فارسی میں سیستان کہا جاتا ہے، خواجہ معین الدین ولی الہند اجمیری کو سجستان کی طرف منسوب کرتے ہوئے سجزی کہتے ہیں۔ جو حضرات سنجر کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں سنجری کہتے ہیں تو ان کا قول غلط العوام کے قبیل سے ہے۔

(رسالہ تمرین الادب فی ترقین العرب ص ۲۸۔ مشمولہ شرح جامی مطبوعہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک)

(۵) پرتھوی راج چوہان دہلی کا راجہ تھا، اجمیر بھی اس کی سلطنت میں تھا۔ دہلی کی سلطنت نانا انند پال (اننگ پال) سے ملی اور اجمیر کی سلطنت اپنے باپ سومیشور سے وراثت میں پائی۔ اس طرح وہ دو طاقت ور مرکزی سلطنتوں کا مالک ہوا۔ چوں کہ اجمیر اس کے باپ دادا کا دار السلطنت تھا، اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ وہ زیادہ تر اجمیر میں ہی رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اجمیر اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔ پرتھوی راج بڑا بہادر، باہمت اور فنون سپہ گری میں طاق تھا۔ وہ قابل سپہ سالار اور ماہر تیر انداز تھا۔ ہندستان کے اتر، پچھم میں غور نام کی ایک سلطنت تھی، اس کا حاکم محمد غوری تھا، وہ قوم کا ترک تھا ہندستان کے راجاؤں کی باہمی پھوٹ دیکھ کر اس نے ہندستان پر حملہ کر دیا۔ پرتھوی راج نے غوری کے اس حملے کو روکنے کے لیے راجپوت راجاؤں کو جمع کیا دہلی سے کچھ دور ترواڑی کے میدان میں پرتھوی راج اور غوری کی فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہوئی، راجپوت بڑی دلیری سے لڑے اور غوری کی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ غوری گھائل ہوا اور میدان سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔ غوری اپنے ملک پہنچ کر پرتھوی راج سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی تیاری میں لگ گیا، دوسرے ہی سال وہ ایک بھاری فوج کے ساتھ پھر اسی ترواڑی کے میدان میں آڈٹا۔ پرتھوی راج نے ایک بار پھر راج پوت راجاؤں سے کہا

تشریف لائے اور اجمیر سے اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جو ان دنوں راے پتھورا کا دار السلطنت تھا اور کفر و شرک کی آماج گاہ بھی۔ حضرت نظام الدین اولیا[٦] رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ سید محمد مبارک کرمانی[٧] اس دور کے حالات اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی

کہ مل کر مقابلہ کریں، لیکن آپسی اختلاف کی وجہ سے کچھ ہی راجاؤں نے اس کا ساتھ دیا، سلطان غوری کی فوج بھاری پڑی، اس لیے پرتھوی راج اور اس کی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، پرتھوی راج گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا، اس طرح راجپوت راجاؤں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور سلطان شہاب الدین نے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ہندستان میں غوری فرماں روائی کا آغاز ہوا۔

(٦) نظام الدین اولیا: آپ کا اسم گرامی سید محمد، لقب شیخ المشائخ، نظام الدین اور محبوب الٰہی ہے۔ آپ نجیب الطرفین حسینی سید ہیں۔ ۲۷/ صفر ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۶ء بمقام بدایوں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ پانچ ہی سال کے تھے کہ والد گرامی حضرت سید احمد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ سیدہ بی بی زلیخا جو خدا شناس پارسا خاتون تھیں، نے ان کی پرورش کی اور دینی، اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے اساتذہ میں خواجہ شادی مقری، مولانا علاء الدین اصولی، مولانا شمس الدین، مولانا برہان الدین اور مولانا محمد بن احمد کا نام ملتا ہے۔ علم ظاہری حاصل کرنے کے بعد آپ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں رہ کر سلوک و معرفت کے مراحل طے کیے۔ ۱۳/ رمضان المبارک ۶۶۹ھ کو بابا فرید نے انھیں خلافت سے نوازا۔ آپ کی ذات مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھی۔ علم و فضل، عقل و شعور اور جذبۂ عشق الٰہی سے رب کریم نے خوب نوازا تھا۔ بابا فرید نے عطاے خلافت کے وقت فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تم کو عقل، علم اور عشق کی دولت سے نوازے۔ آپ پوری زندگی خدمت خلق، اصلاح امت اور تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔

۱۸/ ربیع الآخر ۷۲۵ھ/ ۱۳۳۴ء بروز بدھ وصال ہوا۔ خانوادۂ چشت کے روحانی سربراہ کا جنازہ ہزاروں سوگوار ارادت مندوں کے کاندھوں پر اٹھا۔ سلطان دہلی محمد شاہ تغلق بھی جنازہ میں شریک تھا۔ نماز جنازہ شیخ الاسلام ابو الفتح رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی نے پڑھائی۔ دہلی میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے، تربت انور پر سلطان محمد تغلق نے شاندار گنبد تعمیر کرایا۔ (تذکرہ مشائخ عظام از مولانا ڈاکٹر محمد عاصم گھوسی ص ۲۸۵ تا ۲۹۲ ملخصاً مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور)

(٧) سید محمد بن مبارک کرمانی۔ ولادت ۷۱۹ھ۔ وفات ۷۷۱ھ۔ آپ سید مبارک بن محمود کرمانی کے صاحب زادے ہیں۔ آپ نے "سیر الاولیا" نام کی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مشائخ چشت کے حالات لکھے گئے ہیں۔ زمانہ طفولیت ہی میں خواجہ نظام الدین اولیا سے بیعت ہوئے اور شیخ کی بعض مجالس میں شرکت کی۔ شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے بعض خلفا سے مستفیض ہوئے، خصوصاً شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے۔ اکثر اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیا کو خواب میں دیکھا کرتے تھے۔ کئی مرتبہ تجدید بیعت کی ہے۔ آپ کے والد، چچا اور دادا، سب لوگ خواجہ نظام الدین اولیا کے رشتہ دار تھے، آپ نے اپنی کتاب سیر الاولیا میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اپنے آبا و اجداد ہی کے ذریعے اور واسطے سے لکھا ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔ (اخبار الاخیار ص ۲۱۰، ۲۱۱ از شیخ عبد الحق محدث دہلوی)

رحمۃ اللہ علیہ کی سعی اصلاح بیان کرتے ہیں:

ترجمہ:- ملک ہندستان اپنے آخری مشرقی سرے تک کفرو شرک کی آماجگاہ تھا۔ اہل کبرو نخوت خدائی کا دعوی کر رہے تھے اور خدا کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرتے تھے، پتھر، ڈھیلا، درخت، جانور گائے اور گوبر کو سجدہ کرتے، کفر کی تاریکی کی وجہ سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے۔

سب دین و شریعت کے حکم سے غافل، خدا اور پیغمبر سے بے خبر۔ نہ کسی نے قبلہ کی سمت پہچانی نہ اللہ اکبر کی صدا سنی۔ آفتاب یقین حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک قدم کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس کی تاریکی نور اسلام سے بدل گئی۔ ان کی کوششوں سے جہاں صلیب و کلیسا تھے، مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے۔ جہاں مشرکانہ صدائیں بلند ہوتی تھیں وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

اس سرزمین میں جس کو اسلام کی دولت ملی اور قیامت تک اس دولت سے شرف یاب ہوگا اور نسل در نسل ان کی اولاد دامن اسلام سے وابستہ ہوگی اور وہ جماعت جن کی تبلیغ اسلام نے اس دار حرب کو دار الاسلام بنایا تا قیامت اس کا ثواب ان افراد قدسیہ اور شیخ الاسلام خواجہ معین الدین حسن سجزی قدس سرہ العزیز کی روح کو پہنچتا رہے گا۔(۸)

تجدید اسلام اور دعوت اصلاح میں اس وقت مزید استحکام آیا، جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندستان کی باگ ڈور سنبھالی۔ علامہ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

سلطان شہاب الدین محمد غوری کی رائے پتھورا (پرتھوی راج) پر فتح یابی حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے مبارک وجود کی برکت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ غزنین سے اجمیر تشریف لائے اور وہاں قیام پذیر ہوئے اور پرتھوی راج کی طرف سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچی تو خواجہ نے سفارش کا پیغام بھیجا، جسے نالائق رائے پتھورا نے قبول نہ کیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص یہاں آکر غیب

---

(۸) سید محمد بن مبارک (میر خورد) سیر الاولیا ص ۴۷

کی باتیں بتاتا ہے (یہ طنز سن کر) خواجہ صاحب نے ناراض ہو کر فرمایا "پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم" (ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا)

انھیں دنوں سلطان شہاب الدین غوری پتھورا پر حملہ آور ہوا۔ پتھورا پورے نخوت و غرور سے مقابلے پر صف آرا ہوا اور دونوں لشکروں کے درمیان نیزہ بازی اور تیغ زنی شروع ہوئی، سلطان فتح یاب ہوا اور پتھورا زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اسی وقت سے دین، دین کی جڑیں اس دیار میں مستحکم ہوئیں اور کفر کی بنیادیں روز بروز منہدم ہوتی گئیں۔ اسی لیے حضرت خواجۂ ہندستان کو ساتویں صدی کا "مجدد" کہا جاتا ہے[(۹)]

شہزادی جہاں آرا بیگم نے اس تعلق سے ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے:

ترجمہ:- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی[(۱۰)] رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان رائے پتھورا کے پاس سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مرید ہونے کی غرض سے آیا، حضرت نے اسے مرید نہ کیا، وہ شخص واپس گیا اور رائے پتھورا سے حضرت کی شکایت کی، حضرت کے پاس رائے

---

(۹) (الف) میر سید غلام علی آزاد، مآثر الکرام، ص ۷۱، ۷۲، جامعۃ الرضا بریلی شریف
(ب) شہزادی جہاں آرا بیگم، مونس الارواح، ص ۳۶، شاہ ابوالخیر اکادمی، بازار چتلی قبر دہلی

(۱۰) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ قصبہ اوش مضافات فرغنہ ولایت، ماوراء النہر میں خانوادہ سادات حسینی میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی بخت یار، قطب الدین لقب ہے۔ ولادت شب دوشنبہ ۵۸۲ھ میں ہوئی۔ پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھا، سر سجدے میں رکھ کر تہلیل و تقدیس رب کی۔ عمر شریف ڈیڑھ برس کی ہوئی تو باپ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا۔ پاکیزہ باطن مادر مہربان کی آغوش محبت میں پروان چڑھتے رہے۔ صاحب کمال معلم ابو حفص کے فیض تعلیم و تربیت نے سلوک و معرفت کا ایسا ذوق پیدا کیا کہ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف رہنے لگے۔ مرشد کامل کی تلاش میں اصفہان پہنچے۔ حسن اتفاق سے انھیں دنوں خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ وارد اصفہان ہوئے، وہیں حضرت خواجۂ اجمیری سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہوا۔ آپ نے اپنے شیخ کے ساتھ سیر و سیاحت بھی کی، اخیر میں مرشد برحق نے ارشاد و تبلیغ کے لیے انھیں دہلی میں چھوڑا اور خود اجمیر تشریف لے گئے۔ شب دوشنبہ ۱۴/ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو یہ چراغ رشد و ہدایت گل ہو گیا۔ سلطان شمس الدین التمش نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرقد انور دہلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (خواجہ غریب نواز ص ۱۴۸ تا ۱۵۵ ملخصا از مولانا محمد عاصم گھوسی۔ فاروقیہ بک ڈپو دہلی)

پتھورا نے ایک شخص کو بھیج کر یہ دریافت کیا کہ آپ نے اس آدمی کو اپنی مریدی میں کیوں قبول نہ کیا؟ حضرت نے فرمایا: میں نے اسے مرید اس لیے نہیں کیا کہ تین چیزیں اس کے اندر ایسی ہیں جو اس سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ اول: یہ بہت بڑا گنہ گار ہے۔ دوم: یہ کہ میرے متبعین سے نہیں ہے اور ہم ایسوں کو اپنی ارادات میں نہیں لیتے جو غیروں کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ سوم: یہ کہ میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا ہے کہ وہ اس دنیا سے بے ایمان جائے گا۔ جب یہ جواب پتھورا کو بتایا گیا تو اس نے کہا کہ شیخ غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جائیں۔ جب حضرت کو یہ بات معلوم ہوئی تو مسکرا کر فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمھارے درمیان صرف تین دن کی مہلت ہے، اس شہر سے تم جاؤ گے یا ہم۔ اس دوران سلطان محمد شاہ کے لشکر نے اجمیر پر حملہ کیا اور پتھورا کو زندہ گرفتار کر لیا اور وہ شخص جو حضرت سے مرید ہونے آیا تھا اس نے پانی میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔[11]

ہندستان میں قدم رکھنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے جب دعوت اسلام اور تربیت و اصلاح کی مہم تیز کی اور پروانہ وار لوگ آپ کے گرد اکٹھا ہونے لگے تو پرتھوی راج چوہان اور اس کے ہوا خواہوں کو خواجہ کی یہ مقبولیت اچھی نہ لگی۔ ہر طرح سے آپ کو پریشان کیا گیا۔ آپ کے اوپر مشکلات کے پہاڑ توڑے گئے، لیکن اس مرد حق آگاہ کے پائے ثبات میں تبلیغ اسلام اور اصلاح احوال کے تعلق سے لغزش نہ آئی اور آپ نے اصلاحی مہم اور تیز کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ پتھورا کے ہوا خواہ حضرت خواجہ ہند کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور اسلام کی بیش بہا دولت سے سرفراز ہوئے۔ اس تعلق سے ذیل کے وقعات دل چسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

رام دیو کا قبول اسلام:

اناساگر جس کے گرد و نواح میں ہزاروں بت خانے تھے، جن پر سیکڑوں من تیل اور پھول صرف ہوتے، صبح سے شام تک پرستاروں کا ہجوم رہا کرتا تھا، برہمنوں اور

---

(۱۱) شہزادی جہاں آرا بیگم، مونس الارواح ص ۷۳، شاہ ابو الخیر اکادمی، بازار چتلی قبر دہلی

پجاریوں کو حضرت کا قیام ناگوار گزرا، ایک دن جب راجہ اور اہل شہر کی کثیر تعداد مندروں میں پوجا کے لیے حاضر ہوئی، مہنتوں کا سردار رام دیو مہنت ایک جماعت کثیر کے ساتھ حضرت کی بارگاہ میں آیا۔ حضرت خواجہ کے جمال جہاں آرا پر نظر پڑتے ہی لوگوں کے جسموں پر لرزہ طاری ہوگیا، بید کی طرح کانپنے لگے، حضرت کی نگاہ کیمیا تاثیر نے مہنت کے دل کی کیفیت بدل دی۔ وہ بہ صد خلوص و عقیدت آگے بڑھا اور دست حق پرست پر اسلام قبول کرلیا۔

پجاریوں کا سردار رام دیو جو چند ساعت قبل تک کفر و شرک سے نہ صرف آلودہ تھا بلکہ اس باطل فکر و عمل کا مبلغ و ترجمان بھی تھا، اب وہ توحید و رسالت کا اقراری بن چکا تھا۔ ایک جماعت لے کر حضرت خواجہ کو پریشان کرنے آیا تھا، مگر شر پسندوں کا وہی قائد حضرت خواجہ کے دفاع میں سینہ سپر ہوگیا اور لکڑی اور پتھر سے معاندین خواجہ کو مار مار کر بھگا دیا۔ حضرت نے رام دیو کی یہ مجاہدانہ خدمت دیکھی تو از راہ کرم ایک پیالا پانی عطا فرمایا اور پینے کا حکم دیا، پانی پیتے ہی اس کا آئینۂ دل ضلالت و گمراہی کے زنگ سے پاک ہوگیا۔ آب قدح نے آب حیات کا اثر دکھایا۔ بے جان قلب و روح میں زندگی کی توانائی پیدا ہوئی، عشق و ارادت کے فیض عام نے اسے حضرت کے قدموں میں ڈال دیا اور داخل سلسلہ ہوگیا۔ خواجہ نے اس کا نام شادی دیو رکھا۔ (۱۲)

جے پال کا قبول اسلام:

حضرت خواجۂ ہند کی تبلیغی اور اصلاحی مہم کو سرد کرنے کے لیے پرتھوی راج چوہان نے جوگی جے پال کا سہارا لیا۔ اس وقت اس کی جادوگری کا ڈنکا بج رہا تھا، اس نے اپنی سحر انگیزی سے حضرت خواجہ کو مرعوب کرنا چاہا تاکہ تبلیغ اسلام اور عمل اصلاح سے باز آئیں، وہ اس عمل حسن سے باز کیوں آتے، جب کہ اسی کام کے لیے وہ من جانب الرسول ہندوستان پر مامور تھے۔ آخر کار جوگی جے پال اپنا سارا کرتب دکھا کر عاجز ہوگیا، خواجہ اور

(۱۲) ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، ص ۱۰۱، ۱۰۲، فاروقیہ بک ڈپو دہلی۔

ان کے ساتھیوں کو گزند نہ پہنچا سکا۔ جب اس نے اپنے کرتب کا آخری داو استعمال کرنا چاہا تو حضرت خواجہ سے مخاطب ہو کر کہا:

اب میرا اور تمھارا مقابلہ باقی ہے، بہتر ہے کہ تم فوراً اجمیر چھوڑ دو، ورنہ میں آسمان پہ جاکر تمھارے سر پر اس قدر بلائیں برساؤں گا کہ تمھارا سنبھلنا دشوار ہو جائے گا، حضرت خواجہ نے تعجب سے فرمایا ؎

تو کار زمیں رانکو ساختی — کہ با آسماں نیز پرداختی

جے پال نے ہرن کا مرگ چھالا ہوا میں پھینکا اور اچھل کر اس پر بیٹھ گیا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں پرواز کرنے لگا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ لوگ حیران تھے دیکھو اب کیا ہوتا ہے، حضرت نے جے پال کا یہ کرشمۂ سحر اور لوگوں کی حیرت دیکھی تو اپنے نعلین چوبیں (کھڑاؤں) کو حکم دیا کہ جاؤ سرزنش کرتے ہوئے مغرور جے پال کو نیچے اتار لاؤ۔ یہ فرمان سنتے ہی دونوں کفش پرندوں کی طرح فضا میں اڑتے ہوئے نگاہوں سے روپوش ہو گئے، چند ساعت بعد لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ حضرت کے پاپوش جے پال کے سر کو کوٹتے ہوئے خواجہ کے پاس لے آئے۔ کھڑاؤں کی ضرب نے منکر جے پال کے غرور نخوت کا بت توڑ دیا تھا، روحانی صداقت کے سامنے جادوگری کا فریب تار عنکبوت کی طرح پارہ پارہ ہو چکا تھا، اسے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ درویش کوئی جادوگر نہیں، روحانیت کی غیر متزلزل قوت کا مالک ہے۔ اس کے ادنی حکم سے بے جان پاپوش نہ صرف ہوا میں اڑنے کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں، بلکہ ہندستان کے ماہر فن جادوگر کو بے بس کر کے ذلت و حقارت کے ساتھ زمین پر لانے کی قوت بھی پا جاتے ہیں۔ نگاہوں سے حجابات اٹھ چکے تھے، جے پال نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور خلوص دل کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ عرض کی، حضور! دعا فرمائیے، میں امر ہو جاؤں، یعنی تا قیامت زندہ رہوں۔ حضرت نے دعا فرمائی: الٰہی اس بندہ کی دعا قبول فرما۔ جب حضرت پر دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو نے دائمی زندگی پالی مگر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ مشہور ہے کہ جے پال اب تک اجمیر کے کوہستان

میں رہتا ہے، جو راہ گیر راستہ بھول جاتا ہے، اس کی رہبری کرتا ہے۔ ہر شب جمعہ روضہ مقدس کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ حضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔[۱۳]

پرتھوی راج کو دعوت اسلام:

جب پرتھوی راج کے معتمدین دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے تو خواجہ غریب نواز نے خود پرتھوی راج کو دعوت اسلام پیش کی۔ آپ نے تحریر فرمایا:

اے راجا! تیرا اعتقاد جن جن لوگوں پر تھا، وہ بہ حکم خدا مسلمان ہو گئے ہیں۔ اگر بھلائی چاہتا ہے تو تو بھی مسلمان ہو جا، ورنہ ذلیل و خوار ہو گا۔ سنگ دل پرتھوی راج نے اس دعوت حق کو قبول نہ کیا تو حضرت خواجہ نے مراقبہ کیا، کچھ دیر کے بعد تفکر سے سر اٹھایا اور فرمایا: اگر یہ بد بخت ایمان نہ لایا تو میں اس کو اسلامی لشکر کے حوالہ زندہ گرفتار کرادوں گا۔[۱۴]

حضرت خواجہ کی عظمت و فضیلت اور روحانیت کو محسوس کرنے کے بعد بھی پرتھوی راج اسلام کی دولت سے محروم رہا اور لشکر اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔

حضرت خواجہ کی روحانی قوت اور تصرفات و کرامات نے باشندگان اجمیر کو متاثر کیا، نیز آپ کے اصلاحی عمل اور تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگ کثیر تعداد میں شرک و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان و اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے اور حضرت کے ارادت مندوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔

مرشد گرامی حضرت عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ[۱۵] سے علاحدگی کے بعد

---

(۱۳) ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، ص ۱۰۶، ۱۰۷، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی

(۱۴) ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی، خواجہ غریب نواز، ص ۱۰۷، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی

(۱۵) حضرت خواجہ عثمان ہرونی چشتی قدس سرہ العزیز نیشا پور کے قریب علاقہ خراسان ہرون میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت میں تذکرہ نگاروں کے درمیان اختلاف ہے، اکثر کے نزدیک سنہ ولادت ۵۳۶ھ / ۱۱۴۱ء ہے، آپ خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ نیشا پور اس وقت علم و فضل کا عظیم مرکز تھا، اس لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے اس شہر میں قیام کیا۔ حدیث فقہ، تفسیر اور دیگر علوم و فنون میں مہارت حاصل کی اور جلد ہی بڑے علما میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ خواجہ حاجی

حضرت خواجہ نے مختلف مقامات کی سیاحت کی، حضرت کی سیاحت راہ سلوک کی سخت منزلیں طے کرنے کی خاطر ہوئیں ۔ اس لیے آپ نے انھیں مقامات کا انتخاب کیا جہاں راہ سلوک کے شہسوار اور بحر معرفت کے شناور موجود تھے ۔ ان کے فیض صحبت سے آپ خوب خوب سیراب ہوئے۔ اسی دوران آپ کی روحانیت نے اصلاح و تربیت کا کام بھی انجام دیا، جس کی وجہ سے گم گشتہ راہ، راہ یاب ہوئے۔ ذیل کے واقعات آپ کی روحانی اصلاح و تربیت کے دل چسپ شواہد ہیں ۔

یادگار محمد حاکم سبزوار کی توبہ:

حضرت جب سبزوار [16] تشریف لائے، وہاں یادگار محمد نامی ایک حاکم تھا جو درشت مزاج، کثیف طبیعت، فاسق اور رفض میں مشہور تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو برا کہتا اور جس کسی کا نام ابوبکر، عمر اور عثمان ہوتا اس کو سخت تکلیف پہنچاتا اور اس کی بربادی کے درپے ہوجاتا۔ شہر کے نزدیک اس کا ایک باغ تھا۔ وہاں اس نے حوض اور پر تکلف عمارت بنوائی تھی۔ جب وہ اس جگہ آتا تو شراب اور عیاشیوں میں مشغول ہوتا۔

حضرت شیخ معین الدین چشتی قدس سرہ جب سبزوار آئے تو پہلے ہی دن اس باغ میں داخل ہوئے اور اسی حوض میں غسل کیا جو اس باغ میں تھا اور دو رکعت نماز

شریف زندنی چشتی علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر بیعت کی، ان کی رہ نمائی میں سلوک کی منزلیں طے کیں، مجاہدہ اور مکاشفہ نے جب آپ کو مرد کامل بنادیا تو شیخ طریقت نے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ خلعت و خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت نے بلاد اسلامی کی سیر و سیاحت شروع کی، مجاہدۂ ذکر و فکر برابر جاری رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ ستر سال تک سخت ریاضت و مجاہدہ میں بسر کیا اور اس مدت میں شکم سیر ہوکر نہ کھانا کھاتے، نہ پانی پیتے۔ قرآن حکیم کے حافظ تھے، روزانہ ایک ختم قرآن شریف کی تلاوت فرماتے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے شرف بیعت حاصل ہے۔ قصبہ ہرون نیشاپور خانقاہ عثمانی میں حاضر ہوکر آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ پھر خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری زندگی خدمت خلق اور تبلیغ و ارشاد میں گزاری، اخیر عمر میں مکہ معظمہ تشریف لے گئے، وہیں ۶/ شوال ۶۰۷ھ کو رحلت فرمائی اور مکہ معظمہ میں جنت المعلیٰ کے قریب دفن ہوئے۔ (مرآۃ الاسرار ص ۵۶۲ از شیخ عبد الرحمن چشتی۔ خواجہ غریب نواز، ص: ۳۷، ۴۷۔ از مولانا محمد عاصم اعظمی)

(۱۶) سبزوار، ایران کے ایک شہر کا نام۔

پڑھی اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوگئے، اتفاق سے اسی روز یادگار محمد اس باغ کی طرف متوجہ ہوا، اس درویش نے جو حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ کے ساتھ تھا، شیخ مذکور سے عرض کیا کہ امیر کے فرّاش باغ میں آگئے ہیں، ان کے بعد وہ بھی آئے گا۔ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ اس باغ سے باہر نکل آئیں کہ وہ ایک قوی اور ظالم شخص ہے، حضرت شیخ نے ان کے کہنے پر کوئی توجہ نہ کی اور اس سے فرمایا کہ اس سرو کے سائے میں بیٹھ جاؤ جو حوض کے قریب ہے۔ اسی اثنا میں یادگار محمد کے فراش آگئے اور انھوں نے اس کا خاص غالیچہ حوض کے کنارے بچھادیا اور شیخ کی دہشت اور بزرگی کی وجہ سے وہ ان کو نہ اٹھا سکے اور نہ منع کر سکے۔ اسی اثنا میں یادگار محمد آگیا۔ حضرت شیخ نے اپنی جگہ سے حرکت کی، جب اس کی نظر حضرت شیخ پر پڑی تو اس کے جسم میں لرزہ پیدا ہوگیا اور اس کے چہرے کا رنگ متغیّر ہوگیا۔ حضرت شیخ کی بزرگی و شان کی وجہ سے اس کے تمام مصاحبوں اور ہم نشینوں پر دہشت چھاگئی اور اس نے لرزاں و ترساں غالیچہ کو دور پھینک دیا اور وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوگیا، حضرت شیخ نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ وہ ذرا سی دیر میں بے طاقت ہوگیا اور گر پڑا۔ جب حاضرین نے یہ واقعہ دیکھا تو سب نے زمین پر سر رکھ دیے، حضرت شیخ نے اپنے درویش سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی حوض سے لے اور اس کے چہرے پر چھڑک، درویش مذکور نے شیخ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا، کچھ دیر بعد یادگار محمد کو ہوش آیا، اس نے زمین پر سر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے بلند آواز سے فرمایا کہ تو نے توبہ کی؟ اس نے نہایت عاجزی سے جواب دیا کہ میں نے توبہ کی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ وہ برا عقیدہ (رفض) جو رکھتا تھا، اس کو چھوڑ دیا؟ اس نے کہا خدا کی قسم چھوڑ دیا۔ نہیں معلوم کہ اس نے کیا دیکھا کہ یک بارگی ڈر گیا، کانپا اور بے ہوش ہوگیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ معین الدین نے فرمایا کہ وہ وضو کرے اور توبہ کے شکرانے کی دو رکعت نماز پڑھے، اس نے ایسا ہی کیا، شیخ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور ان

کے ہاتھ پر بیعت کی اور مرید ہو گیا۔ اس کے تمام مصاحبوں نے بھی اسی طرح توبہ کی۔ [۱۷]

بیعت سے سرفراز ہونے کے بعد یاد گار محمد نے تمام سامان اور نقدی جو اس کے ملک میں تھا، حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت نے فرمایا:

تمام دشمنوں کو خوش کر اور جس کسی سے جو کچھ ظلم و تشدد سے حاصل کیا ہے، وہ اس کو واپس کر دے تا کہ حق سبحانہ تعالیٰ تیری توبہ کو استقلال و دوام عطا فرمائے اور تجھ پر رحمت کی نظر کرے۔ [۱۸]

(اس کا ردعمل یہ ہوا کہ یاد گار محمد نے) تمام کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا اور جو کچھ ان سے متعلق دیکھا، وہ بھی ان کو بخش دیا، اس کی دو بیویاں تھیں دونوں کو طلاق دے دی اور دل و جان سے حضرت شیخ کی محبت و الفت و اتحاد و اعتقاد کی نذر کر دیے اور واصلان حق سے ہوا۔

اولیاے کرام کو پروردگار عالم نے بندوں کی اصلاح و تربیت کے ایسے ایسے گر عطا فرمائے ہیں جو عام انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ یاد گار محمد کو ایک نظر کیمیا اثر نے رفض سے توبہ کرنے پر مجبور کیا اور ذیل کی عبارت میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ پرندے کی ایک بھنی ہوئی ران کھلا کر اصلاح حال فرمائی، واقعہ یوں ہے۔

حکیم ضیاء الدین کی اصلاح حال:

حضرت خواجہ سبزوار سے بلخ آئے اور حضرت شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں چند ماہ قیام فرمایا۔ وہاں مولانا ضیاء الدین بلخی تھے۔ مولانا کو علم تصوف پر بالکل اعتماد و اعتقاد نہ تھا، چناں چہ وہ اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ علم تصوف ہذیان ہے کہ جو تپ زدہ اور مسلوب العقل بکا کرتے ہیں اور اس نیک بخت گروہ کے حق میں سوائے گالیاں دینے کے کچھ نہ کہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت خواجہ کا گزر اس گاؤں سے ہوا، جہاں حکیم ضیاء الدین درس دیتے تھے، وہاں تیر سے ایک کلنگ کو شکار کیا اور چاہا کہ اس کے کباب

(۱۷) حامد بن فضل اللہ جمالی / ترجمہ ایوب قادری، سیر العارفین، ص ۹، ۱۰، ۱۱ اردو سائنس بورڈ، لاہور
(۱۸) حامد بن فضل اللہ جمالی / ترجمہ ایوب قادری، سیر العارفین، ص ۱۱، اردو سائنس بورڈ لاہور

بنائیں اور کام میں لائیں، حضرت نے ایک درخت کے نیچے قیام کیا اور خادم کو حکم دیا کہ آگ جلائے اور کباب تیار کرے، خود نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

اتفاق سے مولانا حکیم ضیاء الدین کا اس طرف سے گزر ہوا، دیکھا کہ ایک درویش نماز میں مشغول ہیں اور ان کا خادم کلنگ کے کباب بنا رہا ہے۔ مولانا بھوکے تھے انھوں نے چاہا کہ کچھ دیر اس درخت کے نیچے جہاں حضرت زبدۃ المشائخ (خواجہ غریب نواز) مشغول عبادت تھے قیام کریں اور کباب میں سے چند لقمے کھائیں۔ جب حضرت خواجہ نماز سے فارغ ہوئے تو حکیم ضیاء الدین کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کے قدموں پر اپنا سر نہ رکھیں، لیکن تکلف سے انھوں نے اپنے کو باز رکھا، سلام کیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے، اسی وقت حضرت زبدۃ المشائخ کے خادم نے کباب پیش کیا، حضرت شیخ نے 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' پڑھی اور اس کلنگ کی ایک ران علاحدہ کی اور مولانا ضیاء الدین حکیم کے سامنے رکھ دی اور دوسری ران میں سے کچھ گوشت کاٹا اور خود تناول فرمایا۔ مولانا ضیاء الدین نے جب اس کباب میں سے ایک لقمہ اٹھایا اور کھایا تو فوراً اس لقمے کے اثر سے ان کے سینے میں ظلمت فلسفیانہ کا جو رنگ تھا، اس کی جگہ اسرار معرفت کے انوار رونما ہو گئے۔ چناں چہ مولانا اس نور کے ظاہر ہونے کے بعد از خود رفتہ ہو گئے، کچھ دیر بعد حضرت زبدۃ المشائخ نے اپنا پس خوردہ ان کے منہ میں ڈال دیا، جس سے مولانا ہوش میں آ گئے۔ جب مولانا کو اسرار وحدت کی روشنی حاصل ہوئی تو انھوں نے اپنا تمام فلسفیانہ کتب خانہ دریا میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو دنیاوی ساز و سامان سے آزاد کر لیا اور ان کے مرید ہو گئے اور ان کے تمام شاگرد بھی حضرت خواجہ بزرگ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ (خواجہ بزرگ نے) مولانا ضیاء الدین کو اس جگہ متعیّن کر دیا اور خود غزنین کی طرف روانہ ہو گئے۔ [۱۹]

---

(۱۹) حامد بن فضل اللہ جمالی / ترجمہ ایوب قادری سیر العارفین، ص۱۱-۱۲، اردو سائنس بورڈ، لاہور

صوفی حمید الدین ناگوری کی توبہ:

حضرت صوفی حمید الدین ناگوری [۲۰] حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفا میں سے ہیں، آپ کی جوانی کے ابتدائی ایام روش زمانہ کے مطابق لا ابالی پن میں گذرے، لیکن حضرت خواجہ بزرگ کی نگاہ کیمیا اثر نے اصلاح و تربیت کا وہ کارنامہ انجام دیا کہ ان کی زندگی میں انقلاب پیدا ہو گیا اور آزادی ترک کر کے راہ راست اختیار کر لی۔

سیر العارفین میں ہے:

وہ (صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ) ابتدائی زمانے میں بہت پریشان حال تھے، وہ نہایت خوب صورت تھے، چناں چہ جو عورت ان کو دیکھتی تھی، فریفتہ ہو جاتی تھی۔ جب انھوں نے حضرت معین الملۃ والدین کی صحبت پائی تو تائب ہو گئے، توبہ کر لینے کے بعد ان کے ہم نشینوں نے پھر فسق و فجور کی طرف بلایا، انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کمر بند کو اتنا مضبوط باندھ لیا ہے کہ معلوم نہیں کہ بہشت کی حوروں پر بھی کھولوں یا نہیں۔ انھوں نے تائب ہونے کے بعد حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یک بارگی ترک و تجرید اختیار کر لی اور جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا، فقرا کو دے دیا۔ [۲۱]

حضرت خواجہ بزرگ کی اصلاحی سرگرمیوں نے باشندگان ہند کے اندر اسلامی روح پھونک دی اور کج روی سے دور رکھا۔ گویا ہندستان کے اندر جو کچھ بھی اصلاحی انقلاب بر

---

(۲۰) آپ کی کنیت ابو احمد، نام حمید الدین، لقب سلطان التارکین اور صوفی ہے، آپ کا سلسلہ، نسب سعید بن زید بن عمرو قریشی سے ملتا ہے، جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی اور بہنوئی تھے، آپ عشرۂ مبشر میں سے تھے، صوفی صاحب کے والد سلطان معز الدین محمد غوری کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ سلطان التارکین کا بیان ہے کہ فتح دہلی کے بعد مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا سب سے پہلا بچہ میں ہی ہوں۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے زمانہ سے لے کر شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کے آغاز کا عہد دیکھا ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تحریر و تقریر میں قدم راسخ رکھتے تھے، تصوف میں شان عالی کے مالک تھے، قواعد طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ تصنیفات میں "اصول الطریقہ" بہت مشہور ہے۔ صحیح قول کے مطابق آپ کی وفات ۲۹؍ ربیع الاخر ۶۷۳ھ میں ہوئی، مزار پر انوار ناگور میں ہے۔

(۲۱) حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص ۱۵، اردو سائنس بورڈ، لاہور

پا ہوا وہ حضرت خواجہ غریب نواز کی جہد مسلسل اور آپ کے خلفا کی سعی پیہم کا نتیجہ ہے۔ آپ ہی کے عہد زریں میں اجمیر کی سیاسی مرکزیت ختم ہوگئی اور دہلی پورے طور پر ہندوستان کا دار السلطنت قرار پایا۔ آپ نے رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کے لیے اپنے احب خلفا میں سے حضرت قطب الدین بخت یار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی کی ذمہ داری سونپی اور حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کو ناگور کے محاذ پر تعینات کیا اور خود اجمیر کو اپنا مستقر باقی رکھا جہاں سے اسلام کی تعلیمات لوگوں تک پہنچائیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ اہل وطن دامن اسلام سے وابستہ ہونے لگے اور ان کی تربیت نے وابستگان کے اندر وہ اسلامی جذبہ پیدا کیا کہ انھوں نے بقیہ عمر اسلام کی دعوت و اشاعت اور بندگان خدا کی تربیت و اصلاح میں گزار دی اور بڑی کامیابی و کامرانی کے ساتھ راہی ملک بقا ہوئے۔

بزرگوں کے ملفوظات وار شادات بھی رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں، اس لیے خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا ایک حسین انتخاب دیدۂ و دل کی تازگی کے لیے پیش ہے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ”دلیل العارفین“ کے نام سے آپ کے خلیفہ ارشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے مرتب کیا ہے۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے اور کم یاب ہے، میرے سامنے اس کا اردو ترجمہ ہے جس پر مترجم کا نام مرقوم نہیں۔ دلیل العارفین کے تعلق سے اہل علم کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ اس کا انتساب ان کی طرف صحیح نہیں۔ مگر شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی [۲۲] رحمۃ اللہ علیہ نے ”اخبار الاخیار“ میں جہاں حضرت خواجہ غریب نواز

---

(۲۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد میں جس بزرگ نے سب سے پہلے سرزمین ہند پر قدم رکھا وہ آغا محمد ترک تھے، آغا محمد بخارا کے رہنے والے تھے۔ تیرہویں صدی عیسویں میں جب مغلوں نے وسط ایشیا میں آگ و خون کا ہنگامہ برپا کیا تو وہ اپنے وطن کے حالات سے بددل ہو کر ترکوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔ آپ کے ایک سو ایک بیٹے تھے، ایک سانحہ میں سولہ کے انتقال کر گئے، صرف بڑے صاحب زادے معز الدین بچے۔ آپ اپنے والد کے ہم راہ دہلی

رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ بہت ہی مختصر انداز میں کھینچا ہے وہیں ان کے ملفوظات قدرے تفصیل سے پیش کیے ہیں، اس سے ان کے ملفوظات کا اعتبار ان کے نزدیک بحال نظر آتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت خواجۂ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بارہ مجلسوں کے ملفوظات و ارشادات ہیں، جس میں صوفیانہ اسرار و رموز اور دینی احکام و مسائل مثلاً: طہارت، نماز، صدقہ، شریعت و طریقت، عظمت قرآن، عظمت والدین، علما کا مرتبہ، زیارت کعبہ کا ثواب، قدرت الٰہی، وظیفہ پر مداومت، نیک صحبت، مراتب سلوک، محبت میں صادق کون، قدرت الٰہی، فضائل سورۂ فاتحہ، توکل عارفان، ملک الموت، پیر کے حکم کی بجاآوری، پیر اور مرید کا رشتہ، عذاب قبر، قبرستان کی تعظیم و توقیر، گناہ کبیرہ، عباد ت، عبادت اہل سلوک، توبہ

آ گئے، ان کے ایک فرزند شیخ موسیٰ تھے جو بڑی شہرت کے حامل تھے، شیخ موسیٰ کے کئی بیٹے تھے ان میں شیخ فیروز سب سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے، بہرائچ کے کسی معرکے میں شہید ہو گئے، ان کے لڑکے سعد اللہ کے دو بیٹے تھے، شیخ رزق اللہ، شیخ سیف الدین۔ شیخ سیف الدین کے صاحب زادے شیخ عبد الحق محدث دہلوی تھے، ماہ محرم ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد کے زیر سایہ حاصل کی، متوسطات بھی انھیں سے پڑھی، اس کے بعد مکان سے دو میل کے فاصلے پر ایک مدرسہ میں جا کر علمی تشنگی بجھانے لگے۔ ماوراء النہر کے علما سے بھی استفادہ کیا، تحصیل علم کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا، مکہ معظمہ کے محدثین سے بخاری اور مسلم کا درس لیا، حجاز سے واپس آتے ہی درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور آخر عمر تک جاری رہا۔ آپ کا مدرسہ ہندوستان گیر شہرت کا حامل تھا۔ سب سے پہلے شیخ نے اپنے والد کی بیعت کی، اس کے بعد والد گرامی کے حکم سے حضرت موسی گیلانی کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔

سید موسی گیلانی سلسلۂ عالیہ قادریہ کے بزرگ تھے اور سید عبد الحامد معروف بہ حامد گنج بخش (م ۹۷۸ھ/ ۱۵۷۰ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ حضرت موسیٰ گیلانی نے آپ کو خلافت سے نوازا، شیخ عبد الوہاب متقی اور خواجہ محمد باقی نے بھی ارادت و خلافت عطا فرمائی۔ لیکن آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ کی دینی خدمات بے شمار ہیں، مہدوی تحریک، علماے سو اور گم راہ صوفیہ سے ہمیشہ متصادم رہے۔ گیارہویں صدی ہجری میں جب کہ شمالی ہند میں علم حدیث تقریباً اٹھ چکا تھا، آپ نے علم حدیث کی شمع روشن کی اور مختلف علوم و فنون میں ترسٹھ تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ۲۱؍ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو چورانوے سال کی عمر میں بادشاہ علم و فضل ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (انتخاب از شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ از مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور)

اور تنہائی پر اختصار کے ساتھ بڑے عمدہ اشارے اور کنائے فرمائے ہیں جو بندگان خدا کی اصلاح اور تربیت کے لیے گہرہائے گراں مایہ ہیں۔

طہارت:

☆ (وضو میں) ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے، چناں چہ حدیث میں ہے: ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا میری سنت ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنت ہے۔ اس پر زیادہ ستم ہے[۲۳]

☆ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ دو مرتبہ دھوئے۔ جب نماز ادا کر چکے تو اسی رات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمھارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب اس ہیبت سے جاگ پڑے، پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی۔ کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعت بطور وظیفہ کے روزانہ ادا کی۔[۲۴]

☆ جب آدمی رات کو باطہارت سوتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے ہم راہ رہیں، وہ صبح تک اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بخش دے، کیوں یہ باطہارت سویا ہے۔[۲۵]

☆ جب آدمی باطہارت سوتا ہے تو فرشتے اس کی جان عرش کے نیچے لے جاتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ اسے نوری خلقت پہنا دو، جب وہ سجدہ کر چکتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اسے واپس لے جاؤ کیوں کہ یہ نیک بندہ ہے جو باطہارت سویا ہے اور جو شخص بے طہارت سوتا ہے، اس کی جان کو پہلے ہی آسمان سے واپس کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس لائق نہیں کہ اسے لے جایا جائے، ایسا آدمی اللہ کو سجدہ کرنے والا نہیں۔[۲۶]

---

(۲۳) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری)، مجلس: ۱ص: ۳، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۲۴) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱ص: ۳، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۲۵) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱ص: ۳، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۲۶) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱ص: ۳، مکتبہ: جام نور، دہلی

نماز:

نماز ایک امانت ہے، جو اللہ تعالی نے بندوں کے سپرد کی ہے تو بندوں پر واجب ہے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں۔ جب لوگ نماز اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں، رکوع و سجود اور قراءت و تسبیح کو محفوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے نور شائع ہوتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، جب وہ نماز عرش سے نیچے لائی جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر اور نماز ادا کرنے والے کے لیے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالایا۔ پھر خواجہ صاحب روئے اور فرمایا کہ یہ تو اچھی نماز ادا کرنے والوں کے حق میں ہے۔ لیکن جو ارکان نماز بخوبی ملوظ نہیں رکھتے، جب ان کی نماز کو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جاکر اسی نمازی کے سر پر مار دو پھر نماز زبان حال سے کہتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے، خدا تجھے ضائع کرے۔

☆ فرمایا: ایک مرتبہ میں شام کے قریب ایک شہر میں تھا... اس کے باہر ایک غار تھا جس میں ایک بزرگ شیخ اوحد محمد الواحد غزنوی رہتے تھے اور جن کے وجود مبارک پر چمڑا ہی چمڑا تھا، سجادہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور دو شیر ان کے پاس کھڑے تھے، میں شیروں کے ڈر کے مارے پاس نہ جاسکتا تھا، جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو فرمایا: آجاؤ، ڈرو نہیں۔ جب میں پاس گیا تو آداب بجالایا اور بیٹھ گیا۔

پہلی بات جو بزرگ نے مجھ سے کی وہ یہ ہے کہ اگر تو کسی کا ارادہ نہ کرے گا تو وہ تیرا بھی ارادہ نہ کرے گا، یعنی شیر کی کیا ہستی ہے کہ تو اس سے ڈرتا ہے، پھر فرمایا کہ جب تیرے دل میں خدا کا خوف ہوگا تو تمام تجھ سے ڈریں گے، شیر کی کیا حقیقت ہے، وہ لوگوں سے بھی نہیں ڈرے گا، اس قسم کی بہت سی باتیں بیان فرمائیں، پھر پوچھا کہاں سے آنا ہوا، عرض کی بغداد سے، فرمایا: آنا مبارک ہو، لیکن لازم ہے کہ درویشوں کی خدمت کرے تاکہ بزرگ بن جائے، لیکن سنو! مجھے اس غار میں رہتے ہوئے کئی سال گزر گئے اور تمام

خلقت سے گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کی ہے۔ لیکن تیس سال سے ایک چیز کے سبب رو رہا ہوں۔ اس ڈر سے دن رات روتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا: جب میں نماز ادا کرتا ہوں تو اپنے آپ کو دیکھ کر روتا ہوں کہ اگر ذرا بھی شرط نماز ادا نہ ہوئی تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ اسی وقت فرشتے یہ طاعت میرے منہ پر دے ماریں گے۔ تو اے درویش اگر تو نماز کے حق سے عہدہ برآ ہو تو واقعی تو نے بڑا کام کیا ہے، نہیں تو اپنی عمر ضائع کرے گا۔ پھر حدیث بیان فرمائی: رسول خدا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کے نزدیک کوئی گناہ دنیا میں اور کوئی دشمن قیامت میں اس سے بڑھ کر نہیں کہ نماز کو باشرائط ادا نہ کیا جائے۔ میرے بدن پر جو ہڈیاں اور چمڑا دکھائی دیتا ہے یہ اسی کے سبب ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مجھ سے نماز کا حق ادا ہوا بھی ہے یا نہیں...

پھر خواجہ صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اے درویش! نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے جب ستون قائم ہو گا تو گھر بھی قائم رہے گا، جب ستون نکل جائے گا، تو چھت فوراً گر پڑے گی۔ چوں کہ اسلام اور دین کے لیے نماز بمنزلہ ستون ہے۔ جب نماز کے اندر فرض سنت، رکوع اور سجود میں خلل آئے گا، تو حقیقت اسلام اور دین وغیرہ خراب ہو جائیں گے۔ (۲۷)

☆ وہ کیسے مسلمان ہیں جو نماز وقت پر ادا نہیں کرتے اور اس قدر دیر کرتے ہیں کہ وقت گذر جاتا ہے، اس کی مسلمانی پر بیس ہزار افسوس جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ (۲۸)

☆ فرماتے ہیں کہ میرا گزر ایسے شہر سے ہوا جہاں پر رسم تھی کہ وقت سے پہلے نماز کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ تم سب وقت سے پہلے ہی تیار ہو جاتے ہو۔ کہا سبب یہ ہے کہ وقت ہو فوراً نماز ادا کر لیں، جب تیار نہ ہوں گے تو شاید وقت گذر جائے، پھر یہ منہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو کس طرح دکھا

---

(۲۷) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۲ص: ۷-۸، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۲۸) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۳ص: ۱۰، مکتبہ: جام نور، دہلی

سکیں گے، کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

عجلوا بالتوبة قبل الموت وعجلوا بالصلوٰة قبل الفوت.

مرنے سے پہلے توبہ کے لیے جلدی کرو اور فوت ہونے سے پہلے نماز کے لیے جلدی کرو (۲۹)

☆ ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ سے صبح کی نماز قضا ہوگئی تو اس قدر روئے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آواز آئی اے بایزید! تو اس قدر آہ و زاری کیوں کرتا ہے؟ اگر صبح کی ایک نماز فوت ہوگئی تو ہم نے تیرے اعمال میں ہزار نماز کا ثواب لکھ دیا ہے۔ (۳۰)

☆ جو شخص پانچوں (وقت کی) نمازیں باوقت ادا کرتا ہے، وہ قیامت کے دن اس کی رہ نما بنتی ہیں۔

☆ پیغمبر خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جس کی نماز نہیں، اس کا ایمان نہیں۔ (۳۱)

عظمت والدین:

والدین کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو فرزند دوستی خدا سے اپنے والدین کا چہرہ دیکھتا ہے، اس کے نامۂ اعمال میں حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ ایک فاسق اور بدکار جوان فوت ہوا، تو اس نے خواب میں دیکھا کہ حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہے، لوگوں کو تعجب ہوا۔ سبب دریافت کیا۔ کہا: میری بڑھیا ماں تھی۔ جب میں گھر سے نکلتا، اس کے قدموں پر سر رکھ دیتا، ماں دعا دیتی کہ اللہ تجھے بخشے اور حج کا ثواب تیرے نصیب کرے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کرلی اور مجھے بخش دیا، اب میں حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہوں۔ (۳۲)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ یہ مرتبہ آپ کو کس طرح

---

(۲۹) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۳ص:۱۱، مکتبہ: جام نور، دہلی
(۳۰) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۳ص:۱۱ مکتبہ: جام نور، دہلی
(۳۱) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۳ص:۱۱، مکتبہ: جام نور، دہلی
(۳۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ص:۲۰، مکتبہ: جام نور، دہلی

حاصل ہوا، تو فرمایا: میں ابھی سات سال کا تھا کہ مسجد میں استاد سے قرآن مجید پڑھنے جایا کرتا تھا، جب اس آیت پر پہنچا: وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۔ تو استاد سے اس کا مطلب پوچھا۔ فرمایا حکم الٰہی ہے کہ جس طرح میری خدمت بجالاتے ہو، والدین کی بھی خدمت بجالاؤ۔ استاد سے یہ سنتے ہی بستہ باندھ کر گھر گیا اور ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا کہ اے ماں! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے کچھ مانگ، میں کما حقہ تیری خدمت بجالاؤں گا۔ جب والدہ سے یہ درخواست کی تو انھوں نے رحم کھا کر دوگانہ ادا کرنے کے بعد میرا ہاتھ قبلہ رخ ہو کر سونپا، یہ دولت مجھے وہاں سے نصیب ہوئی جس کا سبب والدہ کی دعا تھی۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ موسم سرما میں رات کے وقت میری ماں نے پانی مانگا۔ میں نے کوزہ بھرا اور ہاتھ پر رکھ کر حاضر ہوا، لیکن والدہ سوگئیں، میں نے نہ جگایا، چناں چہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئیں تو مجھے کوزہ لیے کھڑا دیکھا، جب مجھ سے کوزہ لیا تو سردی کے مارے میرا ہاتھ کوزہ سے چپکا ہوا تھا، کوزہ کے ساتھ ہی میرے ہاتھ کا چمڑا اکھڑ گیا۔ ماں نے ترس کھا کر میرا سر بغل میں لیا اور چھاتی سے لگا کر بوسہ لیا اور کہا۔ اے جان مادر! تونے بڑی تکلیف اٹھائی۔ یہ کہہ کر میرے حق میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ میری ماں کی دعا قبول ہوئی اور یہ سب دولت اسی دعا کی بدولت نصیب ہوئی۔ (۳۳)

عظمت قرآن:

قرآن شریف کو دیکھنا ثواب ہے، جو شخص کلام اللہ شریف کی طرف دیکھتا ہے یا پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا کہ اسے دو ثواب دو، ایک قرآن شریف پڑھنے کا، دوسرا قرآن شریف دیکھنے کا، اور ہر حرف کے بدلے میں اسے دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں۔ (۳۴)

پہلے زمانے میں ایک فاسق جوان تھا، جس کی بدکاری سے لوگوں کو نفرت آتی

---

(۳۳) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ ص:۲۰، مکتبہ: جام نور، دہلی
(۳۴) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ ص:۲۱، مکتبہ: جام نور، دہلی

تھی۔ لوگ اسے بہت منع کرتے، لیکن ایک نہ سنتا۔ الغرض جب وہ مرگیا تو اسے خواب میں دیکھا کہ سر پر تاج رکھے، خرقہ پہنے فرشتوں کے ہم راہ بہشت میں جارہاہے، اس سے پوچھا گیا کہ تو تو بدکار تھا، یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی؟ جواب دیا کہ دنیا میں مجھ سے ایک نیکی ہوئی، وہ یہ کہ جہاں کہیں قرآن شریف دیکھ لیتا، کھڑے ہوکر بڑی عزت کی نگاہ سے اسے دیکھتا، اللہ تعالی نے مجھے اس کی بدولت بخش دیا اور یہ درجہ عنایت فرمایا۔ (۳۵)

علما کا مرتبہ:

اگر کوئی شخص علما کی طرف دیکھے تو اللہ تعالی ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے بخشش مانگتا رہتا ہے۔ جس دل میں علما و مشائخ کی محبت ہو، ہزار سال کی عبادت اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسی اثنا میں مرجائے تو اسے علما کا درجہ ملتا ہے اور اس مقام کا نام ''علیین'' ہے۔ رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص علما سے آمد و رفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ تعالی اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھتا ہے، ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہوکر (نفل میں) گزار دے۔ (۳۶)

زیارت کعبہ ثواب:

خانہ کعبہ کا دیکھنا کار ثواب ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کرے گا، وہ عبادت میں داخل ہوگا۔ اس کی زیارت سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور اسے اولیا کا درجہ نصیب ہوگا۔ (۳۷)

پیر اور مرید کا رشتہ:

اپنے پیر کو دیکھنا اور ان کی خدمت کرنا کار ثواب ہے، حضرت خواجۂ اجمیری اپنے پیر حضرت عثمان ہارونی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، جو شخص اپنے پیر کی

---

(۳۵) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ ص:۲۱، مکتبہ: جام نور، دہلی
(۳۶) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ ص:۲۲، مکتبہ: جام نور، دہلی
(۳۷) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ ص: ۲۲، مکتبہ: جام نور، دہلی

خدمت کما حقہ ایک دن بجالائے، اللہ تعالیٰ بہشت میں مروارید کی ہزار محل اسے عنایت کرے گا اور ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ مرید کو لازم ہے کہ جو کچھ پیر کی زبان سے سنے، اس پر بڑی کوشش سے عمل کرے اور پیر کی خدمت بجالائے اور حاضر خدمت رہے۔ اگر متواتر خدمت بجا نہ لا سکے تو کم از کم ایک بار کی ضرور کوشش کرے۔ (۳۸)

جس نے کچھ پایا خدمت سے پایا، مرید کو چاہیے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ برابر بھی تجاوز نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز، تسبیح اور اوراد وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے، کیوں کہ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے۔ پیر جو کچھ فرمائے گا، وہ مرید کے کمال کے لیے ہی فرمائے گا۔ (۳۹)

فضیلت سورۂ فاتحہ:

سورۂ فاتحہ کو حاجت براری کے لیے بہ کثرت پڑھنا چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جسے کوئی مشکل پیش آئے وہ حسب ذیل طریقہ سے سورۂ فاتحہ پڑھے۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ ۔ یعنی رحیم کی میم کو لام سے ملائے اور آمین کے وقت تین مرتبہ آمین کہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو حل کر دے گا۔ (۴۰)

سورۂ فاتحہ تمام دردوں اور بیماریوں کے لیے شفا ہے، جو بیماری کسی علاج سے درست نہ ہو، وہ صبح کی نماز کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان اکتالیس مرتبہ بسم اللہ اور سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: الفاتحة شفاء من کلِ داءٍ یعنی سورہ فاتحہ ہر مرض کی دوا ہے۔ (۴۱)

---

(۳۸) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ ص:۲۲، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۳۹) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱ ص:۲، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۴۰) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۷ ص:۲۷، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۴۱) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۷ ص:۲۸، مکتبہ: جام نور، دہلی

ورد پر مداومت:

فرمایا: جو شخص ورد مقرر کرے، اسے روزانہ پڑھنا چاہیے، دن کو اگر نہ ہو سکے تو رات کو ضرور پڑھے۔ مولانا رضی الدین رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے سے گر پڑے، جس سے پاؤں میں چوٹ آگئی، جب گھر آئے تو سوچا کہ یہ بلا مجھ پر کہاں سے آئی، یاد آگیا کہ صبح کی نماز میں سورۂ یٰسٓ پڑھا کرتا تھا، وہ آج نہیں پڑھی۔ (۴۲)

اسی موقع سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ "خواجہ عبد اللہ مبارک" سے ایک مرتبہ وظیفہ نہ ہو سکا، اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ اے عبد اللہ! جو عہد تو نے ہم سے کیا تھا، شاید تو بھول گیا ہے، یعنی وظیفہ تو نے آج نہیں پڑھا۔ (۴۳)

شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت:

فرمایا: راہ شریعت پر چلنے والوں کی ابتدا یہ ہے کہ جب لوگ شریعت پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں اور ان کے بجالانے میں ذرہ برابر بھی تجاوز نہیں کرتے تو اکثر وہ دوسرے مرتبہ پر پہنچتے ہیں جسے طریقت کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب مع شرائط طریقت پر ثابت قدم ہوتے ہیں اور تمام احکام شریعت بے کم و کاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں، جب معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناسائی کا مقام آجاتا ہے، جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو درجۂ حقیقت کو پہنچتے ہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں، پا لیتے ہیں۔ (۴۴)

سلوک اور مراتب سلوک:

فرمایا: مشائخ نے سلوک کے سو درجے مقرر کیے ہیں۔ ان میں سے سترہواں مرتبہ کشف و کرامت کا ہے۔ جو شخص اس سترہویں درجے میں اپنے آپ کو ظاہر کر دے،

---

(۴۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۸ ص:۳۰، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۴۳) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۸ ص:۳۱، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۴۴) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۲ ص: ۷، مکتبہ: جام نور، دہلی

وہ باقی تر اسی کس طرح حاصل کرے گا۔ سالک کو چاہیے کہ جب تک سویں مرتبہ پر نہ پہنچ جائے اور اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔ (۴۵)

خواجگان چشت کے خاندان میں بعض نے پندرہ درجے مقرر کیے ہیں، جن میں پانچواں کشف و کرامت کا ہے، ہمارے خواجگان فرماتے ہیں کہ جب تک پندرہویں درجے تک نہ پہنچ جائے، اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔ پھر کامل ہوگا۔ (۴۶)

ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے مناجات کے وقت یہ الفاظ کہے "کیف السلوك عليك" آواز آئی۔ اے بایزید طلق نفسك ثلثا و قل هو الله احد یعنی پہلے اپنے آپ کو تین طلاق دے، پھر ہماری بات کر۔ (۴۷)

فرمایا: جب تک آدمی راہ سلوک میں پہلے دنیا و مافیہا اور پھر اپنے آپ کو نہ چھوڑے، وہ اہل سلوک میں داخل ہی نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں کا ہوتا ہے۔ اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو سمجھو کہ جھوٹا ہے۔ (۴۸)

صحبت نیکاں:

فرمایا: حدیث شریف میں آیا ہے "الصحبة تو ثر" یعنی صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اگر کوئی برا شخص نیکوں کی صحبت اختیار کرے تو امید ہے کہ وہ نیک ہو جائے گا اور اگر نیک شخص بدوں کی صحبت میں بیٹھے تو بد ہو جائے گا۔ کیوں کہ جس کسی نے کچھ حاصل کیا، صحبت سے حاصل کیا اور جو نعمت حاصل ہوئی، وہ نیکوں سے حاصل ہوئی۔ (۴۹)

عارفوں کا توکل:

فرمایا: عارفوں کا توکل یہ ہے کہ ان کا توکل سوائے خدا کے کسی پر نہ ہو اور نہ کسی

---

(۴۵) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری)، مجلس: ۹ ص: ۷۳، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۴۶) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۹ ص: ۷۳، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۴۷) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۹ ص: ۹۳، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۴۸) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۹ ص: ۹۳، مکتبہ: جام نور، دہلی

(۴۹) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱۰ ص: ۴۶، مکتبہ: جام نور، دہلی

چیز کی طرف توجہ کریں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہے، فرمایا: تجھ سے نہیں۔ اس لیے کہ آپ اپنے نفس سے غائب تھے لیکن اللہ تعالی سے باطنی حضور حاصل تھا۔ عارف کا توکل حق پر اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ عالم سکر میں متحیر رہتا ہے، متوکل حقیقت میں وہ ہے جو خلقت کی مدد کرے اور تکلیف کی شکایت نہ کرے۔ اہل توکل پر تجلیات شوق میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اگر اس وقت انھیں ذرہ ذرہ کر دیا جائے یا تلوار سے زخمی کیا جائے، یا کسی اور طرح رنج والم پہنچایا جائے تو انھیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔ (۵۰)

عارف آفتاب کی طرح ہوتا ہے جو سارے جہان کو روشنی بخشتا ہے، جس کی روشنی سے کوئی چیز خالی نہیں رہتی۔ (۵۱)

ملک الموت:

فرمایا: بغیر ملک الموت کے دنیا کی قیمت جو بھر بھی نہیں، پوچھا کیوں؟ فرمایا: اس واسطے کہ حدیث میں ہے: الموت جسر یو صل الحبیب الی الحبیب یعنی موت ایک پل ہے جو دوست سے دوست کی ملاقات کراتا ہے۔ (۵۲)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چند ملفوظات کے روشن موتی ہیں جن میں اصلاح و تربیت کے پہلو نمایاں ہیں۔ انھیں پر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے، لیکن اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ حضرات خواجگان چشت کے حالات صحیح اور معتبر ذرائع سے ملنا بڑا مشکل ہے۔ اور خاص طور سے حضرت خواجہ اجمیری کے صحیح حالات مرتب کرنے میں جو دشواریاں سامنے آتی ہیں، انھیں اہل تحقیق کی تحریروں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الجامعہ، جامعہ اشرفیہ مبارک

---

(۵۰) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱۱ص: ۵۳، مکتبہ: جام نور، دہلی
(۵۱) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱۲ص: ۵۸، مکتبہ: جام نور، دہلی
(۵۲) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس: ۱۲ص: ۵۸، مکتبہ: جام نور، دہلی

حضرت خواجہ اجمیری کے حالات کے تعلق سے یوں افادہ فرماتے ہیں:

”خواجۂ اجمیری علیہ الرحمۃ کے احوال میں اتنا مختلف، متضاد اور طویل و ضخیم مواد تیار ہو گیا ہے کہ آج ایک قاری حیران ہو جاتا ہے کہ کس کو مانے، کس کو رد کرے، کس کو ترجیح دے۔ سب اپنی بات نہایت وثوق سے لکھ رہے ہیں گویا شریک حال رہے ہوں یا شر کاے حال سے سن کر قلم بند کیا ہو۔ آج ہی سے نہیں آج سے چار سو سال پہلے حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (۹۵۸ھ- ۱۰۵۲ھ) کے سامنے بھی یہی صورت حال تھی، اسی لیے وہ ”اخبار الاخیار“ میں حضرت خواجہ کے حالات میں سید نا عثمان ہارونی کی بیس سالہ خدمت، راے پتھورا کے زمانے میں ہندستان آمد اور تاریخ وصال ۶/ رجب ۶۳۳ھ کے سوا کچھ نہ لکھ سکے۔ اس تاریخ وصال میں بھی اختلاف دیکھا، نا چار اسے ذکر کر کے اول کو ترجیح دی۔ پھر جو معتبر چیز انھیں نظر آئی، وہ حضرت کے ملفوظات تھے جو سید نا قطب الدین بختیار کاکی نے جمع کیے تھے، ان سے تقریباً دو صفحے نقل کیے پھر اجمیر اور ناگوری کی وجہ تسمیہ بتا کر تذکرہ ختم کر دیا، ولادت، تاریخ ولادت کا بھی ذکر نہ آنے دیا، نہ عمر کا ذکر کیا۔ انھوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میری کوشش ہوگی کہ وہی ذکر کروں جو صحیح ہو اور اختلاف کی صورت میں کچھ فراست اور قرآن وغیرہ سے صدق کی جستجو کروں۔“ (۵۳)

ان بزرگوں اور محققین کی پیروی کرتے ہوئے ناچیز راقم السطور نے بھی اس مضمون میں وہی باتیں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو اہل تحقیق کے نزدیک محقق اور اہل علم کے نزدیک معتبر ہے. واللہ الهادی و به الایادی.

☆☆☆☆☆

---

(۵۳) مرتب: مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی / افاضات: مولانا محمد احمد مصباحی سیدنا عبد الوہاب جیلانی کا مدفن بغداد یا ناگور ص ۲۹، ۳۰ المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ

حضرت خواجہ غریب نواز کی روحانیت اور کرامت

نفیس احمد قادری مصباحی

استاد: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ہندوستان کی سرزمین کو بے شمار مردانِ خدا، وارثین انبیا، علماے ربانی اور عُرفاے صمدانی نے اپنے انوار و برکات سے سرفراز فرمایا، شرک، کفر اور بد عقیدگی کی تاریکیوں کو دور کر کے توحید، ایمان اور خوش عقیدگی کے اجالے پھیلا کر پورے خطّے کو بقعۂ نور بنا دیا۔ ان ہادیانِ برحق کی فہرست میں یوں تو مختلف سلاسلِ طریقت کے مشائخ و سادات اور صوفیہ و علما شامل ہیں، لیکن اس سرزمین پر سب سے زیادہ اور سب سے پہلے فیض بخشی فرمانے والے نفوس قدسیہ مشائخ چشت اہل بہشت ہی ہیں، اور اُن پاک باز اور سراپا اخلاص ہستیوں میں سلطان الہند، خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سجزی [1] اجمیری رضی اللہ عنہ (م ۶۳۳ھ) کی ذات گرامی سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ کے والد کا نام سید غیاث الدین اور والدہ کا نام بی بی اُمُّ الورع تھا۔ آپ مقتداے اوتاد حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی رضی اللہ عنہ (م ۶۱۷ھ / ۱۲۲۰ء) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور پورے بیس سال اپنے مرشدِ طریقت کی صحبت میں

---

(۱) حضرت خواجہ غریب نواز کا وطن سیستان ہے، جسے ''سِجستان'' اور ''سِجز'' کہا جاتا ہے، اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ''سِجزی'' کہتے ہیں۔ یہی محققین کے نزدیک صحیح ہے۔ رہ گیا اسے سنجری کہنا، تو یہ غلط العوام میں سے ہے۔ اس لیے اس سے بچنا چاہئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''الانتباہ فی سلاسل أولیاء اللہ'' میں لکھتے ہیں:

''سِجزی بکسر سین و سکون و کسرِ زاے معجمہ نسبت بہ سیستان، سیستان را بہ زبان عربی سجستان و سجز گویند و ایں تعریب است، و ابدال سین بہ زا از تغیرات تعریب است'' (ص ۸۸، مطبع احمدی دہلی)

گزارے۔ شیخِ طریقت سے آپ کو اس قدر عشق اور تعلق خاطر ہوگیا تھا کہ سایہ کی طرح ساتھ لگے رہتے، جہاں کہیں وہ تشریف لے جاتے حضرت خواجہ اُن کا بستر، توشہ دان اور دوسرے ضرورت کے سامان سر پر لادے ہوئے ہم راہ چلتے۔ سیر و سیاحت کے دوران سیستان، دمشق، اوش، بدخشاں، بغداد، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر شہروں میں گئے اور وہاں کے صلحا، صوفیہ اور مشایخ سے روحانی فیوض و برکات حاصل کیے۔

حرمین شریفین کے ایک سفر ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کعبۃ اللہ میں میزاب رحمت کے نیچے اپنے چہیتے مرید حضرت خواجہ اجمیری کے لیے دعا کی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر خدا کے سپرد کیا۔ غیب سے آواز آئی: ''ہم نے معین الدین کو قبول کیا''۔ شیخ یہ آواز سن کر بہت خوش ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں شکرادا کیا۔ حج سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تو خواجۂ بزرگ نے دربارِ رسالت میں سلام نیاز پیش کیا، جواب ملا: وعلیک السلام اے سمندروں اور جنگلوں کے قطب المشایخ! جب یہ آواز آئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا: کام مکمل ہوگیا۔

جب مرشد طریقت نے تلاشِ حق کے تمام مراحل طے کرادیے اور اپنی خاص توجہ سے آپ کو ''مرد کامل'' بنادیا تو آپ کو خرقۂ خلافت اور اپنی جانشینی سے سرفراز فرمایا اور وہ برکات نبوی جو خانوادۂ چشت میں سلسلہ بسلسلہ چلے آرہے تھے آپ کو عطا فرمائے۔ تفویضِ خلافت و تبرکات کا یہ واقعہ ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں بمقام بغداد پیش آیا۔ (۲)

اس کے بعد آپ اپنے شیخ طریقت سے رخصت ہوکر مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیّبہ حاضر ہوئے اور دونوں مقاماتِ مقدّسہ سے آپ کو رضا و خوش نودی اور قبولیت کا پروانہ ملا۔

حرم کعبہ میں جب آپ یادِ الٰہی میں مستغرق تھے کہ غیب سے آواز آئی:

''اے معین الدین، ہم تجھ سے خوش ہیں، تجھے بخش دیا، جو کچھ چاہے مانگ

(۲) سلطان الہند غریب نواز، از ڈاکٹر مولانا عاصم اعظمی، ص: ۸۸، ۸۹، ناشر: فاروقیہ بک ڈپو، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء

تاکہ عطا کروں‘‘۔

اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران آپ کو بارگاہِ رسالت سے یہ جاں نواز خوش خبری ملی:

’’اے معین الدین، تو میرے دین کا مُعین و مددگار ہے۔ میں نے تجھے ہندستان کی ولایت عطا کی۔ وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے، تو اجمیر جا۔ تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا‘‘۔ (۳)

اس دل نواز خوش خبری کو سننے کے بعد آپ کی مسرت و شادمانی کی انتہا نہ رہی اور اولیا و خاصانِ خدا کی ایک جماعت کے ساتھ آپ نے ہندستان کا رخ کیا۔

جس وقت حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان ہندستان آئے، اس وقت اگر چہ سلطان محمود غزنوی کے متواتر حملوں نے مسلمانوں کی فوجی قوّت کا رعب غیر مسلموں کے دلوں میں قائم کر دیا تھا۔ راجپوت سلطنتیں روبہ زوال ہو چلی تھیں ۔مگر محمود غزنوی کے جانشین صرف پنجاب تک محدود ہو کر رہ گئے اور اپنے مُورث اعلیٰ کی مہم کو مکمل نہ کر سکے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ہندستان کے متعدّد راجاؤں نے اپنی ریاستوں کی تنظیم کر لی تھی اور کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کر لی۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ شہاب الدین غوری کی ناکام مہموں نے راجپوتوں کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔ سیاسی اور حکومتی استحکام نے ہندو تشدّد کو بھی عام کر دیا تھا۔ پورے ملک میں شرک و کفر کا دور دورہ تھا۔ توحید و صداقت کی روشنی دور دور تک نظر نہ آتی تھی۔ سیّد محمد بن مبارک کرمانی نے اپنی کتاب ’’سیر الاولیاء‘‘ میں اس وقت کے حالات کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

’’ہندستان کی مملکت میں مشرق کے آخری سرے تک ہر طرف کفر و کافری اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ ہندستان کے سرکش اور مغرور لوگ اکثر خدائی کا دعویٰ کرتے تھے اور خدائے بزرگ و برتر کے شریک بنتے۔ پتھروں، درختوں، جانوروں،

---

(۳) سیر الاقطاب، ص: ۱۲۴، بحوالہ مصدر سابق، ص:۹۲

چوپایوں، اور گائے کے گوبر تک کو پوجتے تھے۔ کفر کی ان تاریکیوں میں ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے تھے

ہمہ غافل از حکم دین و شریعت　　　ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ　　　نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

ترجمہ:- ''تمام لوگ دین اور شریعت کے حکم سے بے خبر اور خدا و پیمبر سے ناواقف تھے، نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سنی''۔

ایسے پُرآشوب و پُرفتن ماحول میں خواجہ غریب نواز نے قدیم ہندستان کے عظیم سیاسی و مذہبی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ یہ جرأت مندانہ فیصلہ مرد حق شناس کی اولوالعزمی، بلند ہمتی اور ایمانی جرأت کا ایک درخشاں کارنامہ ہے۔ جس کی مثالیں صرف پیشوایانِ مذاہب اور فاتحینِ عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔''(۴)

ہندستان میں آپ کی آمد کی برکت سے راجپوتانہ جیسی سنگلاخ زمین میں اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی، ضلالت و گمراہی کی شبِ دیجور میں بھٹکنے والے لاکھوں انسانوں نے اس آفتابِ رشد و ہدایت سے ایمان واذعان اور یقین وآگہی کا نور حاصل کیا، اور آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ خلفا و مریدین پورے برّ صغیر میں اسلام کی شمعِ ہدایت لے کر پھیل گئے اور اپنی پاک بازی، خوش اخلاقی، تقوی شعاری، اخلاص وللّٰہیت اور روحانیت و کرامت کے ذریعہ سرزمین ہند کو اسلام وایمان کے انوار و تجلیات سے جگمگا دیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز قُدِّسَ سِرُّہٗ کی ذات گرامی گوناگوں اوصاف وکمالات کی جامع تھی، لیکن اس مقالہ میں مجھے آپ کے ایک خاص وصف ''روحانیت اور کرامت'' کے تعلق سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔ اصل موضوع پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرامت اور اس سے تعلق رکھنے والی چیزوں کو بھی کسی حد تک بیان کر دیا جائے تاکہ اصل موضوع کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

علم کلام کی مشہور کتاب: ''عقائد نسفی'' میں اہل سنت وجماعت کا عقیدہ بیان

---

(۴) سیر الاولیا، ص: ۵۷

کرتے ہوئے علامہ ابو حفص عمر بن محمد نسفی علیہ الرحمہ (ولادت ۴۶۱ھ-وفات ۵۳۷ھ) فرماتے ہیں: کراماتُ الاولیاء حقٌّ (اولیا کی کرامتیں حق اور ثابت ہیں)
اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۷۱۲ھ-وفات ۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:

والولیُّ ھوالعارفُ باللہ تعالیٰ وصفاته حسب مایمکن، المواظِبُ علی الطاعات، المجتنبُ عن المعاصی، المعرِضُ عن الانهماك فی اللذات والشھوات. وکرامتهُ ظھورُامرٍ خارقٍ للعادة من قبله غیر مُقارِنٍ لدعوی النبوة، فمالایکون مقروناً بالایمان والعمل الصالح یکون استدراجاً، ومایکون مقروناً بدعوی النبوة یکون معجزة.(۵)

("ولی" وہ ہے جو امکانی حد تک اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے آشنا ہو، پابندی کے ساتھ اس کی فرماں برداری کرتا ہو، گناہوں سے پرہیز کرتا ہو، دنیوی لذّتوں اور نفسانی خواہشوں میں انہماک سے بچتا ہو اور اس کی "کرامت" یہ ہے کہ اس سے خلافِ عادت کسی چیز کا ظہور ہو اور اس کے ساتھ نبی ہونے کا دعویٰ نہ ہو۔ تو اگر خلافِ عادت کسی چیز کا ظہور ایسے شخص سے ہو جو ایمان اور اعمال صالحہ سے خالی ہو تو وہ "استدراج" ہے، اور اگر دعوائے نبوت کے ساتھ اس کا ظہور ہو تو وہ معجزہ" ہے)

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی رضوی رضی اللہ عنہ (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) فرماتے ہیں:
"نبی سے جو بات خلاف عادت قبل نبوت ظاہر ہو، اس کو ارہاص کہتے ہیں اور ولی سے جو ایسی بات صادر ہو، اس کو کرامت کہتے ہیں اور عام مومنین سے جو صادر ہو، اسے معونت کہتے ہیں اور بے باک فُجّار یا کُفّار سے جو اُن کے موافق ظاہر ہو، اس کو استدراج کہتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہو تو اہانت ہے۔" (خیالی، ص ۱۴۲)(۶)
اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ خلاف عادت ظاہر ہونے والی چیزوں کی آٹھ

(۵) شرح العقائد، ص: ۱۴۴، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء
(۶) بہار شریعت، حصہ اول، ص: ۲۷ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء

صورتیں ہیں، کیوں کہ خلاف عادت ظہور میں آنے والی شے یا تو مومن سے ظاہر ہوگی یا کافر سے، پھر مومن کی بھی کئی صورتیں ہیں، یا تو وہ خاصان خدا میں سے ہوگا یا نہیں، خاصانِ خدا میں سے ہو تو نبی ہوگا یا ولی اور نبی سے ظاہر ہو تو قبلِ بعثت ظاہر ہوگی یا بعد بعثت، پھر خاصانِ خدا میں سے نہ ہونے کی صورت میں یا تو وہ مومنِ صالح ہوگا یا فاسق، اور کافر سے ظاہر ہونے والی چیز میں یا تو اس میں تعلیم و تعلّم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہوگا یا نہیں، اور اگر بلا تعلیم و تعلّم ہو تو یا تو مقصد کے عین مطابق ظہور میں آئے گی، یا مقصد کے خلاف۔

اس طرح خوارقِ عادت کی آٹھ قسمیں ہوئیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) اِرہاص: وہ خلاف عادت چیز جو کسی نبی سے قبل بعثت ظاہر ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کے وقت رونما ہونے والے خلاف عادت امور مثلاً نوشیرواں کے محل میں زبردست زلزلہ آنا اور چودہ کنگروں کا گر جانا، ہزار برس سے مسلسل جلنے والے آتش کدۂ فارس کا اچانک سرد پڑ جانا، بُحیرۂ ساوہ کا خشک ہو جانا وغیرہ۔

(۲) مُعجزہ: وہ خلاف عادت چیز جو کسی نبی کے ہاتھوں بعد بعثت ظہور میں آئے، جیسے درختوں کا سجدہ کرتے ہوئے سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا، مقام صہبا میں ایک انگلی کے اشارے سے ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹ آنا، وغیرہ۔

(۳) کرامت: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی ولی سے رونما ہو۔

(۴) مَعُونَت: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی عام مومنِ صالح سے ظہور میں آئے۔

(۵) اِستِدراج: وہ خلاف عادت چیز جو کسی مومنِ فاسق سے رونما ہو۔

(۶) سِحر: وہ خلافِ عادت چیز جو کافر یا فاسق سے رونما ہو اور اس میں تعلیم و تعلُّم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہو۔

(۷) اِبتلا: وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں رونما ہوا اور اس میں سیکھنے سکھانے کا عمل دخل نہ ہو اور وہ اس کے مقصد کے مطابق ہو، جیسے دجّالِ اکبر سے عالمِ وجود میں آنے والے امور و افعال۔

(۸) اِہانت: وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں بلا تعلیم و تعلُّم ظاہر ہو، اور اس

کے مقصد کے خلاف ہو، جیسے مُسَیْلِمہ کذّاب سے رونما ہونے والا خلافِ عادت واقعہ کہ اس نے ایک بھینگے کی آنکھ صحیح ہونے کی دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ بھی بھینگی ہو گئی۔

[عصیدۃ الشھدۃ، ص ۱۵۶] (۷)

پھر کرامت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جس میں کسی دھوکا کا دخل نہیں ہو سکتا۔ دوسری وہ جس میں استدراج اور شعبدہ کا شبہہ ہو سکتا ہے تو اصل کرامت وہی ہے جو شبہہ سے پاک ہو (۸) اسی لیے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کرامۃُ الولیّ استقامۃُ فعلِہٖ علی قانونِ قولِ النبّی صلی اللہ علیہ وسلم. فالتحدُّثُ بِسِرّ الوالایۃ نقصٍ“، والترصُّد لنسیمھا کرامۃ“ والکرامۃُ اٗثر انع کاسِ نور الحق علی قلب الولی من منبع ضوء نور الکلمی بواسطۃ الفیض الا لھیٰ، ولا یظھر ذلک علی الولی الّا مع عدم اختیارہ. والا ولیاء خصّوا باشارات نبو یۃ، واطلاعات حقیقیۃ واٗرواح نور یۃ واٗسرار قد سیّۃ واَنفاس روحانیۃ ومشاھدات زکیۃ.“ (۹)

(ترجمہ: ولی کی کرامت یہ ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قانون پر عمل کے اعتبار سے پورا اترے۔ تو ولایت کے راز کی باتیں کرنا نقص ہے اور نسیم ولایت کے انتظار میں لگے رہنا کرامت ہے۔ کرامت یہ ہے کہ ولی کے دل پر حق تعالیٰ کے نور کے عکس اور پرتو کا اثر نور کلی کی روشنی کے چشمہ سے فیض الٰہی کے واسطے سے پڑے اور ولی پر اس کا ظہور اس کے اختیار کے بغیر ہی ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ نبوی اشارات، حقیقی اطلاعات، نوری ارواح، قدسی رموز واسرار، روحانی نفوس اور پاکیزہ مشاہدات سے خصوصی طور پر بہرہ ور ہوتے ہیں۔)

---

(۷) کشف بردہ، ص: ۳۰۱-۳۰۲، المجمع القادری، مبارک پور اعظم گڑھ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵ء

(۸) امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی، ص: ۵، ۶، المجمع الاسلامی، مبارک پور ۱۴۲۵ھ، ۲۰۰۴ء

(۹) بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار، از، نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف لخمی شطنوفی (م ۷۱۳) موسسۃ الشرق لاہور، ۱۴۲۸ھ، ۲۰۰۷ء

کرامتیں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا نتیجہ ہیں:

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ”جامع کرامات الاولیا“ میں ایک باب باندھ کر اس موضوع پر عالمانہ اور عارفانہ گفتگو فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

المطلب الثالث فی اَنّ الکرامات هي نتائج الطاعات، و لابدّ اَن یکون بینها و بین الاَعضاء المطیعة اِلتیي تصدر عنها. مناسبات.

ذکر الشیخ رضی الله عنه فی الفتوحات کتابه ”مواقع النجوم“ واَثنی علیه کثیراً، وهو کتاب نفیس جدا، ذکر فیه الکرامات التی تصدر عن الاَعضاء الثمانیة، بمنا سبة الطاعات التی صدرت عنها، وهي العین والاُذن واللسان والید والبطن والفرج والرِّجل والقلب؛ اذکل واحدٍ منها علیه تکلیف یخصّه من أنواع الآحکام الشرعیة، فاذا قام بها المکلّف تصدر تلك الکرامات عنها، وذکر فیي ذلك الکتاب معارف واَسراراً کثیرة من علم الحقیقة، وفوائد جمة من علم الشریعة، وقدر أیتُ أن أختصر منه هنا شیئا قلیلا فیي ذکر هذه الآعضاء الثمانیة ومایناسنها من الکرامات تمتیماً للفائدة[10]

(ترجمہ: مطلب سوم اس بارے میں کہ کرامات طاعات کے نتائج ہیں۔ پھر ضروری ہے کہ طاعات اور کرامات ظاہر کرنے والے اللہ کے فرماں بردار اعضا کے درمیان کچھ مناسبت بھی ہو۔

حضرت شیخ ابن عربي رضِي اللہ عنہ نے ”فتوحات مکیہ“ میں اپنی کتاب ”مواقع النجوم“ کا ذکر فرمایا ہے اور اس کتاب کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں آپ نے آٹھ اعضا سے صادر ہونے والی کرامات کا بھی ذکر فرمایا ہے، کیوں کہ ان اعضا سے وہ طاعات صادر ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ اعضا یہ ہیں:

۱-آنکھ	۲-کان	۳-زبان	۴-ہاتھ
۵-شکم	۶-شرم گاہ	۷-پاؤں	۸-دل

(۱۰) جامع کرمات الاولیا، ص: ۶۰، ۶۱۔ مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات،

کیوں کہ ان اعضا میں سے ہر ایک عضو کے ساتھ کچھ خاص قسم کے احکام شرع کی بجاآوری کی ذمہ داری متعلق ہے، تو جب وہ انسان ان اعضا سے ان شرعی ذمہ داریوں کو انجام دیتا ہے تو ان سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ نے اپنی اس کتاب میں علم حقیقت کے بے شمار معارف واسرار ذکر فرمائے ہیں اور علمِ شریعت کے بہت سے فوائد بیان کیے ہیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان آٹھ اعضا سے متعلق ان کی بیان کردہ معلومات اور فوائد مختصراً پیش کروں۔

اتنا لکھنے کے بعد علامہ نبہانی نے حضرت شیخ ابن عربی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عارفانہ تحقیقات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے یہاں صرف اس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

۱- آنکھ:- آنکھ اگر طاعت وعبادات میں مصروف رہے اور خلافِ شرع چیزوں کے دیکھنے سے بچے تو اسے یہ کرامت ملتی ہے کہ وہ آنے والے کو آنے سے پہلے دور سے ملاحظہ کرلیتی ہے، اسی طرح کثیف حجابات کے پیچھے بھی دیکھ لیتی ہے اور نماز کے وقت کعبہ شریف کو اپنے سامنے پاتی ہے تاکہ ٹھیک اس کی طرف منھ ہوسکے۔ پھر آنکھ کو یہ کرامت بھی نصیب ہوتی ہے کہ وہ ملائکہ، مَلَاَاعلیٰ اور جنوں کے عالمِ ملکوتی، عالمِ روحانی اور عالمِ خاکی کا مشاہدہ کرنے لگتی ہے اور اسے حضرت خضر علیہ السلام اور اَبدال بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔

۲- کان:- اگر کان طاعت شعار ہو اور خلافِ شرع باتیں سننے سے بچے تو اسے یہ خوش خبری ملتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اربابِ عقل وہدایت میں سے ہے اور یہ بہت بڑی کرامت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ (۱۱)

[ترجمہ: تو خوش خبری سنادو میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔]

---

(۱۱) الزمر: ۱۷،۱۸

اور کان کو یہ کرامت بھی عطا ہوتی ہے کہ وہ جمادات کی بولیاں سننے لگتا ہے اور جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو عالمِ وجود کی ہر چیز، بولنے والی زبان سے اس طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے سنائی دیتی ہے جس طرح (عام لوگ) زید و عمرو آپس میں باتیں کر رہے ہوں۔

۳- زبان:- اگر زبان احکام الٰہی کی بجا آوری کرے اور شریعت کی خلاف ورزی سے بچے تو اسے یہ کرامت نصیب ہوتی ہے کہ یہ عالم بالا سے ہم کلام ہوتی ہے، کیوں کہ بندہ کبھی مقام سَماع میں ہوتا ہے تو غیب سے اسے ندا دی جاتی ہے، تو جب وہ بولتا ہے تو اس کی بات رد نہیں کی جاتی۔ پھر جب اس میں اور عالمِ بالا کے مسکینوں میں مکالمہ کا سلسلہ راست ہو جاتا ہے اور باہم گفتگو کا آغاز ہو جاتا ہے تو حالت یہ ہوتی ہے کہ جو یہ کہتا ہے وہ زبان سے کہتا ہے اور جو وہ کہتے ہیں وہ اس تک کانوں کے مقامِ تحقُّق پر پہنچنے کی وجہ سے آتا ہے۔ اور جو یہ مشاہدہ کرتا ہے وہ آنکھوں کی مقامِ تحقُّق تک رسائی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی صورتِ حال مذکورہ بالا تمام اعضا کی ہوتی ہے۔

اور زبان کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ وہ شے کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے وجود کو اپنی گویائی سے عیاں کر دیتی ہے، اور وجود میں آنے سے پہلے ہی غیبی چیزوں سے خبردار کر دیتی ہے۔

۴- ہاتھ:- اگر ہاتھ کو اس سے تعلق رکھنے والی شرعی خلاف ورزیوں سے دور رکھ کر طاعاتِ خداوندی میں مصروف رکھا جائے تو اسے یہ کرامت عطا ہوتی ہے کہ جب وہ گریبان میں داخل ہونے کے بعد باہر نکلتا ہے تو چمکتا دمکتا نکلتا ہے اور یہ چمک دمک کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ رتبہ عطا ہوا تھا۔ اور (کبھی) ہاتھ کو یہ کرامت بھی ملتی ہے کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ خرقِ عادت کا یہ درجہ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا۔ اسی طرح اسے یہ کرامت بھی نصیب ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کے چہروں پر مٹی پھینکتا ہے تو یہ پسپا ہو جاتے ہیں۔ یوں ہی کچھ اولیاے کرام ہوا سے اپنی مٹھی میں کچھ پکڑتے نظر آتے ہیں اور جب ان کی مٹھی کھلتی ہے تو ہاتھ سے سونا اور چاندی نکلتے ہیں۔ وغیرہ۔

۵- شکم :- شکم کو جب اس سے تعلق رکھنے والی شرعی خلاف ورزیوں سے بچا کر اللہ تعالیٰ کا طاعت شعار بنالیا جاتا ہے تو اسے مکر و استدراج سے پاک کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ عطا ہوتی ہے کہ اس کے کھانا، پانی اور لباس کی حفاظت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ خود اس کے دل میں یا حرمت و شبہہ حرمت والی شی میں ہی کوئی علامت ظاہر فرما دیتا ہے۔ پھر تو وہ صرف حلال اور پاکیزہ چیز ہی تناول کرتا ہے، جیسا کہ حضرت حارث محاسبی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کے سامنے جب مشکوک کھانا لایا جاتا تو ان کی انگلی کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔ اور جیسے حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ جب ماں کے شکم میں تھے تو وہ حرام کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھاتی تھیں۔ کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ایسی حالت میں اُسے (غیب سے) ندا دی جاتی ہے کہ پرہیز کر اور کسی کا جی متلانے لگتا ہے۔ کوئی اس کھانے کو اپنے سامنے خون کی شکل میں دیکھتا ہے، کوئی اس پر سیاہی دیکھتا ہے، اور کوئی اس کھانے کو خنزیر کی شکل میں دیکھتا ہے۔ یا اسی طرح کی دوسری علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو خاص طور سے اولیاء اللہ اور خاصانِ خدا کو ملتی ہیں۔

شکم سے متعلق یہ کرامت بھی ہے کہ تھوڑا سا کھانا بہت سے لوگوں کو آسودہ کر دیتا ہے اور یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ملنے والی میراث ہے کہ جب آپ کی بارگاہ میں چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا گیا اور جس کے پاس گیہوں تھا وہ گیہوں لایا، جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لایا، یہاں تک کہ جب دسترخوان پر قلیل مقدار میں یہ چیزیں جمع ہوگئیں تو سرکار نے برکت کی دعا فرمائی پھر لوگوں نے اپنے برتن بھر لیے۔ (صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے۔)

پیٹ کی کرامتوں میں ایک کرامت یہ ہے کہ پلیٹ میں رکھا ہوا ایک قسم کا کھانا حاضرین کی خواہش کے مطابق مختلف ذائقے والا ہو جاتا ہے۔

شکم کی ایک کرامت یہ بھی ہوتی ہے کہ جن اور فرشتے اس رتبہ پر پہنچنے والے شخص کے لیے کھانا لے کر حاضر ہوتے ہیں، یا وہ خود ان چیزوں کو فضا میں معلّق پاتا ہے۔

پیٹ کی ایک کرامت یہ بھی ہوتی ہے کہ تلخ، کھارا اور بدذائقہ پانی شیریں اور خوش

ذائقہ ہو جاتا ہے۔

سیّدی حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: میں نے ایسا پانی حضرت ابو عبداللہ بن استاذ مروزی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پیا تھا، آپ شیخ عارف باللہ حضرت ابو مدین رضی اللہ عنہ کے خاص اصحاب و مریدین میں سے تھے، حضرت انھیں ''الحاجّ المبرور'' (مقبول حاجی) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص حلال غذا کے اس مقام پر پہنچ جائے تو یہ یا تو اپنی کمائی کے باعث ہوتا ہے یا توحید کے اس ورع و تقویٰ کے باعث جس کے بارے میں بزرگانِ دین فرماتے ہیں: ''عارف وہ ہے جس کا نورِ معرفت اس کے ورع و تقویٰ کے نور کو نہ بجھا سکے''۔ تو جب اسے حلال غذا حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو لینے میں بھی کمی کرتا ہے۔ پھر جب وہ اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ایک سرگرم فیصلہ کن حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ حوصلہ اس بندے کے اندر اس لیے پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ اس کی کرامت اور اس کے مقام و مرتبہ کی صحت اور صداقت کا سامان ہو جائے۔ پھر یہ ساری کرامتیں اسی ہمّت اور حوصلے کی جلوہ سامانیاں ہوتی ہیں، اور اس سے ایسی اور کرامتوں کا ظہور بھی ہوتا ہے جن کا خطرہ بھی اس کے دل میں نہیں گزرتا۔

۶- شرم گاہ:- جب شرم گاہ ناجائز کاموں کو چھوڑ دیتی اور اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مردے زندہ کرنے، نابینا اور برص زدہ کو شفا دینے اور اپنی ذاتِ کریم سے غافل کرنے والی ہر چیز کو چھوڑ دینے کی کرامت سے سرفراز فرماتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾ (۱۲)

(اور اس عورت کو (یاد کرو) جس نے اپنی پارسائی محفوظ رکھی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی، اور اسے اور اس کے بیٹے کو سارے جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا۔)

---

(۱۲) الانبیاء: ۱۹

حضرت ابنِ عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے تعلق سے کچھ اور باریک مناسبتیں اور علم حقیقت کے رموز و اسرار بیان فرمائے ہیں۔

۷- قدم:- جب قدم شریعت کی خلاف ورزیوں سے اجتناب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کی راہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پانی پر چلنے، زمین سمٹ جانے اور فضا میں اڑنے کی کرامتیں عطا فرماتا ہے۔ اس سلسلہ کی کرامتیں اتنی مشہور ہیں کہ انھیں بیان کرنے کی حاجت نہیں، کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ کے کچھ اولیا اور خاص بندے ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے معاملات فرماتا ہے۔

حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ فرماتے ہیں: ''ہم نے پانی اور ہوا پر چلنے والوں اور زمین کی وسعتوں کو لپیٹ دینے والوں کی ایک عظیم دنیا خود دیکھی ہے۔''

۸- دل:- دل جب خلافِ شرع حرکتوں کو چھوڑ کر طاعت شعار ہو جاتا ہے تو اسے یہ کرامت نصیب ہوتی ہے کہ اسے کائنات میں وجود پذیر ہونے والی چیزوں کی معرفت ان کے وجود سے پہلے ہی ہو جاتی ہے۔

سیّدی حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے میرے عزیز فرزند! (اللہ تعالیٰ تجھے توفیق خیر سے نوازے، تیرا دل روشن و مجلّٰی کرے، تیرا سینہ کھول دے، تیرا لباس پاکیزہ رکھے، اور تیرا باطن صاف ستھرا رکھے)۔ اعضا سے متعلق جو کرامتیں اور مقامات ہم نے بیان کیے ہیں، وہ سب دل ہی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ اگر دل نہ ہو تو ان اعضا کو ان میں سے کچھ بھی نصیب نہ ہو۔ کیوں کہ اگر ان اعضا سے صادر ہونے والے افعال و اعمال کو اخلاصِ قلب کی تائید حاصل نہ ہو تو وہ سب ''بکھرے ہوئے غبار'' کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وہ نتیجہ سے بے بہرہ رہتا ہے پھر اس کے حصے میں سعادت نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ[۱۳]

ترجمہ: اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں صرف اسی پر عقیدہ

---

(۱۳) البيّنة: ۵.

لائے ہوئے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنّمَا الأعمالُ بالنیّات، وَلِکُلِّ امرِءٍ مَانوی، فَمَن کانت ھجرتُه اِلَی اللهِ ورسولِه فھجرتُه الی الله ورسولِهٖ، ومَن کانت ھجرتُه الی دینا یُصِیبُھَا أو امرأةٍ یَتَزَوَّجُھا فھجرتُه الی مَاھا جَرَ اِلَیه

(ترجمہ:-اعمال کا مدار نیتوں پر ہی ہے، ہر شخص کو نیت کا پھل ملتا ہے۔ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو تو یہ ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی۔ جس کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت سے شادی کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی)

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ اعمال ظاہری ہوں یا باطنی، سب کو دل کا عمل ہی سند قبول بخشتا ہے یا درجہ جرح پر لا کر گرا دیتا ہے۔ تو پھر واضح ہوا کہ صرف اور صرف دل کے حکم اور اس کے ارادے سے ہی سب اعضا میں حرکت وسکون کی جلوہ فرمائیاں ہوتی ہیں، خواہ ان حرکات وسکونات کا تعلق طاعت شرعیہ سے ہو یا معصیت سے۔ کیوں کہ دل میں ہی پہلے ایک ارادہ جنم لیتا ہے، اگر دل اسے پورا کرنے پر عزم راسخ کرے تو وہ اس عضو کو، جو اس ارادہ کو پورا کر سکتا ہے، دیکھتا ہے، اب دل اس عضو کو اس ارادے کو پورا کرنے کے لیے حرکت میں لے آتا ہے، خواہ طاعت کے لیے حرکت میں لائے یا نافرمانی کے لیے اور اسی عمل کی وجہ سے متعلقہ عضو پر ثواب دعتاب کا حکم کیا جاتا ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ بلا قصد غیر محرم عورت پر پہلی اچانک نظر کو جس میں دل کی نیت اور توجہ نہیں ہوتی، شریعت نے معاف قرار دے دیا ہے اور مواخذہ نہیں فرمایا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بھول کر قصد وارادہ کے بغیر کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو معاف فرما دیتا ہے۔ اسی طرح جب دل کسی معصیت کا قصد وارادہ کرتا ہے اور اس کے لیے اصرار نہیں کرتا تو جب تک اس پر عمل پیرا نہیں ہوگا یا ارادہ کو کلام کی شکل نہیں دے گا، اس سے محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ تو تھی معاصی کی بات، لیکن اگر معاملہ طاعات کا ہے تو

صرف نیت وقصد سے بھی مستحق ثواب ہوگا۔ اگر معصیت پر قصد کے بعد عمل نہیں کیا تو یہ نیکی شمار ہوگی۔ جب یہ باتیں معلوم ہوئیں تو یہ بھی پتا چل گیا کہ دل بدن کا رئیس وامیر ہے اور اعضا کی جتنی کرامات بیان ہوئی ہیں، وہ دل کی طرف ہی لوٹتی ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ دل کی اپنی مخصوص کرامات بھی تو ہیں، مثلاً یہ کرامت کہ اللہ برتر واعلیٰ اسے عالم اکبر میں دویعت شدہ اسرار بتادیتا ہے اور یہ کرامت کہ وہ علل واسباب اسے معلوم ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے کسی شی کا وجود ہوتا ہے، یا وہ مختلف جہانوں میں جس جہان سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ روحانی ہو یا غیر روحانی۔ سب کا اسے علم ہوجاتا ہے ان کے علاوہ اور کرامات بھی ہیں جن کا اپنی کتاب ''مواقع النجوم'' میں سیدی محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا ہے۔ (۱۴)

معجزہ اور کرامت میں فرق:

اوپر ذکر کی ہوئی تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ معجزہ اور کرامت دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے، بس دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ خلاف عادت تعجب خیز چیزیں اگر کسی نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوں، تو یہ معجزہ کہلائیں گی اور اگر ان چیزوں کا ظہور کسی ولی کی جانب سے ہو، تو ان کو کرامت کہا جائے گا، چناں چہ حضرت یافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''نشر المحاسن الغالیہ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ امام الحرمین ابوبکر باقلانی وابوبکر بن فورک وحجۃ الاسلام امام غزالی وامام فخر الدین رازی وناصر الدین بیضاوی ومحمد بن عبد الملک سُلمی وناصر الدین طوسی وحافظ الدین نسفی وابو القاسم قشیری ان تمام اکابر علمائے اہل سنت ومحققین ملت نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا کہ معجزہ اور کرامت میں یہی فرق ہے کہ خوارق عادات کا صدور وظہور کسی نبی کی طرف سے ہو تو اس کو معجزہ کہا جائے گا، اور اگر کسی ولی کی طرف سے ہو تو اس کو کرامت کے نام سے یاد کیا جائے گا، حضرت یافعی نے ان دس اماموں کے نام اور ان کتابوں کی عبارتیں نقل فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ان اماموں کے علاوہ دوسرے

---

(۱۴) جامع کرمات الاولیا، ص: ۶۰، ۶۱۔ مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات،

بزرگان ملت نے بھی یہی فرمایا ہے، لیکن علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے ان پہاڑوں کے نام ذکر کر دینے کے بعد مزید محققین کے ناموں کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ (۱۵)

معجزہ ضروری اور کرامت ضروری نہیں:

معجزہ اور کرامت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہر ولی کے لیے کرامت کا ہونا ضروری نہیں ہے، مگر ہر نبی کے لیے معجزہ کا ہونا ضروری ہے، کیوں کہ ولی کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی ولایت کا اعلان کرے یا اپنی ولایت کا ثبوت دے، بلکہ ولی کے لیے تو یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ خود بھی جانے کہ میں ولی ہوں، چناں چہ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے بھی ہوئے کہ ان کو اپنے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ ولی ہیں، بلکہ دوسرے اولیاے کرام نے اپنے کشف و کرامت سے ان کی ولایت کو جانا پہچانا اور ان کے ولی ہونے کا چرچا کیا، مگر نبی کے لیے اپنی نبوت کا اثبات ضروری ہے اور چوں کہ انسانوں کے سامنے نبوت کا اثبات بغیر معجزہ دکھائے ہو ہی نہیں سکتا، اس لیے ہر نبی کے لیے معجزہ کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔

کرامت کی صورتیں :

اولیاے کرام سے صادر و ظاہر ہونے والی کرامتیں کتنے طرح کی ہیں؟ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟ اس بارے میں علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں تحریر فرمایا کہ میرے خیال میں اولیاے کرام سے جتنی قسموں کی کرامتیں صادر ہوتی ہیں، ان قسموں کی تعداد ایک سو سے بھی زائد ہے، اس کے بعد علامہ موصوف الصدر نے قدرے تفصیل کے ساتھ کرامت کی پچیس قسموں کا بیان فرمایا ہے جن کو ہم ناظرین کی خدمت میں کچھ مزید تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

۱- مردوں کو زندہ کرنا:

یہ وہ کرامت ہے کہ بہت سے اولیاے کرام سے اس کا صدور ہو چکا ہے، چناں

---

(۱۵) حجۃ اللہ علی العلمین، ج:۲،

چہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ ابو عبید بُسری جو اپنے دور کے مشاہیر اولیا میں سے ہیں، ایک مرتبہ جہاد میں تشریف لے گئے، جب انھوں نے وطن کی طرف واپسی کا ارادہ فرمایا تو ناگہاں ان کو گھوڑا مر گیا مگر ان کی دعا سے اچانک ان کا مرا ہوا گھوڑا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا، اور وہ اس پر سوار ہو کر اپنے وطن ''بُسر'' پہنچ گئے اور خادم کو کہا کہ اس کی زین اور لگام اتار لے، خادم نے جوں ہی زین اور لگام کو گھوڑے سے جدا کیا، فوراً ہی گھوڑا مر کر گر پڑا۔

اسی طرح حضرت شیخ مُفرّج جو علاقہ مصر میں ''صعید'' کے باشندہ تھے، ان کے دستر خوان پر ایک پرندہ کا بچہ بھنا ہوا رکھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ '' تو خدا تعالیٰ کے حکم سے اڑ کر چلا جا'' ان الفاظ کا ان کی زبان سے نکلنا تھا کہ ایک لمحہ میں وہ پرندے کا بچہ زندہ ہو گیا اور اڑ کر چلا گیا۔

اسی طرح حضرت شیخ اہدل علیہ الرحمہ نے اپنی مری ہوئی بلی کو پکارا تو وہ دوڑتی ہوئی شیخ کے سامنے حاضر ہو گئی۔

اسی طرح حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے دستر خوان پر پکی ہوئی مرغی کو تناول فرما کر اس کی ہڈیوں کو جمع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اے مرغی! تو اس اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جا جو سڑی گلی ہڈیوں کو زندہ فرمائے گا۔ زبان مبارک سے ان الفاظ کے نکلتے ہی مرغی زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگی۔

اسی طرح شیخ زین الدین شافعی مدرس مدرسہ شامیہ نے اس بچے کو جو مدرسہ کی چھت سے گر کر مر گیا تھا، زندہ کر دیا۔

اسی طرح عام طور پر یہ مشہور ہے کہ بغداد شریف میں چار بزرگ ایسے ہوئے جو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو خدائے تعالیٰ کے حکم سے شفا دیتے تھے، اور اپنی دعاؤں سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے (۱) شیخ ابو سعد قیلوی (۲) شیخ بقا بن بطو (۳) شیخ علی بن ابی نصر ہیتی (۴) شیخ عبد القادر جیلانی علیہم الرحمۃ والرضوان۔

۲- مردوں سے کلام کرنا:

کرامت کی یہ قسم بھی حضرت شیخ ابو سعید خرّاز اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ

عنہما وغیرہ بہت سے اولیاے کرام سے بارہا اور بکثرت منقول ہے۔

شیخ علی بن ابی نصر ہیتی کا بیان ہے کہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے ہم راہ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر گیا اور سلام کیا، تو قبر انور سے آواز آئی: عليك السلام يا سيد أهل الزمان.

شیخ علی بن ابی نصر ہیتی اور بقا بن بطو، یہ دونوں بزرگ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے ساتھ حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے۔ تو ناگہاں حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ قبر شریف سے باہر نکل آئے اور فرمایا کہ اے عبد القادر جیلانی! میں علم شریعت و طریقت اور علم قال و حال میں تمھارا محتاج ہوں۔

۳- دریاؤں پر تصرف:

دریا کا پھٹ جانا، دریا کا خشک ہو جانا، دریا پر چلنا، بہت سے اولیاے کرام سے ان کرامتوں کا ظہور ہوا، بالخصوص سید المتاخرین حضرت تقی الدین بن دقیق العید علیہ الرحمۃ کے لیے تو ان کرامتوں کا بار بار ظہور عام طور پر مشہور خلائق ہے۔

۴- انقلاب ماہیت:

کسی چیز کی حقیقت کا ناگہاں بدل جانا۔ یہ کرامت بھی اکثر اولیاے کرام سے منقول ہے۔ چناں چہ شیخ عیسیٰ ہتّار یمنی علیہ الرحمۃ کے پاس بطور مذاق کے کسی بدباطن نے شراب سے بھری دو مشکیں تحفہ میں بھیج دیں، آپ نے دونوں مشکوں کا منھ کھول کر ایک دوسرے میں شراب کو انڈیل دیا، پھر حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ اس کو تناول فرمائیں۔ حاضرین نے کھایا، تو اتنا نفیس اور اس قدر عمدہ گھی تھا کہ عمر بھر لوگوں نے اتنا عمدہ گھی نہیں کھایا۔

۵- زمین کا سمٹ جانا:

سیکڑوں ہزاروں میل کی مسافت کا چند لمحوں میں طے ہونا، یہ کرامت بھی اس قدر زیادہ اللہ والوں سے منقول ہے کہ اس کی روایات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، چناں

چہ طرطوس کی جامع مسجد میں ایک ولی تشریف فرما تھے، اچانک انھوں نے اپنا سر گریباں میں ڈالا اور پھر چند لمحوں میں گریبان سے سر نکالا تو وہ ایک دم حرم کعبہ میں پہنچ گئے۔

۶- نباتات سے گفتگو:

بہت سے حیوانات و نباتات اور جمادات نے اولیاے کرام سے گفتگو کی، جن کی حکایات بکثرت کتابوں میں مذکور ہیں، چناں چہ حضرت ابراہیم ادھم علیہ الرحمۃ بیت المقدس کے راستے میں ایک چھوٹے سے انار کے درخت کے سایے میں اتر پڑے، تو اس درخت نے باآواز بلند کہا کہ اے ابواسحاق! آپ مجھے یہ شرف عطا فرمائیے کہ میرا ایک پھل کھا لیجئے، اس درخت کا پھل کھٹّا تھا، مگر درخت کی تمنا پوری کرنے کے لیے آپ نے اس کا ایک پھل توڑ کر کھایا، تو وہ نہایت ہی میٹھا ہو گیا، اور آپ کی برکت سے وہ سال میں دوبار پھلنے لگا اور وہ درخت اس قدر مشہور ہو گیا کہ لوگ اس کو "رُمّانَۃُ العابِدِیْنِ" (عابدون کا انار) کہنے لگے۔

۷- شفاے امراض:

اولیاے کرام کے لیے اس کرامت کا ثبوت بھی بکثرت کتابوں میں مرقوم ہے، چناں چہ حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ایک پہاڑ میں میں نے ایک ایسے بزرگ سے ملاقات کی جو اپاہجوں، اندھوں، اور دوسرے قسم قسم کے مریضوں کو خدا کے حکم سے شفایاب فرماتے تھے۔

۸- جانوروں کا فرماں بردار ہو جانا:

بہت سے بزرگوں نے اپنی کرامت سے خطرناک درندوں کو اپنا فرماں بردار بنالیا تھا۔ چناں چہ حضرت ابوسعید بن ابی الخیر مہینی علیہ الرحمۃ نے شیروں کو اپنا اطاعت گزار بنا رکھا تھا اور دوسرے بہت سے اولیا شیروں پر سواری فرماتے تھے جن کی حکایات مشہور ہیں۔

۹- زمانہ کا مختصر ہو جانا:

یہ کرامت بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ ان کی صحبت میں لوگوں کو ایسا

محسوس ہوا کہ پورا دن اس قدر جلدی گزر گیا کہ گویا گھنٹہ دو گھنٹہ کا وقت گزرا ہے۔

۱۰- زمانہ کا طویل ہو جانا:

اس کرامت کا ظہور سینکڑوں علما و مشایخ سے اس طرح ہوا کہ ان بزرگوں نے مختصر سے مختصر وقتوں میں اس قدر زیادہ کام کر لیا کہ دنیا والے اتنا کام مہینوں، بلکہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ چناں چہ امام شافعی، و حجۃ الاسلام امام غزالی، و علامہ جلال الدین سیوطی، و امام الحرمین شیخ محی الدین نووی [۱۶] وغیرہ علمائے دین نے اس قدر کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائیں کہ اگر ان کی عمروں کا حساب لگایا جائے تو روزانہ اتنے زیادہ اوراق ان بزرگوں نے تصنیف فرمائے کہ کوئی اتنے زیادہ اوراق اتنی قلیل مدت میں نقل بھی نہیں کر سکتا، حالانکہ یہ اللہ والے تصنیف کے علاوہ دوسرے مشاغل بھی رکھتے تھے اور نفلی عبادتیں بھی بہ کثرت ادا کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح منقول ہے کہ بعض بزرگوں نے دن رات میں آٹھ آٹھ ختم قرآن مجید کی تلاوت کر لی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کے اوقات میں اس قدر اور اتنی زیادہ برکت ہوئی ہے کہ جس کو کرامت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

۱۱- مقبولیّت دعا:

یہ کرامت بھی بہت زیادہ بزرگوں سے منقول ہے۔

۱۲- خاموشی اور کلام پر قدرت:

بعض بزرگوں نے برسوں تک کسی انسان سے کلام نہیں کیا اور بعض بزرگوں نے نمازوں اور ضروریات کے علاوہ کئی کئی دنوں تک مسلسل وعظ فرمایا اور درس دیا ہے۔

۱۳- دلوں کو اپنی طرف کھینچ لینا:

سینکڑوں اولیائے کرام سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ جن بستیوں یا مجلسوں میں لوگ ان سے عداوت و نفرت رکھتے تھے، جب ان حضرات نے وہاں قدم رکھا تو ان کی توجہات سے ناگہاں سب کے دل ان کی محبت سے لب ریز ہو گئے اور سب کے سب

---

(۱۶) محرر مذہب حنفی امام محمد بن حسن شیبانی اور مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہما الرحمۃ بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔

پروانوں کی طرح ان کے قدموں پر نثار ہونے لگے۔

۱۴- غیب کی خبریں:

اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں کہ اولیاے کرام نے دلوں میں چھپے ہوئے خیالات و خطرات کو جان لیا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دیتے رہے اور ان کی پیشین گوئیاں سوفی صد صحیح ہوتی رہیں۔

۱۵- بغیر کھائے پئے زندہ رہنا:

ایسے بزرگوں کی فہرست بہت ہی طویل ہے جو ایک مدت دراز تک بغیر کچھ کھائے پئے زندہ رہ کر عبادتوں میں مصروف رہے اور انھیں کھانا یا پانی چھوڑ دینے سے ذرّہ برابر کوئی ضُعف بھی لاحق نہیں ہوا۔

۱۶- نظام عالم میں تصرفات:

منقول ہے کہ بہت سے بزرگوں نے شدید قحط کے زمانے میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرمایا تو ناگہاں آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگی، اور مشہور ہے کہ حضرت شیخ ابوالعباس شاطر علیہ الرحمۃ تو درہموں کے بدلے بارش فروخت کیا کرتے تھے۔

۱۷- بہت زیادہ مقدار میں کھالینا:

بعض بزرگوں نے جب چاہا بیسیوں آدمیوں کی خوراک اکیلے کھا گئے اور انھیں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی۔

۱۸- حرام غذاؤں سے محفوظ:

بہت سے اولیاے کرام کی یہ کرامت مشہور ہے کہ حرام غذاؤں سے وہ ایک خاص قسم کی بدبو محسوس کرتے تھے، چناں چہ حضرت شیخ حارث محاسبی علیہ الرحمۃ کے سامنے جب بھی کوئی حرام غذا لائی جاتی تھی، تو انھیں اس غذا سے ایسی ناگوار بدبو محسوس ہوتی تھی کہ وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ حرام غذا کو دیکھتے ہی ان کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔ چناں چہ منقول ہے کہ حضرت شیخ ابوالعباس مرسی کے سامنے لوگوں نے امتحان کے طور پر حرام کھانا رکھ دیا تھا، تو آپ نے فرمایا: اگر حرام غذا کو

دیکھ کر حارث محاسبی علیہ الرحمہ کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی، تو میرا یہ حال ہے کہ حرام غذا کے سامنے میری ستّر رگیں پھڑکنے لگتی ہیں۔

۱۹- دور کی چیزوں کو دیکھ لینا:

چناں چہ شیخ ابو اسحاق شیرازی علیہ الرحمہ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ وہ بغداد شریف میں بیٹھے ہوئے کعبہ مکرمہ کو دیکھا کرتے تھے۔

۲۰- ہیبت و دَبدبہ:

بعض اولیاے کرام سے اس کرامت کا صدور اس طور ہوا کہ ان کی صورت دیکھ کر بعض لوگوں پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہوا کہ ان کا دم نکل گیا۔ چناں چہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کی ہیبت سے ان کی مجلس میں ایک شخص مر گیا۔

۲۱- مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا:

اس کرامت کو صوفیۂ کرام کی اصطلاح میں "خلع و لبس" کہتے ہیں، یعنی ایک شکل کو چھوڑ کر دوسری شکل میں ظاہر ہو جانا۔ حضرات صوفیہ کا قول ہے کہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان ایک تیسرا عالم بھی ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ اس عالم مثال میں ایک ہی شخص کی روح مختلف جسموں میں ظاہر ہو جایا کرتی ہے۔ چناں چہ ان لوگوں نے قرآن مجید کی آیت کریمہ "فَتَمَثَّلَ لَهابَشَراً سَوِيّاً" سے استدلال کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ اسلام حضرت بی بی مریم کے سامنے ایک تن درست، جوان آدمی کی صورت میں ظاہر ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ عالم مثال میں ہوا تھا۔

یہ کرامت بہت سے اولیا نے دکھائی ہے۔ چناں چہ حضرت قضیب البان موصلی علیہ الرحمۃ جن کا اولیا کے طبقۂ ابدال میں شمار ہوتا ہے، کسی نے آپ پر یہ تہمت لگائی کہ آپ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ سن کر آپ جلال میں آ گئے اور فوراً ہی اپنے آپ کو اس کے سامنے چند صورتوں میں ظاہر کیا اور پوچھا کہ بتا! تو نے کس صورت میں مجھ کو ترک نماز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ جو مشائخ

نقشبندیہ میں بہت ہی ممتاز بزرگ ہیں، جب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ ان کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو حضرت مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کے چہرۂ اقدس پر ان کو داغ دھبّے نظر آئے جس سے ان کے دل میں کچھ کراہت پیدا ہوئی۔ تو اچانک آپ ان کے سامنے ایک ایسی نورانی شکل میں ظاہر ہوگئے کہ بے اختیار حضرت خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمہ کا دل ان کی طرف مائل ہوگیا اور وہ فوراً ہی بیعت ہوگئے۔

۲۲- دشمنوں کے شر سے بچنا:

خداوند قدوس نے بعض اولیاے کرام کو یہ کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ ظالم، اُمرا و سلاطین نے جب ان کے قتل یا ایذا رسانی کا ارادہ کیا تو غیب سے ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہے، جیسا کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کو خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایذا رسانی کے خیال سے دربار میں طلب کیا، مگر جب وہ سامنے گئے تو خلیفہ خود ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہوگیا کہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

۲۳- زمین کے خزانوں کو دیکھنا:

بعض اولیاے کرام کو یہ کرامت ملی ہے کہ وہ زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو دیکھ لیا کرتے تھے، اور اس کو اپنی کرامت سے باہر نکال لیتے تھے، چناں چہ شیخ ابو تراب علیہ الرحمۃ نے ایک ایسے مقام پر جہاں پانی نایاب تھا، زمین پر ایک ٹھوکر مار کر پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

۲۴- مشکلات کا آسان ہوجانا:

یہ کرامت بزرگان دین سے بار بار اور بے شمار مرتبہ ظاہر ہوچکی ہے۔ جس کی سینکڑوں مثالیں "تذکرۃ الاولیا" وغیرہ مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲۵- مہلکات کا اثر نہ کرنا:

چناں چہ مشہور ہے کہ ایک بد باطن بادشاہ نے کسی خدا رسیدہ بزرگ کو گرفتار کیا اور انھیں مجبور کر دیا کہ وہ کوئی تعجب خیز کرامت دکھائیں، ورنہ انھیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ آپ نے اونٹ کی مینگنیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اٹھاؤ

اور دیکھو کہ وہ کیا ہیں ؟ جب لوگوں نے ان کو اٹھا کر دیکھا تو وہ خالص سونے کے ٹکڑے تھے۔ پھر آپ نے ایک خالی پیالے کو اٹھا کر گھمایا اور اوندھا کر کے بادشاہ کو دیا تو وہ پانی سے بھرا ہوا تھا اور اوندھا ہونے کے باوجود اس میں سے ایک قطرہ بھی پانی نہیں گرا۔ یہ دو کرامتیں دیکھ کر بد عقیدہ بادشاہ کہنے لگا۔ یہ سب نظر بندی کے جادو کا کرشمہ ہے۔ پھر بادشاہ نے آگ جلانے کا حکم دیا۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوئے، تو بادشاہ نے مجلس سماع منعقد کرائی۔ جب ان درویشوں کو سماع سن کر جوشِ وجد میں حال آگیا، تو یہ سب لوگ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہو کر رقص کرنے لگے۔ پھر ایک درویش بادشاہ کے بچے کو گود میں لے کر آگ میں کود پڑا اور تھوڑی دیر تک بادشاہ کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ بادشاہ اپنے بچے کے فراق میں بے چین ہو گیا، مگر پھر چند منٹوں میں درویش نے بادشاہ کے بچے کو اس حال میں بادشاہ کی گود میں ڈال دیا کہ بچے کے ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے ہاتھ میں انار تھا، بادشاہ نے پوچھا کہ بیٹا تم کہاں چلے گئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ میں ایک باغ میں تھا، جہاں سے میں یہ پھل لایا ہوں، یہ دیکھ کر بھی ظالم و بد عقیدہ بادشاہ کا دل نہیں پسیجا اور اس نے اس بزرگ کو بار بار زہر کا پیالہ پلایا۔ مگر ہر مرتبہ زہر کے اثر سے اس بزرگ کے کپڑے پھٹتے رہے اور ان کی ذات پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔

کرامت کی یہ وہ پچیس شکلیں اور ان کی چند مثالیں ہیں، جن کو علامہ تاج الدین سُبکی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "طبقات" میں تحریر فرمایا، ورنہ ان کے علاوہ کرامات کی بہت سی اور بھی قسمیں ہیں اور ان کی مثالیں اس قدر زیادہ تعداد میں ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہزاروں اوراق کا ایک ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ مگر بطور مثال جس قدر ہم نے یہاں تحریر کر دیا وہ طالب حق کی تسکین روح اور اطمینان قلب کے لیے بہت کافی ہے، رہ گئے بد عقیدہ منکرین تو ان کی ہدایت کے لیے دلائل تو کیا؟ دور رسالت میں ان کے لیے معجزہ "شقُّ القمر" بھی سود مند نہیں ہوا۔(۱۷)

---

(۱۷) حجۃ اللہ علی العلمین، ج:۲، ص:۱۰۸-۱۱۱۔

کرامت کی قسمیں:

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، الفتوحات المکیۃ میں فرماتے ہیں:

کرامت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ اس کے اسم مبارک ''البَرُّ'' کی برکات ہیں۔ اس لیے یہ ''ابرار'' کے حصے میں پورے جمال کے ساتھ جلوہ ریز ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مناسبت اس بات کی متقاضی ہے کہ ''بر'' کے احسانات ابرار تک پہنچیں، اگرچہ انھیں خود کرامت کی طلب نہ ہو۔

کرامت کی دو قسمیں ہیں، ایک حسّی، دوسری معنوی- عوام صرف حِسّی ہی کو کرامت جانتے ہیں جیسے دل کی باتوں پر مطلع ہونا، ماضی، حال اور استقبال کی اطلاع دینا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، زمین کا لپٹ جانا، نظروں سے اوجھل ہو جانا، دعا کا فوراً قبول ہونا، عوام صرف اسی طرح کی چیزوں کو کرامت سمجھتے ہیں۔

معنوی کرامات:

معنوی کرامتوں کو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہی سمجھ سکتے ہیں، عوام کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔

معنوی کرامات یہ ہیں۔ آداب شریعت اس بندۂ حق کے لیے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مکارم اخلاق کو سامنے لانے کی اسے توفیق ملتی ہے۔ بداخلاقی سے پرہیز کرتا ہے۔ واجبات کی مطلقاً ان کے اوقات میں پابندی کے ساتھ ادائیگی کرتا ہے۔ خیرات و حسنات کی طرف جلدی کرتا ہے۔ اس کا سینہ بغض و حسد، کینہ، بدگمانی اور ہر بری صفت سے پاک ہوتا ہے۔ انفاس قدسیہ کے ساتھ اسے مراقبہ کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات اور دیگر اشیا میں حقوق اللہ کی رعایت کو اپنا شعار بنالیتا ہے۔ وہ اپنے دل میں اپنے مولیٰ کے آثار رحمت کو تلاش کرتا ہے۔ وہ سانسوں کے آتے جاتے پوری مراعات سے کام لیتا ہے۔ جب سانس آئے تو ادب سے اسے قبول کرتا ہے اور جب سانس نکلے تو اسے خلعت حضوری حاصل ہوتی ہے۔

یہ سب کرامات معنویہ ہمارے نزدیک اولیا کی کرامتیں ہیں، ان میں نہ مکر کا دخل ہے، نہ استدراج کا۔ یہ سب وفاے عہد کی دلیلیں ہیں کہ مقصود ٹھیک ہے اور مطلوب کے عدم حصول میں رضا بالقضا ہے اور پریشانی آنے کی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر شاکر۔ ایسا ولی ان کرامات میں صرف مقرب فرشتوں اور برگزیدہ منتخب اولیاء اللہ کو ہی شریک کرتا ہے۔

حِسّی کرامات:

کرامت حِسّی جسے عام لوگ کرامات سمجھتے ہیں، اس میں مکر خفی کا داخل ہونا ممکن ہے۔ اگر ہم انھیں کرامت فرض کریں تو ضروری ہے کہ استقامت کا نتیجہ ہو یا استقامت پیدا کرنے کا ذریعہ ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر وہ کرامت بھی نہیں ۔ جب کرامت کا نتیجہ استقامت ہو تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عمل کا حصہ یا فعل کی جزا بنادے، اور جب کسی سے یہ ظہور پذیر ہیں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے محاسبہ فرمائے۔ [۱۸]

اصل کرامات، کرامات معنوی ہیں:

حضرت ابولقاسم قشیری رضی اللہ عنہ رسالۂ مبارک قشیریہ میں ، سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی معاصر سیدنا جنید بغدادی قدس سرہما کا فرمان نقل کرتے ہیں:

"مَنْ اَلْزَمَ نفسَہاآدابَ الشریعۃِ نَوَّرَاللہ قلبَہ بنور المعرفۃ، ولا مقام أشرف من مقام مُتابعۃِ الحبیب فی أوامرہ وأفعالہ وأخلاقہ"

"جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کردے گا۔ اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے"۔ [۱۹]

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں:

---

(۱۸) جامع کرامات الاولیاء، ج:۱، ص:۶۶۔

(۱۹) رسالہ قشیریہ، ص:۳۰، بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف، ص:۸۔

”اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض وواجب، مکروہ وحرام اور محافظت حدود وآداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔“(۲۰)

حضرت خواجہ غریب نواز کی معنوی کرامتیں:

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کی پاکیزہ زندگی پر نگاہ ڈالیے تو وہ مکمل طور سے شریعت کے معیار پر پوری اترتی نظر آتی ہے۔ ان کے فکر وخیال اور عقائد و اعمال غرض کہ زندگی کے تمام گوشوں میں شرعی احکام کا پورا پورا پاس ولحاظ ملتا ہے۔ اب ذیل میں اس کے کچھ شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

محبّت الٰہی:

حضرت خواجہ غریب نواز رضِی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل محبت الٰہی سے معمور تھا۔ جس کا اثر ان کے اعمال وافعال، حرکات وسکنات اور خود ان کے اقوال وملفوظات سے ظاہر ہوتا تھا۔ صوفیہ کرام اور مشایخ طریقت کی بارگاہوں میں ”حُبِّ الٰہی“ کی خصوصی تعلیم ہوتی تھی اور وہ اپنے مریدین ومسترشدین کو خصوصی تربیت فرما کر انھیں ”حُبِّ الٰہی“ کا خوگر بنادیتے تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کو یہ دولت اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضِی اللہ عنہ کی بارگاہ سے ملی تھی، اسی لیے ان کی ذات پر حُبِّ الٰہی کا غلبہ رہا کرتا تھا، اور کبھی یہ آتشِ محبت اتنی تیز ہوجاتی کہ وہ پند ونصائح کی شکل اختیار کرکے آپ کی زبان پر آجاتی۔ ایک موقع پر اپنے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا علیہ الرحمۃ والرضوان سے فرمایا:

”عاشق کا دل محبت کی آگ میں جلتا رہتا ہے، لہٰذا جو کچھ بھی اس دل میں آئے گا جل جائے گا اور نابود ہوجائے گا۔ کیوں کہ آتش محبت سے زیادہ تیزی کسی آگ میں نہیں“۔ فرمایا: ”بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی ہیں، لیکن جب سمندر میں

---

(۲۰) رسالہ قشیریہ، ص:۱۸، بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف، ص:۸۔

پہنچتی ہیں بالکل خاموش ہوجاتی ہیں۔"

اور فرمایا: " میں نے خواجہ عثمان ہارونی کی زبانی سنا، فرماتے تھے کہ انسان مستحق فقر اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس عالم فانی میں اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے، محبت کی علامت یہ ہے کہ فرماں بردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب تمہیں دوستی سے جدا نہ کردے۔"

اور فرمایا: " محبت میں عارف کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صفات حق اس کے اندر پیدا ہوجائیں، اور محبت میں عارف کا درجہ کامل یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے مقابلہ پر دعوی کر کے آئے تو وہ اپنی قوت وکرامت سے اسے گرفتار کرے۔"

اور فرمایا: "درویش وہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی حاجت لے کر آئے تو اسے خالی ہاتھ اور محروم واپس نہ کرے اور عارف راہ محبت میں ایسا شخص ہے جو دو عالم سے دل ہٹالے۔"(۲۱)

عشق رسول:

عشق رسول اہل ایمان کی غذاے روح بلکہ جانِ ایمان ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ خود حدیث پاک میں ارشاد ہوا:

لايُؤْمِنُ أحدُكُم حتى أكُونَ أحَبَّ إليه من والدِه وولدِه والناسِ أجمعين، متفق عليه (۲۲)

(تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں)۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کرام عشقِ رسول کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور اولیاے کرام اُسے "حرزِ جان" بنائے رہے۔

حضرت خواجہ تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ اور بے خود رہنے کے ساتھ محبت رسول کے نشے میں بھی سرشار رہے، اپنے ملفوظات میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ذکر

---

(۲۱) اخبارالاخیار مترجم، ص:۵۶ تا ۵۸ ملخصًا۔
(۲۲) مشکوۃ المصابیح، ص:۱۲، الفصل الاول من کتاب الایمان۔

بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے، اور اکثر حدیث نبوی بیان فرما کر رونے لگتے تھے، ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا کہ ”افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی، جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا، یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو پڑے“۔ (۲۳)

ریاضت و مجاہدہ:

قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾ (۲۴)

(ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھادیں گے، اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔)

اس فرمانِ الٰہی پر خواجہ صاحب کا بھرپور عمل تھا۔ اسی لیے آپ نے ریاضت و مجاہدہ کی دشوار گزار راہوں سے اپنے آپ کو گزارا اور وعدۂ الٰہی کے مطابق رشد و ہدایت کی بے بہا دولتوں سے بہرہ ور ہوئے۔ اسی لیے آپ کا معمول یہ تھا کہ رات کو کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے۔ مگر جب لوگوں کو ان کی خبر ہو جاتی تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی کی طرف روانہ ہو جاتے۔ (۲۵)

حضرت میر سیّد عبد الواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

”ستّر سال تک آپ نے آرام نہ کیا، اور نہ پُشت زمین سے لگائی۔ ستّر سال تک آپ کا وضو سوا حاجت انسانی کے نہ ٹوٹا، آنکھیں عموماً بند رکھتے، نماز کے وقت کھولتے اور شیخ کی نظر جس پر پڑ جاتی ولی اللہ ہو جاتا۔ (۲۶)

---

(۲۳) دلیل العارفین، ص:۱۔

(۲۴) العنکبوت: ۶۹

(۲۵) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص:۶۵۔

(۲۶) سبع سنابل شریف مترجم، ص:۴۳۵۔

دلیل العارفین میں خود حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا یہ بیان موجود ہے:
جب شیخ الاسلام سلطان المشایخ خواجہ عثمان ہارونی نوّر اللہ مرقدہ کا مرید ہوا تو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں ایک دم بھی آرام نہ کیا۔ نہ دن دیکھتا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہم راہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی، ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔" (۲۷)

نماز کا اہتمام:

حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان خود نمازوں کو پابندی کے ساتھ مقرر اوقات میں ادا فرماتے اور اپنے مریدین و مسترشدین کو بھی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی نصیحت فرماتے تھے۔ دلیل العارفین، مجلسِ دہم میں خود آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ "تصوّف رسوم ہے نہ کہ علوم"۔ (۲۸) یعنی تصوف اور اہلِ تصوّف عمل سے تعلّق رکھتے ہیں ،صرف علم سے نہیں۔ اس لیے خواجہ صاحب کے ملفوظات میں نماز کی پابندی کی جس قدر سختی کے ساتھ تاکید ملتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ اس پر کاربند تھے۔ بلکہ آپ کے یہاں تو فرائض کے علاوہ نفل نمازوں کی بھی تاکید ملتی ہے۔
عملی طور پر آپ کا حال یہ تھا کہ "عموماً باوضو رہتے، رات کو کم سوتے اور عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے۔"
اور نماز جیسے اہم العبادات فریضہ کے تعلق سے آپ کا نظریہ اور عقیدہ دلیل العارفین میں مذکور آپ کے درج ذیل ملفوظات سے واضح ہوتا ہے۔
ایک موقع پر فرمایا: "نماز ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہے تو بندوں پر لازم ہے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں"۔
پھر فرمایا: "انسان نماز ادا کرے تو رکوع اور سجود کما حقہ بجالائے اور ارکان نماز

---

(۲۷) دلیل العارفین، ص:۲۔
(۲۸) دلیل العارفین، ص:۴۹۔

اچھی طرح ملحوظ رکھے۔‘‘

پھر فرمایا: ’’میں نے صلوٰۃ مسعودی میں لکھا دیکھا ہے کہ جب لوگ نماز اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں اور رکوع و سجود اور قراءت و تسبیح کو ملحوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے ایک نور پھیلتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، پھر جب وہ نماز عرش کے نیچے لائی جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر، اور نماز ادا کرنے والے کے لیے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالایا ہے،...... پھر خواجہ صاحب روئے اور فرمایا کہ یہ تو اچھی نماز ادا کرنے والوں کے حق میں ہے لیکن جوار کان نماز کو بخوبی ملحوظ نہیں رکھتے جب ان کی نماز کو فرشتے آسمان پر لے جانا چاہتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جاکر اسی نمازی کے منھ پر مار دو پھر نماز زبان حال سے کہتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے، اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے‘‘۔

پھر فرمایا: میں نے خواجہ عثمان ہارونی کی زبان سے سنا ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب انبیا، اولیا اور ہر مسلمان سے ہوگا جو اس حساب سے عہدہ برآنہیں ہوسکے گا وہ عذاب دوزخ میں مبتلا ہوگا۔

پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں شام کے قریب ایک شہر میں تھا، جس کا نام میری یاد سے اتر گیا ہے۔ اس کے باہر ایک غار تھا جس میں ایک بزرگ شیخ اوحد محمد الواحد غزنوی رہتے تھے، اور جس کے وجود مبارک پر چمڑا ہی چمڑا تھا۔ سجادے پر بیٹھے ہوئے تھے اور دو شیر ان کے پاس کھڑے تھے۔ میں شیروں کے ڈر سے پاس نہ جاسکتا تھا۔ جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو فرمایا۔ آجاؤ۔ ڈرو نہیں۔ جب میں پاس گیا تو آداب بجالاکر بیٹھ گیا۔

پہلی بات جو بزرگ نے مجھ سے کی، وہ یہ ہے کہ اگر تو کسی کا ارادہ نہ کرے گا تو وہ تیرا بھی ارادہ نہ کرے گا۔ یعنی شیر کی کیا ہستی ہے کہ تو اس سے ڈرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب

تیرے دل میں خوف خدا ہو گا، تمام تجھ سے ڈریں گے۔ شیر کی کیا حقیقت ہے۔ وہ لوگوں سے بھی نہیں ڈرے گا۔ اس قسم کی بہت سی باتیں بیان فرمائیں ۔ پھر پوچھا، کہاں سے آنا ہوا، عرض کی بغداد سے، فرمایا آنا مبارک ہو۔ لیکن لازم ہے کہ تو درویشوں کی خدمت کرے، تاکہ بزرگ بن جائے۔ لیکن سنو! مجھے اس غار میں رہتے ہوئے کئی ایک سال گزر گئے، اور تمام خلقت سے گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کی ہے۔ لیکن تیس سال سے ایک چیز کے سبب رو رہا ہوں ۔ اس ڈر سے دن رات روتا ہوں ۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا جب میں نماز ادا کرتا ہوں تو اپنے آپ کو دیکھ کر روتا ہوں کہ اگر ذرّہ برابر شرط نماز ادا نہ ہوئی تو سب کچھ ضائع جائے گا۔ اسی وقت یہ طاعت میرے منھ پر دے ماریں گے۔ پس اے درویش! اگر تو نماز کے حق سے عہدہ برآ ہو جائے تو واقعی تو نے بڑا کام کیا ہے۔ نہیں تو، تو اپنی عمر ضائع کرے گا۔ پھر یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ دنیا میں، اور کوئی دشمن قیامت میں اس سے بڑھ کر نہیں کہ نماز کو با شرائط ادا نہ کیا جائے۔

پھر فرمایا کہ میرے بدن پر جو ہڈی اور چمڑا دکھائی دیتا ہے، یہ اسی کے سبب سے ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مجھ سے نماز کا حق ادا ہوا بھی ہے یا نہیں ؟ یہ بات کہتے ہوئے ایک سیب اٹھایا جو ان کے پاس ہی تھا۔ ان کی ساری گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ نماز کا عہدہ بڑا بزرگ عہدہ ہے۔ اگر سلامتی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہو سکے تو خلاصی پا جاتا ہے، نہیں تو شرمندہ رہتا ہے اور چہرہ کسی کو نہیں دکھلا سکتا۔

پھر خواجہ صاحب نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ اے درویش! نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے۔ تو جب ستون قائم ہو گا، گھر بھی قائم ہو گا اور جب ستون نکل جائے گا تو چھت فوراً گر پڑے گی۔ چوں کہ اسلام اور دین کے لیے نماز بہ منزلہ ستون ہے۔ جب نماز کے اندر فرض، سنت، رکوع اور سجود میں خلل آئے گا تو حقیقت اسلام اور دین وغیرہ خراب ہو جائیں گے۔

بعد ازاں فرمایا کہ صلوۃ مسعودی کی شرح میں امام زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت میں ایسی تاکید وتشدید نہیں کی جیسی کہ نماز کے بارے میں"۔ (۲۹)

دلیل العارفین کی مجلس ہشتم میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ نے اوراد ووظائف اور معمولات سے متعلق خواجہ صاحب کے ارشادات نقل کیے ہیں اور اسی ضمن میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: "جو شخص کوئی وظیفہ مقرر کرے اسے روزانہ پڑھنا چاہیے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ انبیا واولیا و مشائخ اور مردانِ خدا کا جو وظیفہ ہوتا ہے وہ برابر پڑھتے ہیں اور جو کچھ اپنے پیروں سے سنتے ہیں بجالاتے ہیں'...... پھر فرمایا:

"جو ورد ہمارے خواجگان سے منقول ہے ہم پڑھتے ہیں، تم بھی پڑھا کرو، تاکہ وظیفہ میں ناغہ نہ ہو اور جب اٹھو تو دائیں پہلو اٹھو، اور بسم اللہ پڑھ کر باشرائط وضو کرو، پھر دوگانہ ادا کر کے مصلّے پر بیٹھو اور سورۂ بقرہ کی چند آیتیں اور سورۂ انعام کی ستّر آیتیں پڑھ کر سو بار "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، محمّدٌ رَّسولُ اللّٰه" پڑھو، پھر صبح کی نماز کی سنتیں اس طرح ادا کرو کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اَلَمْ نَشْرَحْ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اَلَمْ تَرَ کَیْفَ کی تلاوت کرو۔" اس کے بعد مختلف اوراد ووظائف کے ساتھ سورج نکلنے کے بعد دس رکعت نماز اشراق، پھر بارہ رکعت نماز چاشت، پھر نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد چھ رکعت نمازِ اوّابین اور نماز عشا کے بعد چار رکعت صلوٰۃ السعادۃ پڑھنے کی تلقین فرمائی اور اخیر میں ارشاد فرمایا:

رات کے تین حصے کرے۔ پہلا حصہ نماز میں گزارے، دوسرا تہجد میں، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ نماز ہمارے لیے فرض ہے۔ یہ چار سلام سے ادا کرے اور جس قدر قرآن شریف یاد ہو پڑھے پھر تھوڑی دیر سو جائے، پھر اٹھ کر تازہ وضو کرے اور صبح کاذب تک یادِ الٰہی میں مشغول رہے...... اسی طرح ہر روز کیا کرے اور اس میں کمی بیشی نہ کرے تاکہ مشائخ کی سنت ادا ہو۔" (۳۰)

---

(۲۹) دلیل العارفین، ص: ۷ تا ۹ ملخصًا۔

(۳۰) دلیل العارفین، ص: ۳۰ تا ۳۶ ملخصًا۔

اسی طرح مجلسِ اوّل میں بھی نماز اشراق کی بڑی فضیلت ذکر فرمائی ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا: ”امامُ المتّقین حضرت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: کہ ایک کفن چور چالیس سال تک کفن چراتا رہا۔ جب مرا تو خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں ٹہل رہا ہے۔ اس کا سبب پوچھا تو بولا: مجھ میں ایک چیز تھی کہ جب میں فجر کی نماز ادا کرتا تھا تو سورج نکلنے تک یاد الٰہی میں مشغول رہ کر اشراق کی نماز ادا کرتا۔ اللہ تعالیٰ چوں کہ اندک پذیر اور بسیار بخش ہے، اس لیے اس نے اسی عمل کی برکت سے بخش دیا، میرے افعال کا کچھ لحاظ نہ فرمایا، اور مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا۔“ (۳۱)

روزہ اور حج کا اہتمام:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح نماز کا اہتمام فرماتے تھے اور اس کے فرائض و واجبات، سُنن و مستحبات اور حقوق و آداب کی رعایت کے ساتھ اسے مقررہ اوقات میں ادا فرماتے تھے، اسی طرح آپ کے نزدیک روزہ اور حج کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ وہ خود صائم الدہر رہے، فرض کے ساتھ نفل روزے بھی پورے اہتمام سے خود رکھتے اور اپنے مریدوں کے سامنے اس کے فضائل بھی بیان فرماتے۔ اور خانہ کعبہ کی زیارت بھی اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

فوائد السالکین کی مجلس پنجم میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بیان موجود ہے: کہ ”شیخ الاسلام حضرت معین الدین سجزی قدّس اللہ سرّہ العزیز ہر سال اجمیر سے خانہ کعبہ جایا کرتے تھے“۔ یہ بیان اگرچہ کچھ ظاہر بیں اور سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کے نزدیک اس بنا پر قابلِ تاویل ہو کہ ”اس زمانے میں ہر سال اجمیر سے حج کے لیے جانا ممکن نہ تھا، اس لیے ان کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے خانہ کعبہ کی زیارت اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔“ (۳۲)

---

(۳۱) دلیل العارفین، ص:۵۔

(۳۲) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص۷۶۔

لیکن اربابِ تحقیق اور اہل حق کے نزدیک اولیاے کرام سے ”طیّ ارض“ (زمین کے سمٹ جانے) کی کرامت منقول ہے۔ حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ والرضوان کی کتاب ”حجّة الله علی العالمین فی معجزات سیّد المرسلین“ کے حوالہ سے آپ یہ بیان پڑھ چکے ہیں: ”کہ سیکڑوں، ہزاروں میل کی مسافت کا چند لمحوں میں طے ہونے کی کرامت بھی اس قدر زیادہ اللہ والوں سے منقول ہے کہ اس کی روایات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، چناں چہ طرطوس کی جامع مسجد میں ایک ولی تشریف فرماتھے، اچانک انھوں نے اپنا سر گریبان میں ڈالا اور پھر چند لمحوں میں گریبان سے سر نکالا تو وہ ایک دم حرم کعبہ پہنچ گئے۔“

شریعت کے بغیر طریقت تک رسائی ناممکن:

تمام علماے ربانی اور عُرَفاے حق کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت پر عمل کیے بغیر طریقت، معرفت، حقیقت کسی بھی روحانی درجہ تک رسائی ممکن نہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضِی اللہ عنہ نے اپنے ملفوظات ”دلیل العارفین“ میں اس حقیقت کو خوب خوب واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”راہِ سلوک پر چلنے والوں کا شروع یہ ہے کہ جب لوگ شریعت میں ثابت قدم ہوجاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں اور ان کے بجالانے میں ذرہ برابر تجاوز نہیں کرتے تو اکثر وہ دوسرے مرتبہ پر پہنچتے ہیں، جسے طریقت کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب پورے شرائط کے ساتھ طریقت میں اور تمام احکام شریعت بے کم وکاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ جب معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناخت اور شناسائی کا مقام آجاتا ہے۔ جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہوجاتے ہیں تو درجۂ حقیقت کو پہنچتے ہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں، پالیتے ہیں۔“[۳۳]

(۳۳) دلیل العارفین، ص:۷۔

ایک موقع پر فرمایا: ”کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں، مرد کو چاہیے کہ اس کے احکام بجالانے میں کمی نہ کرے۔ پھر جو کچھ چاہے گا، مل جائے گا۔“ (۳۴)

حضرت خواجہ غریب نواز کے ان ارشادات سے ان متصوفینِ زمانہ کو سبق لینا چاہیے جو کہتے ہیں کہ ”شریعت تو ایک راستہ ہے، ہم تو منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں، ہمیں شریعت کی راہ پر چلنے کی کیا ضرورت؟ راستہ پر وہ چلے جو ابھی منزل تک نہ پہنچا ہو“۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی صورت میں عقل و حواس رکھنے والے انسان کے لیے شریعت کی پابندی سے چارۂ کار نہیں۔ چاہے وہ سالکِ طریقت ہو یا رہ رِوراہِ حقیقت و معرفت۔

علما و مشائخ کی تعظیم:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ عُلمائے ربانی، عُرفائے صمدانی اور مشائخِ طریقت کی تعظیم و توقیر کے قائل تھے۔ وہ نہ زاہد خشک تھے کہ مشائخِ طریقت سے نفرت کرتے، اور نہ جھوٹے تصوف کے دعویدار کہ علمائے شریعت سے بے زاری کا اظہار کرتے۔ جیسا کہ ان کے درج ذیل ملفوظات سے عیاں ہوتا ہے:

اگر کوئی شخص علما کی طرف دیکھے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، جو قیامت تک اس کے لیے بخشش مانگتا رہتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ”جس دل میں علما اور مشائخ کی محبت ہو، ہزار سال کی عبادت اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسی اثنا میں مرجائے تو اسے علما کا درجہ ملتا ہے اور اس مقام کا نام علیّین ہوتا ہے۔“

پھر فرمایا کہ فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علما سے آمد و رفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ تعالیٰ اس

---

(۳۴) دلیل العارفین، ص: ۲۴۔

کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھتا ہے۔ ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہو کر گزار دے۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ پہلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جو علما و مشائخ کو دیکھ کر ازروے حسد منھ پھیر لیتا۔ جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کا رخ قبلہ کی طرف کرنا چاہا لیکن نہ ہوا غیب سے آواز آئی، اس کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ اس نے دنیا میں علما و مشائخ سے رو گردانی کی ہے، اس لیے ہم اپنی رحمت سے اس کا منھ پھیر دیتے ہیں اور قیامت کے دن ریچھ کی صورت میں اس کا حشر کریں گے۔ (۳۵)

سنّتوں کا اہتمام:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اعمال میں سنّتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور اگر کبھی کسی وجہ سے کوئی سنّت ترک ہو جاتی تو حد درجہ پریشان ہو جاتے تھے، اور خود اپنے اصحاب کو بھی سنّتوں کی پابندی کرنے کی تلقین فرماتے۔ آپ کے خلیفہ اور چہیتے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان نے دلیل العارفین میں آپ کے ملفوظات جمع فرمائے ہیں۔ اسی میں لکھا ہے کہ ایک بار خواجہ صاحب نے حقوق اللہ اور حقوقِ رسول پر گفتگو کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

”سنو! اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنّت نبوی ادا نہیں کرتا اور تجاوز کرتا ہے وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔

پھر فرمایا کہ ”مسجد ککری میں اولیاے بغداد کے مقابل حاضر تھا اور گفتگو انگلیوں کے خلال کے بارے میں ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ وضو کرتے وقت انگلیوں کا خلال کرنا سنّت ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ میں نے صحابۂ کرام کو انگلیوں کا خلال کرنے کو کہا ہے۔ جو آب دست (کے بعد وضو) کے وقت انگلیوں کا خلال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی انگلیوں کو شفاعت سے محروم نہیں رکھے گا۔“

---

(۳۵) دلیل العارفین، ص:۲۲۔

پھر فرمایا کہ ''شیخ اجل شیرازی کے ہمراہ میں ایک مقام میں تھا اور شام کی نماز کا وقت تھا۔ حضرت خواجہ صاحب نیا وضو کرتے تھے۔ اتفاقاً آپ انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے۔ غیبی فرشتے نے آواز دی کہ اے اجل! تو ہمارے محمد (ﷺ) کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی امت بنتا ہے لیکن اس کی سنّت کو ترک کرتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ اجل نے قسم کھائی کہ اس وقت سے لے کر مرتے دم تک میں نے کوئی سنّت ترک نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ ''ایک مرتبہ میں نے خواجہ اجل شیرازی کو بہت متردّد پاکر حالت پوچھی۔ فرمایا کہ جس روز مجھ سے انگلیوں کا خلال سہواً ترک ہوا، میں فکر میں ہوں کہ یہ منھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے روز کیسے دکھاؤں گا۔''

پھر فرمایا: ''صلوۃ مسعودی میں بہ طریق ترغیب حضرت ابوہریرہ کی روایت کے مطابق فقہ سنّت میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنّت ہے۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنّت ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنّت ہے۔ اس پر زیادہ کرنا ستم ہے''۔

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ ''فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ صرف دو مرتبہ دھوئے۔ جب نماز ادا کر چکے تو اسی رات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمھارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب اس ہیبت سے جاگ پڑے، پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی اور کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعت بہ طور وظیفہ کے روزانہ ادا کی''۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ''حدیث شریف میں ہے کہ دایاں ہاتھ کھانا کھانے اور منھ دھونے کے لیے اور بایاں ہاتھ استنجا کرنے کے لیے ہے۔''

پھر فرمایا کہ ''جب آدمی مسجد میں آئے تو سنّت یہ ہے کہ پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے اور جب باہر نکلے تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ سفیان ثوری مسجد میں آئے اور بھول کر پہلے بایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔ آواز آئی کہ بیل بھی خانۂ خدا میں اسی طرح بے ادبی کے ساتھ گھس آتے ہیں۔ اسی روز سے آپ کو سفیان

ثوری کہا جانے لگا۔[٣٦]

عظمتِ قرآن کریم:

قرآن کریم، کلامِ الٰہی اور وحیِ ربّانی ہے، اس کی تعظیم در حقیقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، مشائخِ طریقت اور علماے امّت ہمیشہ اس کی عظمت کا لحاظ کرتے رہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ کو قرآن کریم سے والہانہ تعلق تھا، آپ برابر اس کی تلاوت کرتے اور اس کے آداب کا لحاظ فرماتے۔

دلیل العارفین کی پانچویں مجلس میں ہے کہ خواجہ صاحب نے عظمتِ والدین کے موضوع پر گفتگو فرمائی پھر ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن شریف دیکھنا ہے، اس واسطے کہ شرح اولیا میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص کلام اللہ شریف کی طرف دیکھتا ہے، یا پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے دو ثواب دو، ایک قرآن شریف پڑھنے کا، دوسرا قرآن شریف دیکھنے کا، اور ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں، بعد ازاں دعا گو نے التماس کی کہ مصحف شریف لشکر اور سفر میں لے جا سکتے ہیں، یا نہیں؟ فرمایا، اسلام کے شروع میں چوں کہ کفّار کا غلبہ تھا، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف ہم راہ نہیں لے جایا کرتے تھے۔

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ سلطان محمد غزنوی اَنار اللہ برھانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا، ایک رات میں ایک شخص کے یہاں مہمان تھا، ایک طاق میں قرآن شریف پڑا تھا، میں نے دل میں کہا کہ قرآن شریف یہاں ہے، میں کس طرح سوؤں گا، پھر کہا کہ قرآن شریف کسی اور مکان میں رکھ دیا جائے، پھر خیال آیا کہ اپنے آرام کی خاطر میں کیوں اسے باہر بھیجوں، موت کے وقت اسی کے عوض بخش دیا گیا۔

بعد ازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف کو دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے

---

(٣٦) دلیل العارفین، ص: ٣، ٤ ملخصًا

فضل وکرم سے اس کی بینائی زیادہ ہوجاتی ہے اور اس کی آنکھ کبھی نہیں دکھتی اور نہ خشک ہوتی ہے۔

پھر اسی موقع کے مناسب فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ سجادے پر بیٹھے ہوئے تھے، اور سامنے قرآن شریف رکھا تھا، ایک نابینا نے آکر التماس کی کہ میں نے بہت علاج کیے، مگر آرام نہیں ہوا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ میری آنکھیں ٹھیک ہوجائیں۔ میں آپ سے فاتحہ کے لیے ملتجی ہوں۔ اس بزرگ نے قبلہ رخ ہوکر فاتحہ پڑھی، اور قرآن شریف اٹھاکر اس کی دونوں آنکھوں پر مَسلا جس سے اس کی دونوں آنکھیں چراغ کی طرح روشن ہوگئیں۔

بعد ازاں فرمایا کہ میں نے جامع الحکایات میں لکھا دیکھا ہے کہ پہلے زمانے میں ایک فاسق جوان تھا، جس کی بدکاری سے مسلمانوں کو نفرت آتی تھی، کتنا بھی اسے منع کرتے لیکن ایک نہ سنتا۔ الغرض جب وہ مرگیا تو اسے خواب میں دیکھا کہ سر پر تاج رکھے، خرقہ پہنے فرشتوں کے ہم راہ بہشت میں جارہا ہے، اس سے پوچھا کہ تو تو بدکار تھا، یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی؟ جواب دیا کہ دنیا میں مجھ سے ایک نیکی ہوئی، وہ یہ کہ جہاں کہیں قرآن شریف دیکھ لیتا، کھڑے ہوکر بڑی عزت کی نگاہوں سے اسے دیکھتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بدولت بخش دیا اور یہ درجہ عنایت فرمایا۔[۳۷]

قرآن کریم کے ساتھ آپ کا والہانہ تعلّق صرف زبانی نہ تھا بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کا اظہار فرماتے تھے، آپ کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت سیّد میر عبدالواحد بلگرامی اپنی مشہور تصنیف "سبع سنابل" میں لکھتے ہیں:

"آپ کلام ربانی کے حافظ تھے، ہر دن اور ہر رات قرآن شریف ختم کرتے اور ہر مرتبہ جب قرآن ختم ہوتا تو ہاتف آواز دیتا کہ ہم نے تمھارا ختم قبول کیا۔"[۳۸]

سخاوت وفیاضی:

فقر و درویشی کے باوجود حضرت خواجہ کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا

---

(۳۷) دلیل العارفین، ص:۲۱، ۲۲۔
(۳۸) سبع سنابل شریف مترجم، ص:۴۳۷۔

بہتا تھا۔ مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غربا و مساکین سیر ہو جاتے تھے۔(۳۹) ایک موقع پر حضرت خواجہ غریب نواز نے فرمایا:

جو بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور دوزخ کے درمیان سات سو پردے حائل کر دے گا، جن میں سے ہر ایک پردہ پانچ سو سالہ راہ کے برابر ہوگا۔(۴۰)

پڑوسیوں کے حقوق کا لحاظ:

پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہم راہ ضرور تشریف لے جاتے۔ نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس ہو جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لیے موزوں ہیں، پڑھتے۔(۴۱)

غریبوں کی مدد:

حضرت خواجہ صاحب غریبوں اور پریشاں حالوں کی مدد بھی فرماتے تھے، اور اس کے لیے کوشش بھی کرتے تھے۔ اگر کوئی مظلوم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مدد کی فریاد کرتا تو آپ اسے محروم نہیں کرتے تھے، بلکہ اس پر ہونے والے ظلم کو دور کرانے اور اس کا حق اسے واپس دلانے کے لیے پوری جدوجہد فرماتے، اگرچہ اس کے لیے انھیں لمبا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار ایک کاشت کار نے خواجہ غریب نواز سے عرض کیا کہ حاکم نے میرے کھیت کی پیداوار ضبط کر لی ہے، کہتا ہے کہ جب تک شاہی فرمان نہ لاؤ گے، اس میں سے کچھ نہ پا سکو گے۔ لہٰذا حضرت کی امداد چاہتا ہوں۔ میری روزی کا وسیلہ صرف یہی کھیت ہے۔ آپ حضرت قطب صاحب کو لکھ دیں۔ وہ بادشاہ سے فرمان دلا دیں گے۔ اس درخواست پر حضرت خواجہ کسی کو مطلع کیے

---

(۳۹) سیر الاقطاب، ص: ۱۳۳، ۱۳۴۔

(۴۰) دلیل العارفین، ص: ۱۲۔

(۴۱) راحت القلوب، ص: ۴۰۔

بغیر کسان کو لے کر دہلی پہنچے۔ جب قطب صاحب نے تشریف آوری کی وجہ دریافت کی تو کسان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اس کے کام کے لیے آیا ہوں۔ قطب صاحب نے عرض کیا کہ حضور کا کوئی خادم بھی سلطان سے فرمان حاصل کر سکتا تھا، حضور کو زحمت سفر اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت غریب نواز نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے مگر مسلمان ذلت اور غربت کے وقت خدا کی رحمت سے قریب ہوتا ہے۔ جب یہ شخص میرے پاس آیا تھا، بہت رنجیدہ تھا۔ مجھے غیبی اشارہ ملا کہ کسی کے رنج و غم میں شریک ہونا عین بندگی ہے۔ ادائے بندگی کے لیے میں خود آیا ہوں۔

مرشد کامل کی خواہش کا احترام اور اس کی تعمیل حضرت قطب صاحب کا فرض عین تھا۔ چناں چہ آپ سلطان شمس الدین التمش شہنشاہ ہند کے پاس تشریف لے گئے جو آپ کا حد درجہ معتقد اور سعادت مند مرید تھا۔ اس نے بارگاہ قطب میں بارہا درخواست پیش کی تھی کہ قطب صاحب اس کاشانہ سلطانی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشیں اور سلطان کو میزبانی کا شرف اور خدمت کا موقع ملے، مگر مملکت فقر کے تاج دار کو دنیاوی بادشاہت اور اس کے فرماں روا سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔ اس لیے حضرت قطب صاحب نے نیاز مند سلطان کی دعوت پر کبھی قصر سلطانی کا رخ نہیں کیا اور نہ ہی شاہی ہدیے اور نذرانے قبول کیے۔

آپ جب کسی درخواست یا اطلاع کے بغیر شاہی محل میں تشریف لے گئے تو سلطان التمش کو مسرت کے ساتھ حیرت بھی ہوئی۔ آج اس کا بخت خفتہ جاگ اٹھا تھا۔ دیرینہ تمنا پوری ہو چکی تھی۔ جس کی وجہ سے حد درجہ مسرور تھا، مگر تعجب بھی تھا کہ حضرت کیسے اور کس کام کے لیے آئے ہیں۔ اس لیے اس نے دست بستہ آنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت قطب صاحب نے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سلطان نے فوراً ہی کاشت کار کے حق میں زمین داری کا استمراری فرمان تحریر کرا کے مرشد کامل کے حوالہ کیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک آراضی کا دستاویز حضرت خواجہ غریب نواز کے صاحب

زادے، حضرت خواجہ فخر الدین کے لیے بھی تحریر کرایا جس کی رو سے وہ اس زمین پر خود کاشت کاری کرتے اور اس کے ذریعہ سادہ زندگی کے لیے سامان فراہم کرتے۔

قطب صاحب نے کاشت کار کا استمراری فرمان حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کر دیا، اس طرح ایک معمولی کاشت کار کی خدمت بھی ہوگئی اور اہل دہلی کو حضرت خواجہ غریب نواز کی زیارت اور کسب فیض کا موقع بھی میسر آگیا۔ (۴۲)

خوش مزاجی:

آپ کبھی کسی پر غصّہ نہ ہوتے، خوش طبعی اور خوش مزاجی آپ کا شیوہ تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک خواجہ غریب نواز کی خدمت اقدس میں رہا، کبھی آپ کو ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔ سوائے ایک دن کے جب کہ آپ اپنے خادم شیخ علی کے ہم راہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور ایک شخص نے خادم کا دامن پکڑ کر سخت و سست کہنا شروع کر دیا۔ اس پر حضرت کو جلال آیا اور اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو نے دامن کیوں پکڑا؟ (پورا واقعہ کراماتِ حسی کے باب میں ملاحظہ کریں)

حضرت غریب نواز کی حِسّی کرامتیں:

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اصل کرامات، کرامات معنوی ہی ہیں جن پر خاص لوگوں کو آگاہی ہوتی ہے اور جن میں استدراج اور مکر کا دخل نہیں ہوتا۔ اب کراماتِ معنوی کے بعد کچھ کراماتِ حِسّی بھی ذکر کر دی جائیں جو عوام کو بھی محسوس ہوتی ہیں۔ کراماتِ معنوی کے ثبوت کے بعد کراماتِ حِسّی بلا شبہہ ولایت کی دلیل یا دلیل بالائے دلیل ہے۔

دلوں پر تصرف:

سیکڑوں اولیاے حق سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ ان کے اپنے کسی قول،

---

(۴۲) سلطان الہند غریب نواز، ص: ۱۱۲ تا ۱۱۴ ملخصًا۔

یا عمل، یا صرف نظر ڈالنے سے وہ اثر ہوا جو سیکڑوں کتابیں پڑھنے یا وعظ اور نصیحتیں سننے سے بھی نہ ہوا، کبھی ایسا ہوا کہ جن بستیوں یا مجلسوں میں لوگ ان سے نفرت وعداوت رکھتے تھے، جب ان مقدس ہستیوں نے وہاں قدم رکھے تو ان کی نفرتیں اور عداوتیں محبت وعقیدت میں تبدیل ہوگئیں اور کبھی فوراً اس طرح کی وارفتگی تو نظر نہ آئی لیکن تھوڑی سی فہمائش کے بعد لوگ راہِ راست پر آگئے۔ اور اگر شقاوتِ ابدی ہی ان کا مقدّر تھی تو وہ ان اہل اللہ کے غضب وجلال کا نشانہ بن کر اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کے روحانی تصرّفات کا صُدُور بار بار ہوا۔ جب آپ بخارا سے تبریز، اصفہان، ہرات ہوتے ہوئے سبزہ وار پہنچے جہاں کا حاکم یادگار محمد تھا جو متعصب شیعہ تھا۔ وہ اتنا متشدّد تھا کہ اس کی قلم رو میں جو شخص اپنے بیٹوں کا نام ابوبکر، عمر، عثمان رکھتا اسے وہ قتل کر دیتا، شہر سے باہر اس کا ایک پُرفضا باغ تھا۔ حضرت خواجہ اسی باغ میں وارد ہوئے اور حوض کے کنارے یادالٰہی میں مصروف ہوگئے، یادگار محمد جو ترش مزاجی اور بدخلقی میں مشہور تھا، جب بغرض تفریح باغ میں آیا تو باغ میں ایک اجنبی درویش کو دیکھ کر چیں بہ جبیں ہوا اور تکلیف دینے کا ارادہ کیا۔ حضرت کی نگاہ جوں ہی اس پر پڑی پاؤں میں لغزش ہوئی، بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ حضرت خواجہ نے اس کے منھ پر پانی چھڑکا، ہوش آیا تو دل کی دنیا بدل چکی تھی، عقیدہ کا فساد رخصت ہو چکا تھا، دل ودماغ شقاوت وظلم کی تاریکی سے نکل کر صلاح و تقویٰ کی فضا میں پہنچ چکے تھے، چناں چہ وہ اپنے اعیان وامرا کے ساتھ بدعقیدگی سے تائب ہوکر حضرت خواجہ کا مرید ہوگیا، اور اپنی ساری دولت اور خزانہ حضرت کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت خواجہ نے قبول نہ کیا اور فرمایا جو مال ظلم وتعدّی سے حاصل کیا گیا ہے، وہ اس کے اصل مالکوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چناں چہ اس نے ایسا ہی کیا اور اپنے لونڈی، غلام آزاد کر دیے۔ چند ایام حضرت کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہر وباطن کی تکمیل کر لی، حضرت خواجہ نے اسے اپنا خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ اب وہ سبزہ وار کی ظاہری

وباطنی سلطنت کا امیر بن چکا تھا۔

سبزہ وار سے حضرت خواجہ بلخ پہنچے جہاں کچھ دنوں شیخ احمد خضرویہ کے یہاں قیام فرمایا۔ بلخ میں ان دنوں ایک بہت بڑا نامی گرامی حکیم اور فلسفی شخص رہتا تھا جسے مولانا ضیاء الدین حکیم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسے تمام علوم ظاہری بالخصوص فلسفہ و حکمت میں بڑا تجربہ حاصل تھا، وہ تصوف اور اہل تصوف سے کافی متنفر تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ تصوف محض ایک ہذیان ہے اور صوفیہ عقل و تمیز سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ بلخ کے مضافات میں اس کا ایک پر فضا باغ تھا جس میں اس کا ایک مدرسہ تھا جہاں وہ اپنے شاگردوں کو فلسفہ و حکمت کا سبق پڑھایا کرتا تھا۔

حضرت غریب نواز کا معمول تھا کہ تیر و کمان، چقماق اور نمک دان ہمیشہ اپنے پاس رکھتے، تاکہ شدید اشتہا کے وقت جنگل میں کسی جانور کا شکار کر کے اسے بھون کر تناول فرمالیں۔ ایک روز حضرت کا گذر اس علاقہ سے ہوا، جہاں حکیم ضیاء الدین کا باغ اور اس کی درس گاہ حکمت تھی۔ آپ نے کلنگ کا شکار کیا، خادم کو حکم دیا کہ اسے بھون کر تیار کرے اور خود نماز پڑھنے لگے۔ اسی اثنا میں منکر حقیقت ضیاء الدین آنکلا، دیکھا کہ ایک درویش مصروف نماز ہے اور اس کا خادم کلنگ بھون رہا ہے۔ جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے خادم نے بھنا ہوا پرندہ پیش کیا۔ حکیم ضیاء الدین بھی پاس ہی بیٹھ گیا۔ حضرت نے بسم اللہ پڑھ کر ایک ران ضیاء الدین کو عطا کر دی اور دوسری ران خود تناول فرمانے لگے، ضیاء الدین گوشت کھاتے ہی بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش آیا تو دنیا بدل چکی تھی، فلسفہ و حکمت کے اسرار و رموز کا رنگ صاف ہو چکا تھا، اہل حال درویش اور صاف باطن صوفیہ سے انکار و تنفُّر کے جذبات محو ہو چکے تھے۔ قلب و روح کی گہرائی سے حضرت خواجہ کا معتقد بن چکا تھا، حضرت خواجہ کا مرید ہوا، مکان پہنچ کر حکمت کی تمام کتابیں دریا میں ڈال دیں، علوم باطن کے شغف نے اسے مرد کامل بنا دیا اور اسرار الٰہی اس پر منکشف ہوگئے، سارے دنیاوی علائق سے علیحدگی اختیار کر لی اور شب و روز ذکر و فکر کو اپنا شیوہ بنا لیا، یہ انقلاب حضرت کی نگاہ التفات کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

حکیم ضیاء الدین اور اس کے فلسفہ زدہ شاگردوں کا حضرت خواجہ غریب نواز کے حلقہ گوشوں میں داخل ہوجانا بڑا غیر معمولی واقعہ تھا، جس نے پورے بلخ اور اطراف و جوانب میں آپ کی عظمت کی دھوم مچادی۔ جس نے سنا قدم بوسی کے لیے حاضر بارگاہ ہوا، جوق در جوق لوگوں کی آمد کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ فلسفیانہ عقل پرستی سے تائب ہوکر حکیم ضیاء الدین نے عبادت و ریاضت کو اپنا معمول بنالیا، مرشد کامل نے مدارج سلوک طے کرائے اور رموز ظاہری و باطنی کی تعلیم دی، خرقہ درویشی پہنا کر اپنا جانشین بنادیا، اس علاقہ میں ہدایت خلق پر مامور فرمایا اور وہاں سے عازم سفر ہوئے۔ (۴۳)

دلوں کے حالات سے آگاہی:

شرعی احکام کی پابندی، اخلاص اور تقویٰ وطہارت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بہت سے اولیا کو روشن ضمیر بنادیتا ہے۔ وہ دلوں کے خطرات سے آگاہ ہوجاتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے اُس محبوب بندے کی حفاظت کا بھی سامان کرتا ہے۔

ایک بار ایک شخص حضرت خواجہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ کو اس کا علم نور باطن سے ہوگیا۔ وہ شخص جب نزدیک آیا تو حضرت خواجہ صاحب بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، سر جھکا کر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اس کی سزا دیجیے، بلکہ میرا کام ہی تمام کردیجیے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں۔ تم نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے، یہ کہہ کر اس کے لیے دعائیں کیں، وہ شخص بہت متاثر ہوا، اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا، حضرت خواجہ کی دعاؤں

(۴۳) سلطان الہند غریب نواز، ص: ۹۳ تا ۹۵ ملخصاً۔

کی بدولت اس کو پینتالیس بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی، اور اسی مقدس سرزمین میں پیوند خاک بھی ہوا۔[۴۴]

پیشین گوئی:

کبھی اللہ تعالیٰ اپنے محبوبانِ بارگاہ کا دل اپنی معرفت کے انوار سے اس طرح روشن فرمادیتا ہے کہ وہ آئندہ زمانے میں ہونے والی چیزوں کو جان لیتے ہیں، اور حسبِ موقع انھیں بیان بھی کردیتے ہیں۔

اس طرح کی روشن ضمیری رکھنے والے اولیاے کرام کے بے شمار واقعات تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں جابجا ملتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بارگاہِ خداوندی سے ایسی روشن ضمیری عطا ہوئی تھی کہ آپ مستقبل کی باتوں سے آگاہ ہوجاتے تھے اور مناسب سمجھتے تو اس کا اظہار بھی فرمادیتے تھے۔ مدینہ منورہ سے حضرت غریب نواز بغداد تشریف لائے جہاں وقت کے مشائخ سے صحبتیں رہیں۔ بغداد کے دوران قیام ایک دن خواجہ غریب نواز، شیخ اوحدالدین، شیخ شہاب الدین سہروردی اور قطب الدین بختیار کاکی ایک مجلسِ خیر میں تھے، انبیاے کرام کا ذکر ہورہا تھا کہ سامنے سے شمس الدین التمش جس کی عمر اس وقت بارہ سال تھی ہاتھ میں ایک پیالہ لیے جارہا تھا، جب بزرگوں کی نگاہ اس پر پڑی تو حضرت غریب نواز نے فرمایا، یہ لڑکا جب تک دہلی کا بادشاہ نہ ہوگا، خدا اسے دنیا سے نہ اٹھائے گا۔

شمس الدین التمش ایک ترکی غلام تھا جس نے سلطان قطب الدین ایبک کی ماتحتی میں رہ کر اچھے اچھے کارنامے انجام دیے۔ جس سے خوش ہوکر قطب الدین نے اپنی لڑکی کا اس سے کا نکاح کردیا اور بیانہ کا حاکم بنادیا۔ شہنشاہ قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے آرام شاہ کو لاہور میں بادشاہ بنایا گیا، لیکن وہ ایک ہی

---

(۴۴) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص:۶۵،۶۶۔

سال میں معزول ہوگیا۔ پھر ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں التمش کو آرام شاہ کی جگہ تمام ارکانِ سلطنت کے اتفاق رائے سے دہلی کے تخت پر بٹھایا گیا۔ التمش نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ سلطنت کی، اور باغیوں اور دشمنوں کی سرکوبی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس نے اپنے دورِ حکم رانی میں سندھ، رنتھمبور، گوالیار اور مالوہ کی ریاستوں پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ (۴۵)

اس طرح حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی۔

ایک بار حضرت کے ایک مرید کو رائے پتھورا نے ستایا۔ مرید نے راجا کے ناقابلِ برداشت مظالم کی شکایت حضرت خواجہ کی بارگاہ میں پیش کی، حضرت نے کسی شخص کو راجا کے پاس بھیجا اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد سے باز رہنے کا حکم دیا، حضرت کی ہدایت اسے سخت ناگوار گزری۔ اس نے سخت غضب ناک ہوکر کہا، کیا ہی اچھا ہو جو یہ فقیر یہاں سے چلا جائے، یہ بات ہر شخص سے کہتا رہتا، یہ شخص یہاں آکر غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب راجا کے اس گستاخانہ قول کی خبر حضرت کو ملی تو آپ نے غضب ناک ہوکر ارشاد فرمایا: ”پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم“ ہم نے رائے پتھورا کو زندہ گرفتار کیا اور دے دیا۔

یہ پیشین گوئی ہندستان میں سیاسی و تاریخی لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے، جس کا اندازہ ہندستان میں مسلمانوں کی جنگی سرگرمیوں کے پس منظر میں لگایا جاسکتا ہے اور ”گرفتیم و دادیم“ کی معنویت واضح ہو سکتی ہے۔

جب ترائن کی پہلی جنگ میں شہاب الدین غوری کو شکست ہوئی، وہ غزنی پہنچ کر جنگی تیاریوں میں مصروف ہوگیا، اس نے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی جمع کر لیے مگر وہ ابھی ہندستانی راجاؤں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ ہوسکا تھا کہ ایک رات اس نے خواب میں ایک نورانی صورت بزرگ کو دیکھا جو فرما رہے ہیں: خداوند تعالیٰ تم کو ہندستان کی بادشاہت عطا کرنے والا ہے، تم اس ملک کی طرف توجہ کرو، خواب میں اس بشارت عظمیٰ کو سننے کے

---

(۴۵) مختصر تاریخ ہند، ص: ۴۷، ۴۸۔

بعد اس کے حوصلوں کو قوت ملی اور اسے یقین ہو گیا کہ فتح اب اس کے قدم چومے گی۔ شکست کا بدنما داغ جو دامن عزت پر لگا ہے، دھل جائے گا۔ وہ اپنا لشکر لے کر ترائن پہنچا، جہاں اس کو تین لاکھ راجپوتوں کے مقابلہ میں شاندار فتح حاصل ہوئی۔

ترائن کی فتح پورے ہندستان پر مسلمانوں کی فتح واقتدار کا باب اوّل ثابت ہوئی اور جلد ہی دہلی میں مسلمانوں کی ایک مستحکم مرکزی سلطنت قائم ہوگئی۔ دوسری طرف ترائن میں شکست فاش کے بعد راجپوتوں کی سیاسی عظمت اور چوہانوں کے اقتدار کے تانے بانے بکھر گئے، راجپوت راجاؤں کی شکست کے اثرات صرف اجمیر اور دہلی ہی تک محدود نہ رہے بلکہ پورے ہندستان میں مسلمانوں کی حربی قوت کا سکہ بیٹھ گیا۔

تسخیر ہند کی سرگرمیاں جو محمد بن قاسم کے حملہ ۹۲ھ/۷۱۱ء سندھ سے شروع ہوتی ہیں، ان کی نتیجہ خیز تکمیل ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں ترائن کی فتح سے ہوتی ہے۔ اندرون ہند کی فتوحات اور قیام اقتدار کا فتح باب حضرت خواجہ کے روحانی فیوض وبرکات ہی کا کرشمہ ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب حضرت خواجہ نے اجمیر کو اپنی روحانی راجدھانی بنالیا اور ظلمت کدۂ ہند میں ان کی تبلیغی جدوجہد سے نور ہدایت پھیلا، تب جاکر کہیں مسلمان فاتحین کے لیے اندرون ہند فتوحات آسان ہوئیں اور ان علاقوں پر ان کے اقتدار وسطوت سلطانی کی گرفت مضبوط ہوئی، چناں چہ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

"ایں فتح بموجب راندن نفس مبارک رحمان آں قطب ربانی نمود" (منتخب التواریخ، ج: ۱، ص: ۵۰) یہ فتح حضرت قطب ربانی کی برکتوں سے ہوئی۔

ترائن کی تاریخی فتح کے بعد شہاب الدین غوری، سرستی، ہانسی، سمانا، کہرام کے مشہور قلعوں کو فتح کرتا ہوا دارالخیر اجمیر میں وارد ہوا، جس وقت شہاب الدین اجمیر کے کوہستانی علاقے میں داخل ہوا تو شام ہو چکی تھی۔ مغرب کا وقت تھا، اچانک ایک پہاڑی کی اوٹ سے اذان کی آواز آنے لگی۔ وہ متحیر ہوا اور دریافت کرنے لگا، یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک فقیر کچھ دنوں سے یہاں تشریف لائے ہیں، یہ آواز وہیں سے آرہی ہے۔ شہاب الدین آواز کی رخ پر چل پڑا۔ دیکھا تو اہل اللہ کی ایک جماعت بارگاہ

الٰہی میں صف بستہ ہوکر فریضہ نماز ادا کر رہی ہے۔ وہ بھی جماعت میں شامل ہوگیا، خواجہ غریب نواز امامت فرمارہے تھے۔ جب نماز ختم ہوئی تواچانک شہاب الدین غوری کی نگاہ خواجہ غریب نواز پر پڑی۔ یہ دیکھ اسے حیرت و مسرت ہوئی کہ یہ تووہی بزرگ ہیں جنہوں نے اسے فتح و کامرانی کی بشارت دی تھی۔ وہ اپنے جذبات عقیدت و محبت کو ضبط نہ کرسکا، حضرت خواجہ غریب نواز کے قدموں پر گر پڑا اور دیر تک روتا رہا۔ جب رونے سے فارغ ہوا تو حضرت خواجہ کی خدمت عالی میں مؤدب بیٹھ گیا اور اپنی قلبی خواہش کا اظہار کیا کہ حضور اس غلام کو مریدی کے شرف سے نوازیں، حضرت خواجہ نے درخواست قبول فرمائی اور حلقہ ارادت میں شامل کرلیا۔[۴۶]

بے شمار غیر مسلموں کا دائرۂ اسلام میں داخلہ:

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے روحانی تصرّف سے نہ معلوم کتنے تیرہ دلوں کو ایمان واسلام کی روشنی نصیب ہوئی اور وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوکر اللہ و رسول کے اطاعت شعار، وفادار بندے بن گئے۔ آپ کی حیاتِ طیّبہ میں اس طرح کے واقعات بارہا پیش آئے۔

انھیں میں سے ایک واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ نے دورانِ سفر سمانا سے دہلی کا رخ کیا اور دہلی پہنچ کر آپ نے راج محل کے سامنے قیام فرمایا۔ قریب ہی بڑا بت خانہ تھا، ایک مسلمان درویش کی اقامت عام لوگوں کو ناگوار ہوئی، مگر آپ کے روحانی رعب و جلال کی وجہ سے کسی بے دین کو اذیت پہنچانے کی جرأت نہ ہوئی۔ شہر کے معززین اور مندر کے پجاریوں کا ایک وفد حاکم دہلی کھانڈے راو کے پاس آیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ان مسلمان درویشوں سے دیوتا ناراض ہورہے ہیں۔ اگر ان کو اولین فرصت میں شہر بدر نہ کیا گیا تو دیوتاؤں کا قہر سلطنت کو تباہ کردے گا۔ توہّم پرست کھانڈے راو نے احمقوں کی بات مان لی، چند کارندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت خواجہ کو دہلی سے نکال دیں۔ جب راو کے

---

(۴۶) سلطان الہند غریب نواز، ص:۱۰۸تا۱۱۰ ملخصًا۔

آدمی حضرت کے پاس آئے اور گفتگو ہوئی تو یہ کارندے حضرت کے اخلاق اور سادہ و مؤثر نصیحتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے راجپوت مسلمان ہو گئے اور آپ کی بزرگی و کرامت کا چرچا سن کر لوگ جوق در جوق آنے لگے اور اسلام کا نور پھیلنے لگا اور مسلمانوں کا ایک وسیع حلقہ بن گیا۔ حضرت خواجہ کی منزل مقصود اجمیر تھی، اس لیے اپنے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کو دہلی میں خلق خدا کی ہدایت کے لیے چھوڑ کر عازم اجمیر ہوئے۔

اجمیر پرتھوی راج کا پایۂ تخت تھا۔ دہلی اور دوسرے علاقے اس کے ماتحت تھے۔ اس لحاظ سے اجمیر ان دنوں ایک عظیم و مستحکم مرکز بن گیا تھا۔ حضرت خواجہ اس علاقے کو کفر و شرک سے خالی کر کے ایمان و اسلام کی روحانی قلم رو کا پایۂ تخت بنانا چاہتے تھے۔ (۴۷)

حضرت خواجہ جب دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راستے میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ (۴۸)

جب آپ اجمیر تشریف لائے اور اہل اجمیر کے سامنے آپ کی روحانی قوتوں اور باطل شکن کرامتوں کا ظہور ہونے لگا تو اہل اجمیر کے دلوں پر آپ کی روحانی عظمت و قوت کا سکہ بیٹھ گیا اور وہ آپ کی دعوت و تبلیغ، کشف و کرامت اور باطنی قوت سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان اسلام قبول کرنے والوں میں عام لوگ بھی تھے اور اجمیر کے راجا رائے پتھورا کے ملازمین بھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو "سیر الاولیا، ص:۴۶" اور "اخبار الاخبار، ص:۲۲" میں مذکور ہے کہ ایک روز راجا نے آپ کے ایک مسلمان عقیدت مند کو کسی وجہ سے ستایا، وہ بے چارہ آپ کے پاس فریاد لے کر پہنچا۔ آپ نے اس کی سفارش میں پتھورا رائے کے پاس ایک پیغام بر بھیجا، لیکن اس نے آپ کی سفارش قبول نہ کی اور کہنے لگا کہ یہ شخص یہاں آکر بیٹھ گیا ہے اور غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب خواجہ اجمیری کو یہ بات معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ ہم نے پتھورا کو

---

(۴۷) سلطان الہند غریب نواز، ص:۹۷، ۹۸۔

(۴۸) دعوت اسلام مترجم از عنایت اللہ، ص:۳۰۱۔

زندہ گرفتار کر کے حوالے کر دیا، اسی زمانہ میں سلطان معزالدین سام عرف شہاب الدین غوری کی فوج غزنی سے پہنچی، پتھورا، لشکر اسلام سے مقابلہ کے لیے آیا اور سلطان معزِ الدین (معروف بہ شہاب الدین غوری) کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا، اسی تاریخ سے اس ملک میں اسلام پھیلا اور کفر کی جڑیں کٹ گئیں۔

سیّد محمد بن مبارک کرمانی فرماتے ہیں:

''بہ وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود، ظلمت ایں دیار بہ نور اسلام روشن و منور گشت''۔[۴۹]

(ترجمہ: اہل یقین کے اس آفتاب عالم تاب کے قدومِ میمنت لزوم سے جو کہ صحیح معنوں میں ''معین الدین'' (دین کا حامی و ناصر) تھے، اس سرزمین سے کفر کی تاریکیاں چھٹ گئیں، اور ہر طرف اسلام کا اجالا پھیلا گیا۔)

آئین اکبری میں ہے:

''عُزلت گزیں بہ اجمیر شد و فراواں چراغ برافروخت واز دمِ گیرا اے او گروہا گروہ بہرہ ور گرفتند''۔[۵۰]

(ترجمہ: آپ نے اجمیر میں گوشہ نشینی اختیار کی، اور (معرفت کے) بہت سے چراغ روشن فرمائے اور آپ کے دم قدم سے بہت سے لوگ جوق در جوق اس سے بہرہ ور ہوئے۔)

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

''ہزار در ہزار، از صغار و کبار، بہ خدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ شرف اسلام و ارادت آں حضرت شدند بہ حدے کہ چراغ اسلام در ہند بہ طفیل ایں خاندان عالی شان روشن گشت''۔[۵۱]

(ترجمہ: ہزاروں ہزار چھوٹے بڑے لوگ اس محبوب کردگار کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کے شرف اور آپ کی ارادات سے مشرّف ہوئے، یہاں تک کہ اسلام کا

---

(۴۹) سیر الاولیا، ص:۵۷۔
(۵۰) آئین اکبری، ج:۳، ص:۱۶۸۔
(۵۱) خزینۃ الاصفیا، ج:۱، ص:۲۵۹۔

چراغ ہندستان میں اسی بلند مرتبہ خانوادہ کی وجہ سے روشن ہوا۔)

صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں:

"بیش تر کفّارِ نام دارِ ازاں دیار، بہ برکتِ آثارآں زبدۃ الاسرار، بہ تشریف ایمان مُشرّف شدند۔ و بیش ترے کہ ایمان نیامدند نذور وفتوحِ بے حد وعد، بہ حضرتِ ایشاں می فرستادند، کہ ہنوز آں کفّار بداں مَرقَد معتقدانہ ہر سالے می آیند، وسر بر خاکِ آں آستانہ عظیم القدر وآں بدرِ سپہرِ مشیخت می نہند، ومبلغ ہاے کل بہ مُجاوِرانِ روضہ مطہرہ ایشاں می رسانند، وخدمتے بجامی آرند"۔ (۵۲)

(ترجمہ: اس دیار کے اکثر نام ور کفّار اس زبدۃ الاسرار ذات کی برکتوں سے ایمان واسلام سے مُشرف ہوئے اور بہت سے ایسے کفّار جو اسلام نہ لا سکے، بے حد وحساب نذرانے اور فتوحات (عقیدت کے ساتھ) حضرت کی بارگاہ میں بھیجتے ہیں، اور اب تک یہ کفّار اسی طریقے پر عقیدت رکھتے ہیں۔ ہر سال مزار پر حاضری دیتے ہیں اور اِس عظیم المرتبت ہستی اور اِس آسمانِ مشیخت کے ماہِ کامل کے آستانے کی خاک سر پر رکھتے ہیں اور بہت سی نقد رقم روضۂ پاک کے مُجاوِروں کو پیش کرتے ہیں، اور خدمت بجالاتے ہیں)

ہاتھ خشک ہوگیا:

ایک مرتبہ حضرت خواجہ کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ خادم شیخ علی ہم راہ تھا، کسی نے خادم کا دامن پکڑ کر سخت وسست کہنا شروع کر دیا۔ حضرت پیر و مرشد نے فرمایا: کیا بات ہے؟ تو نے دامن کیوں پکڑا اور کیوں برا بھلا کہا؟ اس شخص نے عرض کیا: حضرت یہ میرا مقروض ہے، قرض ادا نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، تمھارا قرض ادا کر دے گا۔ وہ نہ مانا۔ اس پر حضرت پیر و مرشد کو غصہ آگیا۔ فوراً اپنی چادر مبارک زمین پر ڈال دی، فرمایا اس چادر کے نیچے سے جتنا تیرا قرض ہے لے لے، خبردار زیادہ لینے کی کوشش نہ

(۵۲) سیر العارفین، ص:۱۳۰۔

کرنا، اس آدمی نے قرض سے زیادہ روپیہ اٹھایا، اسی وقت اس کا ہاتھ خشک ہوگیا۔ (۵۳)

ہر رات کعبہ شریف کی زیارت کے لیے جانا:

آپ ''حجۃ اللہ علی العالمین'' کے حوالے سے یہ پڑھ چکے کہ کچھ اولیاے کرام کے لیے زمین سمیٹ دی جاتی ہے تو لمبی مسافت کو تھوڑی ہی دیر میں طے کر لیتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ سے بھی اس طرح کی کرامت منقول ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ ہر سال اجمیر سے خانہ کعبہ جایا کرتے تھے لیکن جب آپ درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو جو حاجی حج کے لیے جایا کرتے تھے وہ آپ کو وہاں پاتے، حالاں کہ آپ گھر میں گوشہ نشیں ہوا کرتے، آخر معلوم ہوا کہ خواجہ معین الدین ہر رات خانہ کعبہ جاتے تھے اور رات وہاں بسر کرتے تھے اور صبح کی نماز باجماعت اپنے گھر میں ادا کرتے تھے۔ (۵۴)

اپنی گدڑی سے جَو کی روٹیاں نکالنا:

خود خواجہ معین الدین چشتی ایک مجلس کا تذکرہ فرماتے ہیں جس میں خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ اوحدالدین کرمانی اور خود (خواجہ غریب نواز) بھی موجود تھے۔

گفتگو اس بارے میں شروع ہوئی کہ جو شخص اس مجلس میں ہے، وہ اپنی کرامت دکھائے۔ یہ سنتے ہی خواجہ عثمان ہارونی نے مصلے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور مٹھی بھر اشرفیاں نکال کر ایک درویش کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درویشوں کے لیے حلوہ لاؤ، شیخ اوحدالدین نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک لکڑی پر ہاتھ مارا تو فوراً ہی وہ لکڑی سونا بن گئی، میں (خواجہ غریب نواز) پیچھے رہ گیا جو پیر و مرشد کی وجہ سے کوئی کرامت ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ شیخ ہارونی نے میری طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا تم کوئی

---

(۵۳) معین الارواح، ص:۱۱۴، اسرار الاولیا مترجم، ص:۱۱۶۔

(۵۴) فوائد السالکین، ص:۲۶۔

کرامت کیوں نہیں دکھاتے؟ اس مجلس میں ایک بھوکا درویش تھا جو شرم کی وجہ سے سوال نہیں کرتا تھا، میں نے اپنی گدڑی میں سے جو کی چار روٹیاں نکا کر دے دیں۔ اس درویش اور خواجہ محمد عارف نے فرمایا کہ درویش میں جب تک کرامت کی قوت نہ ہو، اسے درویش کہنا درست نہیں۔ (۵۵)

راجا کے اونٹوں کا اپنی جگہ بیٹھے رہ جانا:

جب حضرت خواجہ غریب نواز کا نورانی قافلہ اجمیر پہنچا تو آپ نے شہر سے باہر ایک سایہ دار مقام پر قیام پذیر ہونا چاہا، راجا کے ملازمین نے روکتے ہوئے کہا: آپ یہاں قیام نہیں کرسکتے، اس لیے کہ یہاں ہمارے راجا کے اونٹ بیٹھے ہیں، حضرت کو ناگوار گذرا۔ فرمایا میں یہاں سے جاتا ہوں، تمھارے اونٹ بیٹھے ہی رہ جائیں گے۔ یہ فرما کر آپ کھڑے ہوگئے اور اناساگر کے پاس تشریف لائے، جہاں اس وقت بت خانوں کی کثرت تھی، آپ نے ایک بلند مقام پر (جو اس وقت حضرت کی چلہ گاہ کے نام سے موسوم ہے) قیام فرمایا۔ جب شام ہوئی راجہ کے اونٹ حسب معمول اپنی جگہ پر آئے اور بیٹھ گئے، حضرت کے ارشاد کے مطابق ایسے بیٹھے کہ بیٹھے ہی رہ گئے، اٹھانے پر بھی نہ اٹھے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے سینے زمین سے چپک گئے ہوں۔ صبح کے وقت جب شتربانوں نے اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو وہ اٹھ نہ سکے، اس بات نے انھیں سخت حیرانی میں مبتلا کردیا، انھوں نے مشورہ کیا اور اس بات پر اتفاق کیا کہ کل ہم نے جس فقیر کو یہاں ٹھہرنے نہ دیا اس کی بددعا لگ گئی ہے، پھر وہ سب کے سب حضور کی خدمت میں آئے اور معذرت خواہ ہوئے، حضرت نے ازراہ شفقت ارشاد فرمایا، جاؤ بارگاہ الٰہی سے تمھارے اونٹوں کے اٹھنے کا حکم ہو چکا ہے، جب یہ شتربان اونٹوں کے گلہ میں پہنچے، یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ سارے اونٹ از خود کھڑے ہوگئے۔ (۵۶)

---

(۵۵) دلیل العارفین، مجلس نہم، ص: ۴۲۔

(۵۶) خزینۃ الاصفیا، ج:۱، ص: ۲۶۸۔

جوگی جے پال کا قبولِ اسلام:

پہلے گزر چکا ہے کہ جس زمانے میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر تشریف لائے، اس وقت اجمیر اور دہلی کا حکمراں چوہان خاندان کا مشہور راجا رائے پتھوار تھا اس کے مقربین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب انھوں نے حضرت خواجہ کی عظمت و کرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاچار پایا تو ہند و جوگیوں کو خواجہ کو مغلوب کرنے کے لیے مامور کیا، ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے، لیکن حضرت خواجہ اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے، اور اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا، اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔ (۵۷)

بعد وصال کی کرامتیں

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ سے جس طرح ان کی حیات میں گونا گوں کرامتوں کا ظہور ہوا، اسی طرح بعدِ وصال بھی آپ سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں۔ ان کرامتوں سے جہاں کسی بندۂ خدا کا کام بنا، وہیں بارگاہِ خداوندی میں آپ کے رتبے اور عزت وکرامت کا اظہار بھی ہوا اور دیکھنے والے اہلِ ایمان کے ایمان ویقین میں مزید رسوخ اور پختگی کا سامان بھی ہوا۔ ذیل میں اس طرح کی کچھ کرامتیں پیش کی جارہی ہیں۔

۱- آستانۂ غریب نواز بیماروں کے لیے شفاخانہ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

حضرت خواجہ کے مزار سے بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں،

(۵۷) خزینۃ الاصفیا، ج:۱، ص:۲۹۵، روضۃ الاقطاب، ص:۳۲۔

مولانا برکات احمد مرحوم جو میرے پیر بھائی ہیں اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ہندو کے سر سے پیر تک پھوڑے تھے، اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر تھے۔ ٹھیک دوپہر کو آتا اور درگاہ شریف کے سامنے گرم کنکروں اور پتھروں پر لوٹتا اور کہتا ''خواجہ اگن لگی ہے'' تیسرے روز میں نے دیکھا کہ بالکل اچھا ہوگیا۔

۲-غریب نوازی:

بھاگل پور سے ایک صاحب ہر سال اجمیر شریف حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک وہابی رئیس سے ملاقات تھی۔ اس نے کہا میاں ہر سال کہاں جایا کرتے ہو۔ بے کار اتنا روپیہ صرف کرتے ہو۔ انھوں نے کہا چلو اور انصاف کی آنکھوں سے دیکھو پھر تم کو اختیار ہے، خیر ایک سال وہ ساتھ میں آیا۔ دیکھا کہ ایک فقیر سونٹا لیے روضہ شریف کا طواف کررہا ہے اور یہ صدا لگا رہا ہے: خواجہ پانچ روپئے لوں گا اور ایک گھنٹہ کے اندر لوں گا اور ایک شخص سے لوں گا۔ جب اس وہابی کو خیال ہوا کہ اب بہت وقت گذر گیا ایک گھنٹہ ہوگیا ہوگا اور اب تک اسے کسی نے کچھ نہ دیا، جیب سے پانچ روپئے نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھے اور کہا لو، میاں تم خواجہ سے مانگ رہے تھے، بھلا خواجہ کیا دیں گے لو ہم دیتے ہیں، فقیر نے وہ روپئے تو جیب میں رکھے اور ایک چکر لگا کر زور سے کہا، خواجہ توری بلہاری جاؤں دلوائے بھی تو کیسے خبیث منکر سے۔ (۵۸)

ان صفحات کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان المشائخ خواجۂ خواجگاں حضرت سیّد خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کو گوناگوں کرامتوں سے نوازا تھا، اور ان سب میں اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایتوں کے ساتھ آپ کے اخلاصِ عمل، سنّت و شریعت کی پابندی کا بھی بہت دخل تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ کی

(۵۸) الملفوظ حصہ سوم، ص:۴۷، قادری مشن بریلی شریف۔

عنایتیں اس بندے کی طرف کچھ زیادہ متوجہ ہوتی ہیں جو احکامِ شرع کا عامل اور سنّت وشریعت کا پابند ہو۔ اسی بنیاد پر سارے مشایخ کرام اور رہ روانِ طریقت نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اولیاے ہند میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے بلند و بالا ہے، اور آپ ''سلطان الہند'' ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کو خود بارگاہِ رسالت سے ''قطب المشایخین'' کے لقب کی خوش خبری ملی۔[۵۹]

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے آپ کو ''ملک المشایخ، سلطان السالکین، منہاج المتّقین، شمس الفقراء، ختم المہتدین'' کے القاب سے یاد کیا۔[۶۰]

اب آخر میں انھیں اشعار سے آپ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں جو سیر العارفین کے مصنف نے آپ کی شان میں لکھے ہیں:

آں شہنشاہ جہان معرفت | ذات او بیروں زادراک وصفت
خسرو ملک، آفتاب تخت و تاج | از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرقِ بحرِ عشق از صدق وصفا | از خودی بیگانہ ، باحق آشنا
کردہ مرغ ماتمش زاوج کمال | بیضۂ افلاک را در زیر بال
اخترِ برجِ سپہرِ لم یزل | گوہرِ درجِ کمالِ بے بدل
آں معین الدینِ ملت بے نظیر | فارغ از دنیا بملک دیں امیر
در ثناے او جمالی راچہ حد | فیضِ او باید کہ فرماید مدد

☆☆☆☆☆☆

(۵۹) سیر الاقطاب، ص:۱۰۳۔
(۶۰) دلیل العارفین، مجلس اوّل، ص:۲۔

سلسلۂ چشتیہ کے چند ممتاز مشائخ

- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت خواجہ نظام الدین محمد دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قطب الاقطاب، محبوب حق

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۵۶۸ھ - وفات: ۶۳۳ھ

اختر حسین فیضی مصباحی

استاد جامعہ اشرفیہ مبارک پور

برصغیر میں جن قدسی صفات شخصیات کے ذریعے اسلام کو فروغ اور استحکام ملا ان میں سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں کا حصہ بہت زیادہ ہے، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ سلسلۂ چشتیہ کے پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے ہندوستان کو اپنے وجود سے رونق بخشی اور دوسرے بزرگ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو خواجۂ اجمیری کے بعد چشتیوں کے شیخ المشائخ اور عام مسلمانوں کے سالار قرار پائے، آپ کی ذات گرامی طالبان حق اور سالکان راہ طریقت کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے، بے شمار گم گشتگان راہ آپ کی تعلیم و تربیت سے ہدایت یاب ہوئے۔ لیجیے اسی مرد حق آگاہ کی سیرت طیبہ سے دل و دیدہ روشن کیجیے:

نام و نسب: نام بختیار، لقب قطب الدین اور کاکی نسبت ہے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بن سید موسیٰ بن سید احمد بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحٰق حسن بن سید معروف بن سید احمد چشتی بن سید رضی الدین بن

سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن امیر المومنین سید محمد نقی جواد بن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ [1]

ولادت: ۵۶۸ھ میں اُوش نامی قصبے میں پیدا ہوئے، ماوراء النہر (ترکستان) میں ایک قصبہ ہے، یا فرغانہ کے نواح میں ایک شہر۔

پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھا سر سجدہ میں رکھ کر تہلیل و تقدیس رب کی، آپ کا پورا مکان پر نور ہو گیا جب سجدے سے سر اٹھایا تو نور کم ہونے لگا آپ کی والدہ نے یہ ندائے غیبی سنی:

"ایں نور کہ دیدی سرے بود از اسرار الٰہی کہ اکنوں در دل فرزندت نہادیم"

ترجمہ: تم نے جو یہ روشنی دیکھی اسرار الٰہی کا ایک راز تھا جسے ہم نے تیرے فرزند کے دل میں رکھ دیا۔

عمر شریف ڈیڑھ سال کی ہوئی تو باپ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا پاکیزہ باطن مادر مہربان کی آغوش محبت میں پروان چڑھتے رہے۔ [2]

تعلیم و تربیت: سیر العارفین کے مصنف، شیخ نصیر الملۃ والدین محمود اودھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

جب وہ تقریباً پانچ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے اپنے ایک پڑوسی کو بلایا، ایک طباق میں کچھ حلوا رکھا اور حضرت خواجہ (بختیار کاکی) کو ان کے ہم راہ معلم کے پاس بھیجا۔

اتفاق سے راستے میں ایک پیر روشن ضمیر کا سامنا ہوا، انھوں نے دیکھتے ہی کہا کہ بچے کو کہاں لیے جاتے ہو؟ پڑوسی نے عرض کیا یہ بچہ خاندان اہل فلاح و صلاح سے ہے اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے، ان کی والدہ نے جو نہایت نیک خاتون ہیں، میری خوشامد کی ہے کہ میں اس بچے کو کسی مکتب میں لے جاؤں اور کسی نیک معلم کے سپرد کر دوں کہ وہ اس کو قرآن

---

(۱) سیر الاقطاب، ص:۱۴۲

(۲) سلطان الہند خواجہ غریب نواز، ص:۱۴۸

پڑھا دے، جب ان بزرگ نے اس پڑوسی کی یہ رتقریر سنی تو فرمایا کہ اس بچے کو چھوڑو اور میرے سپرد کردو تاکہ میں اسے ایسے معلم کے پاس لے جاؤں کہ اس کی برکت اس میں تاثیر کمال پیدا کردے اور وہ اس پر نہایت مہربانی کرے، جب اس پڑوسی نے اس بے مثل پیر کی یہ شفقت وعنایت دیکھی تو وہ بخوشی رضامند ہو گیا کہ آپ کا ارشاد درست ہے۔

اس مقام پر ایک نہایت باکمال معلم تھے جن کا نام ابو حفص تھا، وہ عبادت اور سعادت میں مصروف تھے ان کے پاس حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لائے اور ان کے سپرد کردیا اور فرمایا کہ یہ بچہ مبارک اور خداے بزگ و برتر کا برگزیدہ ہے وہ ایک دن اولیاے بزرگ اور گروہ مشائخ میں سے ہوگا، تم کو چاہیے کہ نہایت مہربانی کے ساتھ قرآن شریف پڑھاؤ، معلم مذکور نے دل وجان سے قبول کیا اور وہ پیر وہاں سے چلے آئے، اس کے بعد شیخ ابو حفص، حضرت شیخ خواجہ قطب الدین کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا: کیا تم ان بزرگ کو جانتے ہو جو تمھیں یہاں لے آئے تھے؟ حضرت خواجہ قطب الدین نے معلم سے عرض کیا کہ میری والدہ نے مجھ کو ایک پڑوسی کے سپرد کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے معلم کے پاس لے جائے، راستے میں ان بزرگ پیر سے ملاقات ہوئی اور انھوں آپ کی قدم بوسی سے مشرف کرادیا، شیخ ابو حفص نے فرمایا کہ اے بیٹے! یہ پیر حضرت خضر علیہ السلام تھے جو تجھ کو یہاں لائے اور میرے سپرد کیا۔ (۳)

شیخ محمود اودھی چراغ دہلوی قدس سرہٗ خیر المجالس میں لکھتے ہیں کہ مولانا ابو حفص کی صحبت کی برکت سے خواجہ قطب الدین کو شریعت وطریقت کی تعلیم حاصل ہوئی اور آپ کا ظاہر و باطن اس قدر آراستہ ہوا کہ ایک ساعت بھی ریاضت و مجاہدہ کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے، آپ روز ڈھائی سو رکعت نماز کمال خشوع و خضوع سے ادا کرتے اور حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہتے۔ (۴)

بیعت وارادت: حضرت مولانا ابو حفص کی درس گاہ سے تعلیم و تربیت

---

(۳) سیر العارفین، ص:۲۲

(۴) مرآۃ الاسرار، ص:۶۸۵

حاصل کرنے کے بعد آپ نے بغداد کا رخ کیا جہاں شیخ کامل رازدار طریقت خواجہ معین الدین چشتی سجزی سے ملاقات ہوئی اور جلیل القدر شیوخ کی موجودگی میں ان کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے۔

امیر خورد کرمانی لکھتے ہیں:

ایں بزرگ درماہ مبارک رجب رَجَّبَ قدرہ شہور سنۃ اثنی وعشرین وخمس مأۃ در شہر بغداد در مسجد ابو اللیث سمر قندی بحضور شیخ شہاب الدین سہروردی وشیخ اوحد کرمانی وشیخ برہان الدین چشتی وشیخ محمد صفاہانی بہ شرف ارادت شیخ الاسلام شیخ محی الدی سجزی مشرف گشتہ۔ (۵)

یہ بزرگ (حضرت خواجہ بختیار کاکی) ماہ رجب المرجب ۵۲۲ھ میں شہر بغداد کے اندر امام ابو اللیث سمر قندی کی مسجد میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد صفاہانی کی موجودگی میں شیخ الاسلام شیخ محی الدی سجزی کی بیعت وارادت سے سرفراز ہوئے۔

مونس الارواح اور سیر العارفین کی عبارتوں سے یہ پتا چلتا ہے کہ وطن مالوف ''اُوش'' ہی میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات ہوئی اور وہیں شرف بیعت وخلافت سے نوازے گئے اس کے بعد بغداد کا رخ کیا۔

مونس الارواح کی عبارت اس طرح ہے:

ہم دراں ایام حضرت قطب الاولیا، پیر دستگیر خواجۂ بزرگ قدس اللہ سرہٗ بہ آں جا رسیدند وایشاں حلقۂ ارادت آں حضرت در گوش و دست بیعت دادند بہ شرف خلافت مشرف شدند واز اُوش بجانب بغداد عزیمت نمودند وشیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی وشیخ اوحد الدین کرمانی ودیگر مشایخ آں دیار را رحمہم اللہ تعالیٰ دریافتہ اند۔ (۶)

ابھی آپ اپنی وطن عزیز قصبہ اوس ہی میں تھے کہ حضرت قطب الاولیا، پیر دستگیر خواجۂ بزرگ (خواجہ معین الدین چشتی) قدس سرہ اوس پہنچے اور آپ ان کے حلقہ بگوش

---

(۵) سیر الاولیا— ص:۴۸

(۶) مونس ارواح، ص:۶۲۔

ہوئے پھر دست بیعت ان کی طرف بڑھایا اور خلافت سے شرف یاب ہوئے اور اوس سے بغداد کا سفر کیا اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور اس دیار کے دوسرے مشایخ سے ملاقاتیں کیں۔

سیر العارفین میں یہ رقم ہے:

مولانا ابو حفص کی صحبت کی برکت سے حضرت شیخ المشایخ شیخ قطب الدین نے ظاہری و باطنی اخلاق اور شریعت و طریقت کے آداب حاصل کیے، وہ دینی معاملات اور ظاہر و باطن کے یقینی حالات سے آراستہ و پیراستہ ہوگئے چنان چہ ایک ساعت کے لیے بھی عبادت و ریاضت سے غافل نہ رہتے اور ہر وقت خدائے بزرگ و برتر کی عبادت میں مستغرق رہتے اتفاق سے حضرت زبدۃ الاولیا و خلاصۃ الاتقیا خواجہ معین الملۃ والدین وہاں پہنچے، ان کی بیعت سے مشرف ہوئے اور خلافت پائی۔ (۷)

شجرۂ بیعت: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواجہ معین الدین چشتی سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت و خلافت حاصل تھی آپ کا شجرۂ بیعت درج ذیل طریقے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے،

شیخ الاسلام خواجہ معین الدین حسن چشتی سجزی قدس اللہ سرہ العزیز و آنحضرت مرید حضرت خواجہ عثمان ہارونی و ایشاں مرید حضرت حاجی شریف زندنی وایشاں مرید حضرت خواجہ مودود چشتی و ایشاں مرید پدر خود حضرت خواجہ یوسف چشتی وایشاں مرید خال خود حضرت خواجہ محمد چشتی وایشاں مرید پدر خود حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی وایشاں مرید حضرت شیخ ابو اسحٰق شامی وایشاں مرید حضرت شیخ ممشاد علو دینوری وایشاں مرید حضرت شیخ ہبیرۃ البصری وایشاں مرید حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی وایشاں مرید حضرت سلطان ابراہیم ادہم وایشاں مرید حضرت خواجہ فضیل عیاض وایشاں مرید حضرت خواجہ عبد الواحد زید وایشاں مرید حضرت شیخ حسن بصری وایشاں مرید حضرت امیر المومنین امام المتقین علی ابن

---

(۷) سیر العارفین، ص: ۲۳

ابی طالب کرم اللہ وجہہ وایشاں مرید حضرت خیر البشر، رسول رب العالمین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ (مونس الارواح، ص:۲۱)

رشتۂ ازدواج

پہلی شادی: جب آپ کے دل میں علوم باطنی کی تکمیل کا شوق بیدار ہوا تو آپ نے اپنے مولد و مسکن ''اوش'' سے باہر جانے کا ارادہ کیا جب آپ کی والدہ کو معلوم ہوا کہ وہ سفر کے لیے نکلیں گے اور اس سے ہرگز باز نہ آئیں گے تو انھیں سفر سے روکنے کے لیے انھوں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ان کی ایک حسین و جمیل عورت سے شادی کر دی تاکہ خانگی ذمے داریاں باہر جانے سے روک سکیں، لیکن ہوا یہ کہ وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کی وجہ سے اور اد و اشغال میں خلل واقع ہوا، تو انھوں نے منکوحہ کو طلاق دے کر آزاد کر دیا اور خود تلاش حق میں ''اوش'' سے نکل پڑے اور بغداد کی راہ لی، وہاں پہنچنے کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور دیگر عارفان حق کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔

حرم محرم سے علاحدگی: حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں:

رئیس نامی ایک شخص تھا جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مرید تھا، اس نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک قبہ ہے اور اس کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ ہے اور ایک چھوٹے قد کا آدمی بار بار قبے کے اندر جاتا ہے اور آتا ہے، لوگ اسے پیغام دیتے ہیں اور وہ جواب لے کر باہر آتا ہے، رئیس کہتا ہے کہ یہ پست قد آدمی جو اندر آتا جاتا ہے، کون ہے؟ بتایا کہ قبے کے اندر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور یہ صاحب جو پیغام لے کر اندر جاتے ہیں اور جواب لے کر باہر آتے ہیں، عبد اللہ بن مسعود ہیں، رئیس کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن مسعود کے پاس گیا اور گزارش کی کہ آپ بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کر دیں کہ میں آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں، وہ اندر گئے اور باہر آکر کہا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ترا ہنوز اہلیتِ آں نہ شدہ است کہ مرا بتوانی دید، امّا برو سلام من بختیار کاکی را برساں و بگوی کہ ہر شب تحفۂ درود کہ بر من می فرستادی می رسید، سہ شب نہ رسید است مانع بخیر بودہ باشد!

ابھی تمھارے اندر دیدار کی اہلیت پیدا نہیں ہوئی ہے، البتہ جاؤ بختیار کاکی کو میرا سلام کہنا اور یہ کہنا کہ ہر شب جو درود کا تحفہ مجھے بھیجا کرتے تھے وہ پہنچتا تھا، تین راتوں سے نہین پہنچتا ہے کیا وجہ ہے، خیر تو ہے۔

رئیس کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ رسول کریم ﷺ نے آپ کو سلام کہا ہے، جب شیخ نے سلام سنا تو احتراماً کھڑے ہو گئے اور کہا کہ آقا ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ میں عرض کی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو تحفہ ہر رات بھیجا کرتے تھے ملتا تھا ادھر تین راتوں سے نہیں ملا ہے کیا وجہ ہے خیر تو ہے، شیخ نے اسی وقت اپنی بیوی کو طلب کیا اور انھیں ان کا مہر دے کر رخصت کر دیا، واقعہ یوں پیش آیا کہ شیخ نے تین راتیں حق زوجیت کی ادائیگی میں گزاریں تھیں اور تحفۂ درود بارگاہ رسالت میں نہ بھیج سکے تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر رات بارگاہ رسالت میں تین ہزار بار درود شریف پڑھتے اس کے بعد سوتے۔[۸]

دوسری شادی: دہلی میں اقامت گزینی کے بعد آپ نے اخیر عمر میں دوسرا نکاح کیا، ان کے شکم بارک سے دو توام (جڑواں) بچے تولد ہوئے۔

سیر العارفین میں ہے:

اخیر زمانے میں ازدواجی زندگی اختیار کی، حضرت کے دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے چھوٹے لڑکے کا نام شیخ محمد رکھا اور بڑے کا شیخ احمد کہ جوان کے مزار کے برابر دفن ہیں، اس مقام کے مجاور نے وہاں کا نام شیخ احمد تماجی مشہور کر دیا ہے، شیخ محمد

(۸) فوائد الفواد، جلد سوم، ص:۱۸۵،۱۸۴۔ مجلس دہم

مذکورہ سات سال کی عمر میں فوت ہوگئے حضرت (خواجہ قطب الدین) کی زوجہ نے لڑکے کی وفات پر گریہ وزاری کی، حضرت خواجہ قطب الدین نے جب بیوی کی آواز سنی تو شیخ بدرالدین غزنوی سے پوچھا کہ میرے گھر میں رونے کی آواز کیسی ہے اور کون گریہ و زاری کرتا ہے؟ شیخ بدرالدین نے عرض کیا کہ حضور کے فرزند ارجمند انتقال فرما گئے، شاید ان کی ماں مضطرب ہیں، جب یہ سنا تو افسوس کیا اور فرمایا کہ اگر مجھ کو اس کی تکلیف سے واقفیت ہوتی تو خدا کی بارگاہ میں اس کی زندگی کے لیے دعا کرتا، حق تبارک و تعالیٰ قبول فرماتا چوں کہ اس کا وقت آگیا تھا اس لیے مجھے معلوم نہیں ہوا یہ کہا اور اس کی ماں کو رونے سے منع کیا اور خود مراقبۂ حق سبحانہٗ تعالیٰ میں مستغرق ہوگئے، سبحان اللہ کیسا ان کا استغراق تھا کہ ان کو اپنے بیٹے کی تکلیف اور موت کی بھی خبر نہ ہوئی۔ (۹)

"کاکی" کی وجہ تسمیہ:

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو "کاکی" کہنے کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں، حامد بن فضل اللہ جمالی سیر العارفین میں لکھتے ہیں:

ان کو کاکی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جب انھوں نے دہلی میں توطن اختیار کیا تو کسی کی کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتے، اس زمانے میں ان کے گھر میں بیوی کنیزیں، لڑکے اور خادم سب نو نفر تھے جو ان سے متعلق تھے، ان کے پڑوس میں ایک مسلمان بقال رہتا تھا جس کا نام شرف الدین تھا، شرف الدین کی بیوی سے حضرت (خواجہ بختیار) کی زوجہ کے تعلقات تھے، وہ کبھی کبھی ان کے گھر آتی تھی جب کوئی چیز موجود نہ ہوتی اور ایک دو فاقے ہوجاتے تو شرف الدین بقال کی کی زوجہ سے آدھا تنکہ یا اس سے کم یا زیادہ قرض لے لیتیں جس اپنے بچوں اور متعلقین کا کھانا تیار کرتیں، حضرت سلطان المشائخ کو اس کی مطلق خبر ہوتی، جب غیب سے کچھ عنایت ہوجاتا تو قرض ادا کر دیتیں۔

---

(۹) سیر العارفین، ص: ۳۱، ۳۰

ایک دن شرف الدین بقال کی عورت نے ان کی بیوی سے کہاکہ اے بی بی !اگر ہم نہ ہوں اور قرض نہ دیں تو تمھاری حالت مرنے کے قریب پہنچ جائے گی یہ بات انھیں ناگوار گزری اور یہ عہد کیاکہ اب قرض کے طور پر اس سے ہر گز کچھ نہیں لیں گے، ایک دن ایسا ہواکہ انھوں نے یہ بات حضرت خواجہ قطب الدین سے عرض کر دی کہ جب ہمارے گھر میں متواتر تین فاقے گزر جاتے تو میں اس بقال شرف الدین کی عورت سے تھوڑا سا قرض لے لیا کرتی تھی جس سے متعلقین کے لیے کھانا تیار کرتی تھی، اب شرف الدین کی عورت نے اس طرح کی بات کہی کہ اگر ہم نہ ہوں تو تمھارے یہاں ہلاکت واقع ہو جائے، حضرت خواجہ قطب الدین جب یہ بات اپنی بیوی سے سنی تو کچھ دیر تامل کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ شرف الدین کی بیوی سے قرض نہیں لینا چاہیے اور ایک طاق کی طرف اشارہ کیا کہ جو ان کے حجرۂ مبارک میں تھا اور فرمایاکہ ضرورت کے وقت جس قدر روٹیاں چاہئیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس میں سے نکال لینا اور اپنے متعقلین میں سے جس کو چاہنا دے دینا چنان چہ ان کی بیوی اس طاق سے کہ جس کی طرف انھوں نے اشارہ کیا تھا، گرم روٹیاں نکال لیتیں اور تقسیم کر دیتیں، اب بھی ان کے متبرک مقبرے میں روٹیاں پکاتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں۔[۱۰]

قدرے فرق کے ساتھ مونس الارواح میں شہزادی جہاں آرا بیگم دختر شاہ جہاں بادشاہ نے بھی یہ بات لکھی ہے۔

اور سید مبارک علوی معروف بہ امیر خورد کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

شیخ الشیوخ خواجہ فرید الدین سے ان کے کسی دوست نے پوچھاکہ کیا خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا خورد و نوش پر تکلف ہوتا؟ فرمایا نہیں۔ ان کا گزارا عسرت و تنگی سے ہوتا ایک مسلمان بقال (سبزی فروش) آپ کا ہم سایہ تھا۔ آپ ابتداً اس سے ادھار لے لیا کرتے تھے۔ اسے کہہ رکھا تھاکہ جب تیرا قرض تین سو درہم ہو جائے تو اس سے آگے نہ

(۱۰) سیر العارفین، ص:۳۱، ۳۲

بڑھنا، جب نذر و فتوح آتے تو ادائیگی کر دیتے، بعد میں خواجہ نے اپنے دل میں عہد کر لیا کہ ائندہ ادھار نہیں لیں گے، اس کے بعد خدا کا فضل یوں ہوا کہ ان کے مصلے کے نیچے نان روغنی نکل آتا، جو پورے گھر والوں کے لیے کافی ہوتا بقال نے سمجھا شاید شیخ مجھ سے ناراض ہیں اس لیے ادھار لینا بند کر دیا ہے، اس نے اپنی بیوی کو شیخ کی حرم میں بھیجا کہ اس صورت حال کا پتا لگائے، اہلیہ محترمہ نے جواب دیا کہ ہر روز ان کے مصلے کے نیچے سے ایک روغنی روٹی مل جاتی ہے جو پورے گھر والوں کے لیے کافی ہوتا ہے، اس کے بعد وہ روٹی نکلنا بند ہو گئی، شیخ نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ تم نے روغنی روٹی کی حکایت کسی کو سنائی ہے جواب ملا کہ ہاں میں نے بقال کی بیوی کو بتایا ہے۔

سلطان المشائخ کا کہنا ہے کہ آپ کے مرشد خواجہ معین الدین نے انھیں پانچ سو درہم تک قرض کی اجازت دے رکھی تھی جب وہ اپنے کمال کو پہنچ گئے تو اس سے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔[11]

ایک مجلس میں احضرت امیر خسرو نے حضرت نظام الدین اولیا سے عرض کی کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار "کاکی" کیوں کہتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ایک مرتبہ آپ اپنے احباب کے ساتھ سلطان کے حوض پر تھے، وقت با راحت تھا، احباب نے عرض کی کہ اگر ایسے وقت میں گرم کاک (روٹی کی ایک قسم) ہو تو کیا ہی اچھا ہو، آپ نے مسکرا کر فرمایا: اچھا، اگر مل جائے تو کیا کرو گے؟ عرض کی کھائیں گے، آپ وہاں سے اٹھ کر پانی میں گئے، پانی میں ہاتھ ڈال کر گرما گرم "کاک" نکال کر احباب کو دیا اس سبب آپ کو "کاکی" کہتے ہیں۔[12]

امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس تعلق سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

حضرت خواجہ بختیار کاکی کی خدمت میں چند مسافر حاضر ہوئے حضور کے پاس اس وقت کچھ سامان خورد و نوش نہ تھا غیب سے "کاک" یعنی روٹیاں آئیں جو سب کو کافی

---

(۱۱) سیر الاولیا، ص:۴۹، ۴۸، میر خورد، مطبع محب ہند دہلی
(۱۲) افضل الفوائد حصہ اول، ص:۱۲۵

وو افی ہوگئیں، جب سے آپ ”کاکی“ مشہور ہو گئے۔[۱۳]

سفر ہندستان: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنے شیخ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حد درجہ محبت اور عقیدت تھی شیخ کی جدائی آپ کے لیے باعث کلفت تھی ، بغداد میں قیام کے دوران آپ شیخ شہاب الدین سہروردی (م:٦٣٢) سے استفادہ کرتے رہے؛ لیکن جب آپ کو معلو ہوا کہ شیخ اس وقت ہندستان کے دارالحکومت دہلی میں جلوہ افروز ہیں تو شیخ جلال الدین تبریزی (م:١٢٢٦ء) کی رفاقت میں ہندوستان کا رخ کیا۔

شہر ملتان میں ورود: کچھ عرصے بعد یہ دونوں بزرگ قبۃ الاسلام شہر ملتان پہنچے (جو اس وقت پاکستان میں ہے) وہاں شیخ بہاء الدین زکریا قریشی ملتانی سے ملاقت ہوئی ان دونوں باوقار بزرگوں سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اکثر ساتھ ہی رہتے، ایک روز ایسا ہوا کہ کفار کے ایک لشکر نے ملتان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا، حاکم ملتان ناصر الدین قباچہ ان ملعونوں سے نجات کے لیے درخواست لے کر ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا، شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے ایک تیر قباچہ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا آنکھ بند کر کے اسے لشکر کفار کی جانب پھینکو، قباچہ نے ایسا ہی کیا، جب صبح ہوئی تو میدان صاف تھا۔[۱۴]

ناصر الدین قباچہ نے خدا کا شکر ادا کیا حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قدم چومے اور والہانہ عقیدت و محبت کے ساتھ عرض گزار ہوا کہ اگر حضور ملتان میں قیام فرمائیں تو ہمارے لیے خوش نصیبی کا باعث ہو گا۔

سیر العارفین میں ہے:

چند روز کے بعد حضرت خلاصۃ المشائخ (خواجہ قطب الدین) وہاں سے دارالخلافہ دہلی کی طرف چلے اور شیخ جلال الدین تبریزی غزنین کی طرف چلے گئے، اگرچہ قباچہ بہت اصرار کیا کہ کچھ عرصہ اپنی ذات بابرکت سے اس مقام کو اور عزت بخشیں لیکن حضرت شیخ

---

(۱۳) حیات اعلیٰ حضرت، ج:۱، ص:۴۱۴

(۱۴) سیر الاولیا، ص:۵۰، میر خورد کرمانی

متوجہ نہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ جگہ شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا کے ذمے اور حوالے ہے اور ہمیشہ ان کی پناہ میں رہے گی۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ حضرت سلطان العارفین شیخ فرید الحق والشرع والدین قدس سرہ مسعود اجودھنی ملتان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کی کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ (۱۵)

دہلی میں ورود مسعود: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شہر ملتان سے دہلی تشریف لائے، سلطان شمس الدین التمش نے حق سبحانہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور ان کا استقبال کیا اور چاہا کہ حضرت کو شہر میں لائیں اور حضرت شہر میں سکونت پذیر ہوں، حضرت نے پانی کی سہولت کی وجہ سے کیلوکھری میں قیام فرمایا اور وہیں رہنے لگے۔

چناں چہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود اودھی کتاب خیر المجالس میں ذکر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں وہاں کے شیخ الاسلام "جمال الدین محمد بسطامی" تھے... شیخ الاسلام جمال الدین محمد بسطامی اور حضرت سلطان المشائخ قطب الدین بختیار کے درمیان بے حد الفت و محبت تھی، سلطان شمس الدین ہفتے میں دو بار ان کی خدمت میں جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے کیوں کہ ان کی مبارک قیام گاہ شہر سے کچھ دور تھی اس لیے سلطان شمس الدین نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ اگر براہ عنایت و کرم آپ شہر کے نزدیک قیام پذیر ہو جائیں تو بہت بہتر اور نہایت خوب ہو، حضرت شیخ (خواجہ قطب الدین) نے ان کی درخواست منظور کر لی اور شہر کے نزدیک مسجد ملک اعز الدین کے نزدیک قیام فرمایا، معززین اور امرا ان کی جانب متوجہ ہوئے اور سب ان کی صحبت اور طریقے کے عاشق و فریفتہ ہو گئے، اس زمانے میں شیخ بدر الدین غزنوی ان کی بیعت اور خرقے سے مشرف ہوئے تھے اور انھوں نے اپنی عمر عزیز ان کی صحبت میں گزار دی اور طرح طرح کی برکتیں حاصل کیں۔ (۱۶)

---

(۱۵) سیر العارفین، ص:۲۶

(۱۶) سیر العارفین، ص:۲۷،۲۶

خوجۂ اجمیری سے شوق ملاقات: جب خواجہ قطب الدین شہر میں رہنے لگے تو انھوں نے اشتیاق ملاقات کا ایک خط حضرت سلطان الآفاق شیخ معین الحق والدین کی خدمت میں روانہ کیا وہ اس زمانے میں اجمیر میں قیام پذیر تھے،۔

اگر بہ بشارت اشارت مسرور فرمایند، شرف پابوس حاصل نمودہ آید۔

اگر حضور اجازت سے مشرف و مسرور فرمائیں تو شرف قدم بوسی حاصل ہو۔

حضرت معین الحق والدین نے خط کے جواب میں یہ مضمون ارسال فرمایا:

المرأ مع من احب، معتبر است، قرب جانی را بعد مکانی مانع نیست بسلامت و بصحت ہم آنجا باشید، ان شاء اللہ تعالیٰ بعد چند گاہ بارادت حضرت اللہ دراں طرف توجہ نمودہ خواہد شد۔

"المرأ مع من احب" درست ہے قرب جانی کو بعد مکانی کبھی مانع نہیں ہوتا ہے، صحت و سلامتی سے وہیں رہو، ان شا اللہ تعالیٰ کچھ عرصے کے بعد بمشیت ایزدی ہم خود اس طرف آئیں گے۔

مجبوراً ان پیر بزرگوار (خواجہ بزرگ) کے حکم سے خلاصۃ الابرار خواجہ قطب الدین اس شہر (اجمیر) کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔[١٧]

انھیں ایام میں دہلی کے شیخ الاسلام، جمال الدین بسطامی رحلت فرما گئے، سلطان شمس الدین التمش نے چاہا کہ یہ منصب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے سپرد کرے، لیکن آپ نے اس کی طرف ذرہ بھر بھی التفات نہ کیا، یہ صورت حال دیکھ کر سلطان نے شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس منصب پر فائز کر دیا، اس منصب سے پہلے شیخ نجم الدین صغریٰ نیک روشن اور پسندیدہ اخلاق تھے، لیکن دیناے دوں نے اپنا اثر دکھایا اور کم حوصلگی کی وجہ سے وہ اپنے حال پر قائم نہ رہ سکے، التمش اور تمام اراکین سلطنت کو قطب الاسلام سے حد درجہ عقیدت و محبت تھی، اتفاقاً انھیں ایام میں خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین چشتی قدس سرہ اجمیر سے دہلی تشریف لائے جس کی وجہ سے حضرت خواجہ

---

(١٧) سیر العافین، از حامد جمالی، ص: ٢٧

قطب الاسلام بے حد خوش ہوئے، رب العزت کا شکر بجالائے، آپ نے چاہا کہ سلطان شمس الدین کو اطلاع دیں لیکن خواجہ بزرگ نے منع فرمادیا کہ ہم محض تم سے ملنے آئے ہیں اور دو تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے، شہر دہلی کی ساری خلقت خواجہ بزرگ کی زیارت کے لیے ٹوٹ پڑی، لیکن شیخ نجم الدین صغریٰ نہ آئے، جب کہ اس سے قبل ملک خراسان میں حضرت خواجہ بزرگ سے بہت عقیدت رکھتے تھے، چوں کہ کمال اخلاق اور عجز اس خاندان کا شیوہ ہے اس لیے خواجۂ بزرگ خود شیخ نجم الدین سے ملاقات کے لیے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ [۱۸]

حضرت خواجہ قطب کی طرف عوام خواص کی وارفتگی اور رجوع دیکھ کر شیخ الاسلام نجم الدین صغریٰ کے اندر حسد کی آگ جل اٹھی اور ان سے کبیدہ خاطر رہنے لگے جس کا اظہار انھوں نے حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس وقت کیا جب آپ ان کے گھر تشریف لے گئے، امیر خورد کرمانی لکھتے ہیں:

اس وقت وہ اپنے گھر کے صحن میں چبوترا بنوار ہے تھے جب خواجہ صاحب کی نگاہ مبارک ان پر پڑی تو وہ اتنی سر گرمی سے پیش نہ آئے جو ایک شناسا کے ساتھ ہونی چاہیے، شیخ نے فرمایا شاید شیخ الاسلامی نے تیرا دماغ خراب کر دیا ہے، شیخ نجم الدین نے جواب دیا کہ میں تو وہی مخلص اور معتقد ہوں مگر آپ نے شہر دہلی میں اپنا ایک مرید چھوڑ رکھا ہے جس کی وجہ سے شیخ الاسلام کو کوئی جو بھر اہمیت نہیں دیتا، حضرت مسکرائے اور فرمایا میں بابا قطب الدین کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں تم تشویش نہ کرو، ان دنوں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے کمالات کا شہرہ عروج پر تھا اہل شہر انھیں کی طرف رخ کرتے، جب آپ لوٹ کر آئے تو کہنے لگے کہ بابا بختیار! تم ایک دم اتنے مشہور ہو گئے کہ لوگ تمھارے تعلق سے شکایت کرنے لگے ہیں یہاں سے اٹھو اور اجمیر چلو اور میرے پاس رہو وہیں بیٹھو میں تمھارے سامنے کھڑا رہا کروں گا، آپ نے کہا: یہ کیسے ہوگا کہ مخدوم تو کھڑا ہو اور میں بیٹھوں۔

شیخ کے حکم پر خواجہ قطب الدین اپنے مرشد کے ہم راہ اجمیر روانہ ہو گئے، اس

---

(۱۸) مرآۃ الاسرار، ص:۶۸۸

بات سے تمام شہر دہلی میں شور برپا ہوگیا، سب اہل شہر مع سلطان شمس الدین التمش ان کے پیچھے پیچھے شہر سے باہر نکل آئے جہاں شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے لوگ اس جگہ کی مٹی بطور تبرک اٹھالیتے، لوگ بہت بے چین تھے اور رو رہے تھے، خواجہ معین الدین چشتی نے یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا: بابا بختیار! اسی جگہ رہو کہ تمھارے شہر چھوڑنے پر خلق خدا بہت پریشا اور بے حال ہے میں یہ جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل خراب و کباب ہوں، جاؤ، میں نے یہ شہر تمھاری پناہ میں دیا، سلطان شمس الدین التمش نے قدم بوسی کی اور خوشی خوشی خواجہ قطب الاسلام کے ہم راہ شہر لوٹ آیا اور خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اجمیر کی جانب روانہ ہوگئے۔[19]

استغراق

محویت الٰہی: خواجہ قطب الدین کی مشغولیت بحق کے بارمیں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہتے ہیں کہ مشغولیت کی بنا پر آپ نے سونا چھوڑ دیا تھا، چنان چہ وہ کبھی بستر بچھاتے ہی نہیں تھے شروع شروع میں جب نیند کا سخت غلبہ ہوتا تو تھوڑا سا سولیتے اخیر عمر میں وہ نیند بھی بیداری ہی میں تبدیل ہوگئی ان کی زبان مبارک سے یہ سنا گیا کہ میں اگر کسی وقت سوجاؤں تو مجھے تکلیف ہوجاتی ہے، ان کی مشغولیت بحق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ان سے ملنے آتا تو وہ گھڑی دو گھڑی ٹھہرتا تاکہ وہ ہوش میں آجائیں پھر اس آنے والے کی طرف رجوع کرتے کچھ ان کی سنتے یا اپنی سناتے اور پھر کہہ دیتے مجھے معاف فرمائیے گا اس کے بعد مشغول عبادت ہوجاتے۔

ذکر حق: جب خواجہ بختیار اوشی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے معمولات میں ہوتے تو ذکر حق بہت زیادہ کرتے، چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ ایک شبانہ یوم وہ مصلے پر پڑے رہتے، اور ان کو اپنے تن بدن کی خبر نہ ہوتی۔

---

(۱۹) سیر الاولیا، ص: ۵۴

پھر فرمایا کہ اے درویش! اہل تصوف صرف اس ولی کو زندہ تصور کرتے ہیں جو یاد حق میں مستغرق رہتا ہے، اور اس کا ایک لمحہ بھی یاد حق سے خالی نہیں ہوتا ہے۔

تلاوت قرآن: حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: حضرت قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز جب تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوتے تھے، تو دھمکی اور تہدید کی آیت پر پہنچ کر سینہ پر ہاتھ مار کر بے ہوش ہوجاتے تھے، پھر جب ہوش میں آتے تو دوبارہ کلام مجید پڑھنا شروع کردیتے تھے، ایک روز اس طرح ہزار بار بے ہوش ہوئے اور اسی طرح جب وہ مشاہدہ کی آیت پڑھتے تو مسکراہٹ لبوں پر آجاتی، اور وہ اٹھ کر عالم مشاہدہ میں متحیر ہوجاتے ایک مرتبہ ایک شبانہ یوم اس طرح عالم مشاہدہ میں متحیر رہے کہ ان کو اپنی بھی خبر نہ رہی۔ (اسرارالاولیاء (ملفوظات بابا فرید گنج شکر، ص:۹۰ مرتب بدر الدین اسحاق)

مجلس سماع: ایک مجلس میں حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اے درویش ایک مرتبہ یہ دعاگو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس سماع میں بیٹھا ہوا تھا وہ دونوں بزرگ سماع میں مشغول تھے، ایک شبانہ یوم تک دونو ں عالم بے خودی میں رہے سوائے اس کے کہ جب نماز کا وقت آتا تو نماز پڑھ لیتے تھے ، اسی درمیان ان لوگوں نے اس دعاگو کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہوا میں پرواز کر گئے اور رقص کرنے لگے، خواجگان کے اس عالم وجد میں قصیدہ خواں یہ اشعار پڑھ رہے تھے: شعر

من آن نیم کہ زعشق توپاے پس آرم	اگر بہ تیغ کشندم در تو نگزارم
مپرس از شب ہجراں چگونہ می گزرد	مبادا ہیچ کسے راقوی است دشوارم
من از جمال تواے سرو باغ تا دیدم	ہوش نشد کہ گہے دل رود بہ گلزارم
اگر دہند بفردا بہشت باہمہ چیز	بجبۂ نخرم من کہ مست دیدارم

میں وہ نہیں ہوں کہ تیرے عشق سے باز آجاؤں، اگر تیغ سے بھی مجھ کو مارا جائے تو تیرا در نہ چھوڑوں گا۔

مجھ سے شب ہجراں کے بارے میں مت پوچھ کہ کیسے گزرتی ہے، کسی کو میری جیسی سخت دشواری نصیب نہ ہو۔

جب سے میں نے تیرے جمال کا سرد باغ دیکھ لیا ہے، تو پھر کبھی کسی گلزار کی طرف جانے کی دل کو خواہش ہی نہیں ہوتی۔

اگر کل قیامت میں مجھ کو جنت تمام لوازمات کے ساتھ دی جائے، تو میں اس کو ایک دانہ کے بدلے میں بھی نہیں خریدوں گا اس لیے کہ میں تیرے دیدار کا مشتاق ہوں۔ (اسرارالاولیا، ص:۴۷)

رشد و ہدایت اور تعلیمات

دہلی میں مستقل اقامت کے بعد آپ نے وہاں سے رشد و ہدایت کام شروع کیا، لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں آتے بیعت و ارادت سے سرفراز ہوتے، آپ انھیں عبادت خداوندی کی تعلیم و ترغیب دیتے، حب رسول کا جام پلاتے اور اسلامی طور طریقے پر راہ عمل متعیّن کرنے کی ہدایت فرماتے، اس طرح بے شمار افراد آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

آپ کی تعلیمات وارشادات کا باب بڑا وسیع ہے، ان میں سے کچھ آپ کے ذوق مطالعہ کے حوالے ہے:

خدا تک پہنچنے کا طریقہ:

ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ خدا تک آدمی کس طرح پہنچ سکتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اندھا، گونگا اور بہرہ ہو کر، جس شخص نے یہ تینوں صفتیں اختیار کرلیں وہ خدا تک پہنچ گیا، لیکن جب یہ دشمن سب اس کے ساتھ ہوں تو پھر محبت والوں کے لئے دروازہ بند ہے، ہاں! چار جگہیں ایسی ہے جہاں وہ بیٹھ کر پھر بھی خدا سے دل لگا سکتا ہے۔

پہلی جگہ تو اس کے گھر کا گوشہ ہے جہاں کوئی دوسرا مزاحم نہ ہو،

دوسری جگہ مسجد ہے کہ وہ دوست کا گھر ہے۔
تیسری جگہ قبرستان ہے جہاں انسان کو گناہوں سے عبرت ہوتی ہے۔
چوتھی جگہ وہ ویرانہ ہے جہاں سوائے اس کے اور حق تعالیٰ کے کسی کا گزر نہ ہو، حضرت بابا فرید الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اتنا فرمانے کے بعد حضرت قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز ہائے ہائے کر کے رونے لگے۔
اور یہ رباعی وردِ زباں ہو گئی۔

رباعی

گر عاشقی دوستے بہ تنہاش طلب
در خلوت عشق آے و پیدائش طلب
گرمی خواہی حضور نعمت ہر روز
آنجا کہ کسے نباشد آنجاش طلب

اگر تم عاشق ہو تو دوست کو تنہائی میں بلاؤ، عشق کی خلوت میں آؤ، اور پھر اسے بلاؤ۔
اگر تم ہر روز حضور کی نعمت چاہتے ہو، تو پھر اسے وہاں بلاؤ جہاں کوئی نہ ہو۔
(اسرار الاولیا، ص:۱۴۵)

حق تعالیٰ کی محبت:

میں (بابا فرید) نے خواجہ بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان سے سنا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت انسان کے ہر عضو میں سرایت کی گئی ہے اور ہر انسان کو اللہ نے اپنی محبت کے خمیر سے گوندھا ہے چنانچہ آنکھ ہے تو وہ دوست کی محبت میں مستغرق اور لبالب ہے، کان ہے تو دوست کی بات، سننے میں مشغول ہے، ہاتھ اور پیر ہیں تو سب کے سب اس کی محبت میں سرشار ہیں، تو اے درویش! انسانی عضو کا ذرا سا بھی حصہ حق تعالیٰ کی محبت سے خالی نہیں ہے۔ (اسرار الاولیا، ص:۱۲۸)

قرب الٰہی کا راز: فرمایا کہ اہل سلوک اپنی خصلتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آدمی کی کمالیت ان چار چیزوں یعنی کم کھانے، کم سونے، کم بولنے اور خلقت سے کم میل جول

کرنے میں ہے۔

فرمایا کہ غزنی میں ایک درویش تھا، جو ہر روز تجرید میں صبر کرتا، اگر دن کے وقت کوئی چیز زائد اسے مل جاتی، تو رات تک ایک پیسہ بھی پاس نہ رکھتا تھا، جو چھوٹے بڑے دولت مند یا درویش اس کے پاس آتے، تو وہ محروم نہ جاتے، چناں چہ اگر کوئی بھوکا آتا تو اسے کھانا کھلاتا، اور اگر کوئی ننگا آتا تو اپنے بدن کا کپڑا اتار کر اسے پہناتا، وہ درویش اور دعا گو ایک ہی جگہ پر رہتے تھے اس کو میں نے یہ کہتے سنا کہ چالیس سال میں نے مجاہدے اور بندگی میں صرف کیے، لیکن کوئی روشنی اپنے آپ میں نہ پائی، جب سے میں نے چار مذکورہ بالا چیزیں کیں تب سے روشنی اس قدر حاصل ہوئی کہ اگر کسی وقت آسمان کی طرف دیکھتا ہوں تو عرش عظیم تک کوئی پردہ نہیں رہتا اور اگر زمین کی طرف نگاہ کرتا ہوں تو سطح زمین سے لے کر تحت الثریٰ تک جو کچھ اس میں ہے سب دکھائی دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج تیس سال کا عرصہ ہونے کو ہے کہ میں لب بند کیے ہوئے بیٹھا ہوں پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا: اے درویش جب تک تو کم نہ بولے گا اور لوگوں سے میل جول کم نہ کرے گا درویشی کا جوہر ہرگز تم میں پیدا نہ ہوگا، کیوں کہ درویش لوگوں کا گروہ ہے جس نے اپنے لیے نیند حرام کی ہے اور بات کرنے میں زبان گونگی بنالی ہے اور عمدہ کھانے کو مٹی میں ملا دیا ہے، اور لوگوں کی صحبت کو زہریلے سانپ کی طرح خیال کیا ہے، تب کہیں قرب الٰہی حاصل کیا ہے۔

فرمایا کہ اگر درویش عمدہ لباس پہنے یعنی خلعت کے دکھاوے کے لیے تو ٹھیک جانو کہ وہ درویش نہیں بلکہ راہ سلوک کا راہ زن ہے، اور جو درویش نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ کھانا پیٹ بھر کر کھائے تو یقین جانوں وہ بھی راہ سلوک میں دروغ گو جھوٹا مدعی اور خود پرست ہے، اور جو دروویش کہ دولت مند کی ہم نشینی کرتا ہے اسے درویش نہ خیال کرو بلکہ وہ طریقت کا مرتد ہے، اور جو درویش نفسانی خواہش کے مطابق خوب دل کھول کر سوتا ہے یقین جانو کہ اس میں کوئی نعمت نہیں۔

فرمایا کہ میں ایک دفعہ ایک دریا کی طرف سیر کر رہا تھا ایک بزرگ اور مال دار درویش

کو دیکھا، لیکن ساتھ ہی اسے مجاہدے میں یہاں تک پایا کہ اس کے وجود مبارک پر ہڈیاں اور چمڑا بھی نہیں رہا تھا، الغرض اس درویش کا یہ طریقہ تھا کہ جب نماز چاشت ادا کرتا اور سجادے پر بیٹھتا تو اس کے دستر خوان پر تقریباً اڑھائی من کھانا ہوتا، چاشت سے ظہر کی نماز تک جو شخص آتا کھانا کھا کر چلا جاتا، اگر کوئی ننگا ہوتا تو اسے حجرے میں لے جا کر کپڑا پہناتا، اور جب کھانا ختم ہو جاتا، اور کوئی مسکین اور عاجز آجاتا تو مصلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ اس کا نصیب ہوتا اسے دے دیتا۔

الغرض دعا گو چند روز اس بزرگوار کی خدمت میں رہا جب افطار کا وقت ہوتا چار کھجوریں عالم غیب سے پہنچ جاتیں، ان میں سے دو مجھے دیتا اور دو خود کھا لیتا اس کے بعد کہتا کہ جب تک درویش کم نہ کھائے اور کم نہ سوئے اور کم نہ بولے اور لوگوں کے میل جول کو ترک نہ کرے کسی مرتبے کو نہیں پہنچتا۔[20]

خوف الٰہی: آپ نے فرمایا کہ خوف الٰہی تازیانہ (کوڑا) ہے، جو بے ادبوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، تاکہ جو شخص بے ادبی کرے، اسے لگائیں یہاں تک کہ درست ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ جس دل میں خوف الٰہی ہوتا ہے اسے پاش پاش کر دیتا ہے، پھر فرمایا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو ایک زحمت تھی، ہارون رشید نے ایک آتش پرست طبیب کو بلایا جو بہت ماہر تھا جب قریب آکر خواجہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے سینے پہ ہاتھ رکھا، تو نعرہ مار کر بے ہوش ہو گیا اور گر پڑا، اور کہا: سبحان اللہ دین محمدی میں ایسے مرد بھی ہیں کہ جن کا دل خوف الٰہی سے پاش پاش ہو گیا ہے، اس طبیب نے فوراً کلمہ پڑھا اور دین قبول کیا جب یہ خبر ہارون رشید نے سنی تو کہا کہ میں نے تو طبیب کو بیمار کے پاس بھیجا ہے، لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ بیمار کو طبیب کے پاس بھیجا ہے۔

پھر فرمایا کہ اہل سلوک کا قول ہے کہ اگر درویش دولت مندی چاہے تو دولت مند سے محبت کرے اور محبت الٰہی کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنی خواہشوں سے نا امید

---

(۲۰) فوائد السالکین، ص: ۳۰-۴

ہو جائے، تب کہیں ان مقامات کو حاصل کر سکے گا اور اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کا کام بگڑ جائے گا، اس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کہ اے فرید! تو دنیا اور آخرت میں ہمارا یار ہے، لیکن غافل ہر گز نہ ہونا۔

کیوں کہ اہل سلوک کا قول ہے کہ طریقت کی راہ از بس پُر خوف ہے، جو شخص اس راہ میں قدم رکھتا ہے، اگر وہ اہل سلوک کے فرمان کے مطابق عمل نہ کرے تو کبھی خدا رسید نہیں ہو سکتا اور جب تک عاجزی اور غم سے اندر آنے کی اجازت نہ مانگے، وہ ہر گز باریاب نہیں ہو سکتا اور جب تک سر کے بل نہ چلے وہ بار گاہ الٰہی میں نہیں پہنچ سکتا۔ (۲۱)

اللہ کی حفاظت میں: فرمایا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری جو اس دعا گو کے یار غار ہیں، دریا کی طرف سیر کر رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات کا نظارہ کر رہے تھے جس کی صفت بیان نہیں ہو سکتی دریا کے نزدیک ایک مقام تھا جہاں پر ہم دونوں بیٹھ گئے اور بھوک نے ہم دونوں کو لاچار کر دیا، وہاں بیابان میں کھانا کہاں سے مل سکتا تھا، الغرض کچھ وقت کے بعد ایک بکری منہ میں دو روٹیاں لیے ہوئے آئی اور روٹیاں ہمارے سامنے رکھ کر واپس چلی گئی ہم نے دو روٹیاں کھالیں، اس کے بعد ہم نے آپس میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں روٹیاں اپنے خزانۂ غیب سے عطا کی ہیں، وہ بکری نہیں تھی بلکہ وہ مردان غیب سے کوئی ہو گا، ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک بچھو ایک بڑے اونٹ کے قد کا ظاہر ہوا، اسی طرح جیسے کمان سے تیر نکلتا ہے، اور ڈورتا ہوا آیا، جوں ہی کہ دریا کے پاس پہنچا بے ڈھڑک پانی میں چھلانگ لگا دی میں نے قاضی کی طرف دیکھا، اور قاضی نے میری طرف دکھا، ہم دونوں نے کہا کہ اس میں کوئی بھید ہے جو بچھو جلدی جلدی آرہا ہے مناسب ہے کہ ہم بھی اس کے پیچھے چل کر دیکھیں، لیکن دریا کے اس کنارے پر کوئی کشتی موجود نہ تھی، جس پر سوار ہو کر ہم پار جاتے جب عاجز ہو گئے تو دعا کی اے پروردگار! اگر ہم درویشی میں مکمل ہو چکے ہیں تو ہمیں دریا راستہ دے دے تاکہ ہم چل کر اس بچھو کا تماشا دیکھیں کہ کہاں جاتا ہے، جوں ہی یہ مناجات ہم نے کی تو اللہ

---

(۲۱) فوائد السالکین، ص:۳۵

تعالیٰ کے حکم سے یہ دریا پھٹ گیا اور خشک زمین نکل آئی ہم دونوں پار گئے وہ بچھو ہمارے آگے تھا، اور ہم پیچھے پیچھے چل دیے ہم ایک درخت کے پاس پہنچے جہاں ایک آدمی سویا پڑا تھا اور درخت سے ایک بڑا سانپ نیچے اتر رہا تھا تا کہ اس شخص کو ہلاک کرے، اس بچھو نے سانپ کو ڈنک مارا اور ہلاک کر دیا ہمارے سامنے سے وہ بچھو غائب ہو گیا اور سانپ اس آدمی کے پاس ہی مردہ ہو کر گر پڑا، ہم نے نزدیک جاکر سانپ کو دیکھا، جو تقریباً اڑھائی من وزن میں ہوگا، ہم نے کہا جب وہ آدمی جاگے تو ہم دریافت کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جو اسے بچایا تو یہ ضرور کوئی بزرگ ہوگا، جب ہم اس کے پاس گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ شراب پی کر پڑا ہے، اور قے کی ہوئی ہے، ہم از حد شرمندہ ہوئے اور کہا کہ کاش ہم نہ ہی آتے تا کہ اس طرح کی حالت نہ دیکھتے، اس کے بعد ہم دونوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شراب خور اور نافرمان کو بچایا، ابھی یہ خیال پورے طور پر ہمارے دل میں نہ گزرا تھا، غیب سے آواز آئی اے عزیزو! اگر ہم صرف پرہیز گاروں اور صالح آدمیوں کو بچائیں تو گنہ گاروں اور مفسدوں کو کون بچائے؟ ابھی ہم اسی گفتگو میں تھے کی وہ مرد جاگ پڑا اور سانپ کو پاس مرا ہوا دیکھا، تو بہت ہی حیران ہوا، اور اس فعل سے توبہ کی، کہتے ہیں کہ جوان خدا رسیدہ بن گیا اور سترحج ننگے پاؤں کیے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب لطف الٰہی کی نسیم چلتی ہے تو لاکھوں شرابیوں کو صاحب سجادہ بنا دیتی ہے اور بخش دیتی ہے اور خدا نہ کرے اگر قہر کی ہوا چلے تو لاکھوں سجادہ نشینوں کو راندۂ درگاہ بنا دیتی ہے اور سب کو شراب خانوں میں ڈھکیل دیتی ہے، تو اے بھائی! اس راہ میں بے غم نہیں ہونا چاہیے اس واسطے کہ اس راہ میں کامل سلوک والے دن رات ہر وقت فراق کے ڈر اور خوف سے حیران اور غمگین رہتے ہیں کیوں کہ کسی کو معلوم نہیں کہ کس طرح ہوگا۔ (۲۲)

توبہ: انسان توبہ کرے تو پھر اسے گناہوں سے میل جول نہیں رکھنا چاہیے، جن سے وہ پہلے رکھتا تھا کہ کہیں پھر اسی گناہ میں مشغول نہ ہو جائے، کیوں کہ انسان کے لیے

---

(۲۲) فوائد السالکین، ص:۷-۸-۹

بری صحبت سے بڑھ کر اور کوئی بری چیز نہیں، اس واسطے کہ صحبت کا اثر ضرور ہوجایا کرتا ہے، اور اسے چاہیے کہ خود بھی جس کام سے توبہ کی ہے اس سے کنارہ کشی کرتا رہے اور اسے اپنا دشمن خیال کرتا رہے، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خواجہ حمید الدین بہلوانی ایک مرد بزرگ جو حضرت خواجہ معین الدین کے مریدوں میں سے تھے، اور اس دعا گو کے ہم خرقہ تھے، جب انھوں نے توبہ کی تو یار اور ہم نشیں پھر آئے اور آپ سے کہا کہ آؤ! پھر وہی عیش لوٹیں، خواجہ حمید الدین بہلوانی نے وہاں جانے سے انکار کیا اور کہا کہ جاؤ! گوشہ میں بیٹھو، اور اس مسکین کو چھوڑ دو کہ میں نے اپنا ازار بند ایسا مضبوط باندھا ہے کہ بہشت میں حوروں پر بھی نہیں کھلے گا۔ (۲۳)

دنیا: فرمایا کہ سالک کے لیے دنیا سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں، اس واسطے کہ کوئی شخص اس وقت تک خدا رسید نہیں ہوتا، جب تک وہ دنیا میں مشغول رہتا ہے، اور اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان دنیا سے بڑھ کر اور کوئی حجاب نہیں، تو جو شخص دنیا میں مشغول ہوجائے وہ خدا سے باز رہتا ہے، لوگ جس قدر دنیا میں مشغو رہتے ہیں اسی قدر خدا کی طرف سے غافل رہ جاتے ہیں اور اس سے جدا ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ جب دنیا میں دنیا کی محبت رکھی گئی تو تمام فرشتوں نے اس بات پر رو دیا ،لیکن ابلیس لعین خوش ہوا اور کہا کہ آدم علیہ السلام کے فرزندوں میں فساد کی بنیاد ڈالی گئی، اس واسطے کہ اس مردار کی خاطر بھائی بھائی کو ہلاک کر دے گا، رشتے دار قطع تعلق کر لیں گے، کئی شہر خراب ہوجائیں گے ، آدمی ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے، ایک دوسرے سے عدوات رکھیں گے، ہلاک ہوجائیں گے اور دنیا برقرار رہے گی۔

اس دنیا کی محبت کو لعنتی شیطان نے بڑی تعظیم و تکریم سے سر آنکھوں پر رکھا، حکم ہوا اے عزازیل! تو نے یہ کیا کیا کہ دنیا کہ محبت کو بڑے ادب کے ساتھ سر آنکھوں پر رکھا، اس نے کہا: اے پرور دگار! دنیا کو میں نے اس واسطے سر آنکھوں پر رکھا ہے کہ جو شخص اسے دوست رکھے گا اور اس میں مشغول رہے گا وہ میرا پیرو ہوگا اور میں اسے اور بھی اس میں

---

(۲۳) فوائد السالکین، ص: ۲۴

مشغول کروں گا یہاں تک اسے تمام طاعتوں، عبادتوں اور نیکیوں سے باز رکھوں گا تو وہ گنہ گار میرا بن جائے گا اور میں اسے ہلاک کر دوں گا اور اس کا مال دوسرے لوگ کھائیں گے اور درمیان سے اٹھ جائے گا۔

پھر خواجہ قطب الاسلام نے زبان مبارک سے فرمایا کہ دنیا کیسی بے وفا اور مکار ہے، پھر فرمایا کہ دنیا سب کی دوست ہے، لیکن درویشوں کی نہیں کیوں کہ انھوں نے اسے رد کر دیا ہے اور اپنے آپ سے دور کر دیا ہے۔

پھر فرمایا خواجہ یوسف چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دین محمدی میں ایسے مردان خدا بھی ہوں گے کہ دنیا ہزاروں مرتبہ درویشوں کے دروازے پر آئے گی اور کہے گی کہ اے خواجگان! اگر آپ مجھے قبول نہیں کرتے تو کسی وقت بڑھیا کی طرف نظرہ ڈال لیا کرو، لیکن وہ فرمائیں گے کہ جا چلی جا، اگر دوسرے دفعہ آئے گی، تو ہلاک ہو جائے گی۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک سیاہ رنگ بد صورت بڑھیا عورت کو دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے، اس نے کہا کہ میں بوڑھی دنیا ہوں عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تو نے کتنے شوہر کیے ہیں؟ اس نے کہا بے حد اور بے شمار اگر ان کی گنتی ہو تو شمار کروں، عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ ان میں سے کسی خاوند نے تجھے طلاق بھی دی؟ اس نے کہا کہ میں سب کو قتل کیا ہے۔[۲۴]

بیعت کرنے کی شرط: قاضی حمید الدین ناگوری مولانا شمس الدین ترک، خواجہ محمود، مولانا علاء الدین کرمانی، سید نور الدین غزنوی شیخ نظام الدین ابوالمؤیّد اور کئی بزرگ حاضر تھے، اولیا کے کشف اور کرامات کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی، خواجہ قطب الاسلام نے زبان مبارک سے فرمایا کہ شیخ میں اس قدر دل کی قوت اور ضمیر کی صحبت ہونی چاہیے کہ جب کوئی شخص اس کے پاس بیعت ہونے کے لیے جائے، تو اس پر واجب ہے کہ اپنی قوت باطنی سے اس شخص کے سینے کے زنگار کو جو دنیاوی الائشوں سے آلودہ ہو صیقل کرے، تاکہ جھوٹ، دغا، فریب، حسد، برائی اور دنیوی الائشوں سے کوئی

---

(۲۴) فوائد السالکین، ص: ۳۱-۳۲

کدورت بھی اس کے دل میں نہ رہے، اس کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر معرفت کے بھیدوں سے واقف کرادے، اگر پیر کو اس قدر قوت حاصل نہ ہو تو تحقیق جان! کہ پیر اور مرید دونوں گم راہی کے جنگل میں سرگردان ہوں گے۔ (فوائد السالکین، ص: ۲)

سجادگی کی شرائط: حضرت مولانا بدر الدین اسحاق فرماتے ہیں کہ بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اے درویش! سجادہ پر وہ بیٹھے جو عالم توکل میں ہو، اور اپنی روزی اور دوسری ضروریات کے لئے کسی مخلوق سے اپنی امید وابستہ نہ کرے اگر وہ ایسا نہیں ہے تو وہ سجادہ نشیں ہونے کے لائق نہیں ہے، بلکہ اہل تصوف کے نزدیک جھوٹا دعویٰ کرنے والا ہے۔

دین و دنیا کی سعادت: حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ درویش لوگوں کو کلاہ اس وقت تک نہ دے جب تک کہ رضائے حق کی یہ چار چیزیں خود اپنے اندر نہ پالے، پہلے یہ کہ سجادہ پر سے سوائے قضائے حاجت کے اور کسی وقت نہ اٹھے اور اپنے عبادت خانہ کو اس وقت تک نہ کھولے جب تک کوئی خاص بات عالم غیب سے نہ ظاہر ہو، دوسرے جب کوئی آنے والا مرید ہونے کی نیت سے آئے اور کلاہ طلب کرے جب تک اس کا ظاہر و باطن معرفت کی روشنی سے منور نہ دیکھ لے، کلاہ اس کو عطا نہ کرے تیسرے اپنے جماعت خانے میں علم کا سلسلہ جاری رکھے اور جب کوئی شخص اس سے کسی مسئلے کے بارے میں پوچھے وہ فوراً اس کا جواب دے اور کتاب وغیرہ کا حوالہ دے کر نہ ٹالے، چوتھے اس کو کہیں کی ولایت مل چکی ہو، اس کے بعد جب کوئی شخص اس کا مرید ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ کر خدا کے سپرد کردے، لیکن ولایت کے معنیٰ یہ ہیں کہ اپنے انتقال کے بعد سجادہ کسی کو دے دے اور حوالہ کردے، اور اگر نہ دے تو اپنے ساتھ لے جائے۔

جیسے ہی کہ شیخ الاسلام اس حروف پر پہنچے ظہر کی نماز کے لئے اذان ہوگئی، وہ اٹھ گئے اور ہم لوگ واپس ہوگئے۔

بیماری صحت ایمان کی دلیل ہے:

ایک مرتبہ شیخ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا، سلطان شمس الدین نے اپنے وزیر کو شیخ کے پاس بھیجا کہ فاتحہ اور دعا کی درخواست فرمائیں، بادشاہ کی طبیعت ناساز ہوگئی ہے ممکن ہے کہ آپ کی دعا سے انہیں صحت ہو جائے، جب وزیر نے یہ درخواست پیش کی، خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ سب لوگ بادشاہ کے لئے دعا مانگیں، جب سب لوگوں نے دعا مانگ لی تو حضرت شیخ وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولے کہ جاؤ، باشاہ کو صحت ہوگئی ہے، لیکن یہ جان لو کہ جس شخص کو کوئی بیماری ہوتی ہے تو یہ اس کے ایمان کی صحت اور سلامتی کی دلیل ہے، اور وہ گویا گناہ سے پاک ہوتا ہے۔

کشف و کرامت

مجھے زندہ سمجھ:

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ میں آپ کی زیارت کے لیے قبر پر حاضر ہوا تھا میرے دل میں یہ بات آئی کہ جو آدمی بزرگوں کی زیارت کے لیے آتا ہے تو انھیں اس آدمی کے آنے کی خبر ہوتی ہے یا نہیں، روضہ کے نزدیک مشغول مراقبہ ہوگیا اسی عالم محویت میں میں نے روضہ مبارک سے یہ شعر سنا:

مرا زندہ پندار چوں خویشتن ۔۔۔ من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

مجھے اپنی طرح زندہ سمجھ تم اگر جسمانی طور پر آتے ہو تو میں روحانی طور پر۔ (۲۵)

پہلے چھپائے ہوئے سکے کھا:

سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ ایک بار شیخ قطب الدین کے پاس ایک آدمی نے اپنے افلاس اور غریبی کی شکایت کی، شیخ نے فرمایا اگر میں کہوں کہ میری نگاہ عرش معلی کو دیکھ رہی ہے تو کیا یقین کر لوگے، اس نے کہا ہاں، ہاں بلکہ اس سے بھی آگے، آپ نے فرمایا:

---

(۲۵) سیر الاولیا، ص: ۵۰

بہت خوب جب تم اس قدر جانتے ہو تو پھر چاندی کے وہ اسی سکّے جو تم نے گھر میں چھپا رکھے ہیں کیوں نہیں کھاتے، پہلے اس کو استعمال کرلو پھر افلاس کا رونا روؤ، وہ آدمی سخت نادم ہوا زمین خدمت کو بوسہ دیا اور لوٹ گیا۔ (۲۶)

سنہرے سکوں کی نہر:

ملک اختیار الدین ایک حاجب آپ کی خدمت میں کچھ روپے بطور نذرانہ لایا، آپ نے قبول نہ کیا اس کے بعد آپ جس بوریے پر بیٹھے ہوئے تھے اسے ذرا سرکا دیا اور ملک اختیار الدین نے دیکھا کہ اس بوریے کے نیچے سنہرے سکوں کی نہر رواں ہے، فرمایا ہمیں تمھارے لائے ہوئے نذرانے کی حاجت نہیں اسے واپس لے جا۔ (۲۷)

خلافت و جانشینی

حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک عرصے تک دہلی میں رہ کر دعوت و تبلیغ اور ارشاد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے، جب مرشد کے شوق دیدار نے آپ کو بے قرار کر دیا تو اجازت پا کر اجمیر شریف پہنچے اور پابوسی کی سعادت حاصل کی کچھ دنوں وہاں قیام فرمایا جب واپسی کا وقت قریب آیا تو حضرت خواجۂ بزرگ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا:

ہمیں اس جگہ لایا گیا ہے، یہیں ہمارا مدفن ہوگا، ہم چند ہی روز میں اس دنیا سے سفر کر جائیں گے۔

اس وقت شیخ علی سجزی وہاں حاضر تھے حکم ہوا کہ فرمان خلافت و جانشینی تحریر کیا جائے اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی کو سپرد کر دیا جائے اور وہ دہلی چلے جائیں کیوں کہ ہم نے انھیں خلافت دی ہے اور وہی ان کا مقام ہے۔

حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جب فرمان خلافت و جانشینی لکھا جا چکا تو

---

(۲۶) سیر الاولیا، ص: ۵۲

(۲۷) سیر الاولیا، ص: ۵۳

مجھے عطا ہوا، میں آداب بجالایا حکم ہوا کہ قریب آؤ! جب قریب آیا تو دستار اور کلاہ میرے سر پر رکھی اور شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عصا دیا، زرہ پہنائی ساتھ ہی قرآن شریف اور مصلیٰ بھی عنایت فرمائے اور فرمایا کہ یہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمارے خواجگان چشت کو بطور امانت ملے ہیں، ہم نے تجھے دے کر روانہ کیا جس طرح انھوں نے ہم تک پہچائی ہے، تم آگے پہنچا دینا اور اس کا حق ادا کرنا تا کہ قیامت کے دن ہم خواجگان کے روبہ رو شرمندہ نہ ہوں، میں آداب بجالایا اور خواجہ صاحب نے دوگانہ ادا کر کے فرمایا: جا، تجھے خدا کے سپرد کیا اور منزل تک عزت سے پہنچایا۔

اس کے بعد آپ نے یہ نصیحت فرمائی: چار چیزیں نہایت نفیس گوہر ہیں:

اول وہ درویش جو اپنے آپ کو دولت مند ظاہر کرے۔

دوسرے بھوکا جو اپنے آپ کو سکم سیر ظاہر کرے۔

تیسرے غم ناک جو اپنے آپ کو خوش ظاہر کرے۔

چوتھے جس سے دشمنی ہو اسے دوست دکھائی دے۔

پھر فرمایا کہ اہل محبت کا مرتبہ ایسا ہے کہ اگر اس سے پوچھیں کہ تم نے رات کی نماز ادا کی تھی، تو کہہ دے کہ مجھے فرصت نہیں، ہم ملک الموت کے گرداگرد گھومتے ہیں جہاں وہ جاتا ہے وہیں اسے پکڑتے ہیں خواجہ صاحب یہی فوائد بیان کر رہے تھے، میں (بختیار کاکی) نے چاہا کہ قدم بوسی کر کے روانہ ہوؤں، چوں کہ آپ روشن ضمیر تھے، فوراً معلوم کر لیا، فرمایا: نزدیک آ! میں نے اٹھ کر سر قدموں پہ رکھ دیا، فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ غم نہ کرو! اور مردہ نہ بنو! میں آداب بجالا کر واپس آیا، جب دہلی پہنچا تو تمام امام اور اہل صفا میرے پاس آئے۔

دہلی آئے چالیس روز گزرے تھے کہ خبر پہنچی کہ خواجہ صاحب میرے روانہ ہونے کے بعد بیسویں روز اس جہاں فانی سے کوچ فرما گئے، اسی رات دل خراب مصلیٰ پر بیٹھ کر سو گیا دیکھا خواجہ صاحب عرش کی زمین پر کھڑے ہیں میں نے سر قدم پر رکھ دیا، اور احوال دریافت کیا، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بخش دیا، مقرب فرشتوں اور ساکنان عرش کے

پاس جگہ دی میں یہیں رہوں گا۔ (۲۸)

تفویض خلافت کے تعلق سے میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متواتر چالیس روز رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، ان کے ساتھ مشایخ کی روحیں بھی تھیں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

اے معین الدین! قطب الدین بختیار کاکی دوست خدا است او را خلافت بدہ و خرقۂ گلیم بہ پوشاں۔

اے معین الدین، قطب الدین بختیار کاکی خدا کا دوست ہے اسے خلافت او خرقہ گلیم پہنا۔

ایک رات خواب میں رب والجلال کا دیدار ہوا تو ارشاد فرمایا:

اے معین الدین قطب الدین بختیار را خرقۂ گلیم عطا کن و خلافت بدہ کہ او دوست من و دوست محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم است۔

اے معین الدین، قطب الدین بختیار کو خرقۂ گلیم عطا کر اور خلافت سے نواز کیوں کہ وہ میرا محبوب اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دوست ہے۔

ابھی حضرت خواجہ قطب الدین نوجوان تھے اور داڑھی بھی خوب نمایاں نہ تھی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انھیں خرقہ پہنایا اور اپنا خلیفہ نامزد فرمایا اور حکم دیا کہ دہلی جاؤ کہ ہم تمھیں تمام مشایخ کا سردار بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام مشایخ تیرے گرویدہ ہوجائیں اور تیرے حضور با ادب رہیں اور تجھ سے نفع حاصل کریں۔ (۲۹)

خلفاے کرام: قطب الاسلام حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفا کی تعداد بہت بتائی جاتی ہے، سوانح نگاروں نے اپنی اپنی تصانیف میں مختلف نام درج کیے ہیں، درج ذیل فہرست پروفیسر مولانا غلام یحییٰ انجم صاحب کی کتاب "جانشین غریب نواز" سے لی

---

(۲۸) دلیل العارفین، ص:۵۸،۵۹

(۲۹) سبع سنابل۔ص:۲۳۰

گئی ہے اور خواجہ عماد الدین بلگرامی کا نام علامہ آزاد بلگرامی کی کتاب مآثرالکرام سے اخذ ہے:

۱۔ شیخ فرید الدین گنج شکر
۲۔ شیخ بدر الدین غزنوی
۳۔ شیخ برہان الدین بلخی
۴۔ شیخ ضیاء الدین رومی
۵۔ سلطان شمس الدین التمش
۶۔ مولان فخر الدین حلوائی
۷۔ خواجہ پیرو
۸۔ شیخ سعد الدین خلیفہ
۹۔ شیخ محمود بہاری
۱۰۔ شیخ محمد حاجزی
۱۱۔ سلطان ناصر الدین غازی
۱۲۔ قاضی حمید الدین ناگوری
۱۳۔ مولانا شیخ محمد
۱۴۔ مولانا برہان الدین حلوائی
۱۵۔ شیخ محمد تماجی
۱۶۔ شیخ احمد بینی
۱۷۔ شیخ حسن دانا
۱۸۔ شیخ فیروز
۱۹۔ شیخ بدر الدین موے تاب
۲۰۔ شاہ خضر قلندر رومی
۲۱۔ شیخ نجم الدین قلندر
۲۲۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر
۲۳۔ شیخ تاج الدین منور اوشی
۲۴۔ شیخ صوفی بدھنی
۲۵۔ حضرت خواجہ حسن خیاط
۲۶۔ شیخ منیر الدین دہلوی
۲۷۔ شیخ احمد رئیس
۲۸۔ شیخ امام الدین ابدال
۲۹۔ شیخ جلال الدین ابوالقاسم تبریزی
۳۰۔ شیخ احمد نہروانی
۳۱۔ شیخ محمد ترک نارنولی
۳۲۔ شیخ نظام الدین ابوالموئد
۳۳۔ شیخ سعد الدین
۳۴۔ خواجہ عماد الدین بلگرامامی
۳۵۔ سلطان نصیر الدین غازی
۳۶۔ شیخ محمد صغریٰ بلگرامی

ان خاصان خدا کی بہ دولت اسلامی تعلیمات عام ہوئیں، ان کی خدا ترسی اور رسول دوستی نے جہاں مسلمانوں کے ایمان کو جلا بخشی وہیں غیر مسلموں کو قبول اسلام کا حوصلہ عطا کیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حوض شمسی: سلطان شمس الدین التمش کے دور میں دہلی کے اندر پانی کی قلت تھی، اس لیے سلطان کی خواہش تھی کہ دہلی کے اندر ایک تالاب بنوا دیا جائے تاکہ خلق خدا اس سے سیراب ہو سکے، اس کے بعد صاحب سیر العارفین مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی کی زبان سنیے:

سلطان شمس الدین التمش کے دل میں عرصے سے یہ خیال تھا کہ شہر کے قریب ایک حوض بنوائے کہ خدا کی مخلوق اس کے پانی سے فیض یاب ہو، چوں کہ پانی شہر سے دور تھا لوگ کنوئں کا پانی استعمال کرتے تھے اتفاق سے سلطان شمس الدین ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ ایک جگہ گھوڑے پر سوار کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے شمس الدین! اگر تو حوض بنوانا چاہتا ہے تاکہ خلق خدا کو اس سے آرام ملے تو جس جگہ میں کھڑا ہوا ہوں اس جگہ بنا، جب سلطان شمس الدین بیدار ہوا تو اس نے اس جگہ کو کہ جس کے متعلق حضرت رسول کریم ﷺ کا حکم تھا بہت تلاش کیا کہ کہاں ہے؟ یک مصاحب کو حضرت خواجہ قطب الملۃ والدین کے پاس بھیجا اور اطلاع دی میں نے خواب میں دیکھا ہے اگر حضور کی اجازت ہو تو میں آؤں اور عرض کروں، یہ بات حضرت خواجہ قطب الدین کو بھی معلوم ہو چکی تھی حضرت رسول کریم ﷺ نے سلطان مذکور کو اس امر کی بشارت فرمائی ہے کہ فلاں خاص زمین پر حوض بنایا جائے حضرت خواجہ قطب الدین نے جواب دیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ جلد چلے آؤ میں بھی اس جگہ چلتا ہوں کہ جس جگہ کی بابت حضرت نبی کریم ﷺ نے حوض بنانے کا حکم فرمایا ہے، جب مصاحب مذکور سلطان کے پاس پہنچا تو جو کچھ سنا تھا ظاہر کیا، سلطان فوراً حضرت شیخ کی جانب روانہ ہوا جب ان کے گھر پہنچا تو ایک ملازم سے معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ قطب الدین فلاں جگہ تشریف رکھتے ہیں سلطان بھی اس جگہ پہنچ گیا، دیکھا کہ حضرت شیخ نماز پڑھ رہے ہیں دوگانہ ادا کرنے کے بعد سلطان مذکور نے حضرت شیخ (قطب الدین بختیار کاکی) کے ہاتھ کو بوسہ دیا کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ کے گھوڑے کے سموں

کے نشان اس جگہ ظاہر ہوگئے تھے اور وہاں سے پانی بھی جاری ہوگیا تھا، اسی جگہ کو حوض بنایا گیا اور اس جگہ... کہ جہاں سموں کے نشان ظاہر ہوئے تھے ایک عمارت بنادی گئی اور اس حوض کو مکمل کرادیا گیا اور اس جگہ سے ایک سیراب کرنے والا چشمہ جاری کیا گیا کہ جو کبھی خشک نہیں ہوتا اور اس چشمے سے اکثر باغات کی آب یاری کی جاتی ہے۔ (سیر العارفین، ص:۳۳-۳۴)

مرآۃ الاسرار میں ہے کہ عجیب پر فیض مقام ہے کہ بے شمار اولیا اللہ اس کے گرد آرام فرما رہے ہیں، خواجہ قطب الاسلام (بختیار کاکی) اور حمید الدین ناگوری اکثر اوقات وہاں جاکر مشغول ہوا کرتے تھے، ایک بزرگ نے خوب لکھا ہے:

برزمینِ کہ نشانِ کفِ پائے تو بود   سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

جس زمین پر اے محبوب! تیرے نشان قدم پڑے سالہا سال صاحبان معرفت وہاں سجدے کرتے رہیں گے، (مرآۃ الاسرار، ص:۶۹۰)

آخری آرام گاہ کا انتخاب: حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنی قبر کے لیے زمین خرید لی تھی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

عید کا دن تھا شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عید گاہ سے واپسی میں اس جگہ تشریف لائے جہاں آج کل حضرت کا روضۂ مبارک ہے، (اس زمانے میں) یہ زمین جنگل تھی اور کوئی قبر اور گنبد وہاں نہ تھا حضرت شیخ وہاں تشریف لائے اور کچھ دیر وہاں کھڑے ہوکر سوچنے لگے، احباب جو ساتھ میں تھے انھوں نے عرض کی کہ آج عید کا دن ہے اور لوگ منتظر ہیں کہ مخدوم گھر آکر کھانا تناول فرمائیں، حضور یہاں تاخیر کیوں فرما رہے ہیں، شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے، اسی وقت اس زمین کے مالک کو طلب کیا گیا، شیخ نے وہ زمین اپنے ذاتی مال سے خرید لی اور وہاں اپنے دفن ہونے کا حکم فرمایا، خواجہ (نظام الدین اولیا) ذکرہٗ اللہ بالخیر جب اس بات پر پہنچے تو آنکھوں میں آنسوں بھر لائے اور کہا کہ یہ جو فرمایا ہے کہ یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے تو دیکھو کہ یہاں کون

کون سورہا ہے۔[۳۰]

وفات: حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رحلت فرماجانے کے بعد حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بجھے بجھے سے رہنے لگے شیخ کی جدائی کا صدمہ انھیں جسمانی طور پر کمزور کرتا رہا، جدائی کا یہ غم آپ زیادہ دنوں تک برداشت نہ کرسکے۔

آپ کی وفات بروز دوشنبہ چودہ ماہ ربیع الاول ۶۳۳ھ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر پچاس سال تھی، ایک روایت کے مطابق باون سال تھی، ایک اور روایت کے مطابق چونسٹھ سال تھی، ایک اور روایت میں پچھتر سال بتائی گئی ہے، آپ دہلی میں حوض شمسی کے قریب دفن ہوئے۔[۳۱]

شیخ علی سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ میں میں محفل سماع منعقد تھی اور شیخ قطب الدین نوراللہ مرقدہٗ تشریف فرما تھے، قصیدہ خواں جب اس شعر پر پہنچا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگراست

خنجر تسلیم کے مقتولوں کو ہر وقت غیب سے ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

شیخ قطب الدین قدس سرہٗ العزیز پر اس شعر سے وجد و حال کی کیفیت طاری ہوگئی، جب وہاں سے گھر آئے تو مدہوش اور متحیر تھے، فرماتے تھے کہ یہی شعر پڑھے جاؤ چنانچہ یہی شعر ان کے سامنے پڑھا جاتا رہا اور وہ اسی طرح بے خودی کے عالم میں رہتے، سوائے اس کے کہ جب نماز کا وقت آتا تھا، تو نماز ادا فرماتے پھر یہی شعر پڑھواتے، حال آجاتا اور بے خودی پیدا ہوجاتی، چار رات دن یہی حالت رہی، پانچویں رات رحلت فرمائی، شیخ بدر الدین غزنوی فرماتے ہیں کہ میں اس رات حاضر تھا، جب شیخ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو مجھے کسی قدر غنودگی تھی، خواب میں دیکھا کہ شیخ قطب الدین قدس سرہٗ العزیز جیسے اپنی جگہ سے اٹھ رہے ہیں اور اوپر کی طرف جارہے ہیں اور مجھ سے فرمارہے ہیں کہ دیکھو بدر الدین! اللہ کے دوستوں کے لیے موت نہیں ہے! جب میں

---

(۳۰) فوائد الفواد، ج:۵، ص:۹۸۶ مجلس بستم و پنجم

(۳۱) مرآۃ الاسرار، ص:۶۹۴

بیدار ہوا تو شیخ دار بقا کو رحلت فرما چکے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (۳۲)

انھیں دنوں حکیم شمس الدین کے پاس آپ کا قارورہ بھیجا گیا تاکہ بیماری کی اصل وجہ دریافت کی جائے، اس نے قارورہ دیکھتے ہی کہا:

ایں دلیل مردے است کہ سوختہ است بہ آتش محبت و جگر او بگداستہ است۔

یہ کسی ایسے شخص کا قارورہ ہے جو آتش عشق میں جل بھن چکا ہے اور اس کا دل بالکل کباب ہو چکا ہے۔

طبیب مذکور اپنے اس نظریے میں بالکل سچا تھا۔ (۳۳)

مرآۃ الاسرار میں ہے کہ تیسرے دن جب استغراق کا غلبہ زیادہ ہو گیا تو قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدرالدین غزنوی نے عرض کی کہ آپ کے خلفا میں سے کس کے لیے حکم ہے کہ آپ کی مسند پر بیٹھے، آپ نے فرمایا: دستار خرقہ، مصلا اور نعلین چوبیں (کھڑاؤں) جو خواجہ بزرگ سے مجھے ملے ہیں شیخ فرید الدین مسعود کو پہنچا دینا کیوں کہ میرے جانشین وہی ہیں، یہ کہ کر آپ نے جان مشاہدۂ حق میں تسلیم کر دی۔ (۳۴)

نماز جنازہ: وفات کی خبر سنتے ہی دہلی اور اس کے اطراف میں کہرام مچ گیا، مریدین اور متعلقین کے درمیان صف ماتم بچھ گئی، جنازہ تیار ہوا، جنازے میں شرکت کے لیے عوام و خواص کا ایک جم غفیر تھا، خود شمس الدین التمش بھی باچشم گریاں حاضر تھا، جب نماز جنازہ کا وقت ہوا تو حضرت مولانا ابو سعید نے اعلان کیا کہ حضرت قطب الاقطاب کی وصیت تھی کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کے اندر یہ اوصاف پائے جائیں۔

۱۔ جو کبھی فعل حرام کا مرتکب نہ ہوا ہو۔
۲۔ جس کی عصر کی سنت کبھی قضا نہ ہوئی ہو۔
۳۔ جس کی فرض نماز کی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہوئی ہو۔

---

(۳۲) فوائد الفواد، جلد:۴، ص:۲۴۶، مجلس بستم
(۳۳) سیر الاولیا، ص:۵۶
(۳۴) مرآۃ الاسرار، ص:۶۹۴

جب یہ آواز لوگوں کی سماعتوں سے ٹکرائی تو پورا مجمع ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا کہ وہ خوش نصیب کون ہے جو ان صفات کا حامل ہے، آج ہم اس کے پیچھے حضرت قطب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی نماز جنازہ ادا کریں گے، سلطان شمس الدین التمش نے بھی دائیں، بائیں نظر دوڑائی کوئی نماز پڑھانے والا نظر نہ آیا اور نماز میں تاخیر ہوتی رہی تو سلطان یہ کہتے ہوئے خود آگے بڑھا:

می خواستم کہ کسے بر حال من مطلع نہ باشد، لیکن چوں کہ حضرت چناں فرمودہ است چارہ نہ دارم۔ (سیر الاقطاب، ص:۱۶۰)

میں نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو میرے حال کی اطلاع ہو مگر جب حضرت کا ایسا ہی حکم ہے تو تعمیل حکم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

اور خود نماز جنازہ پڑھائی، نماز کے بعد ایک طرف جنازے کو خود کندھا دیا، باقی تین طرف اور مشایخ نے اس طرح جنازۂ مبارکہ اس جگہ آغوش خاک کے سپرد کر دیا گیا جسے آپ نے اپنی حیات ہی میں خرید کر آخری آرام گاہ کے طور پر مخصوص کر لیا تھا۔

سلطان المشایخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ جس رات حضرت قطب صاحب نے وصال فرمایا اسی رات حضرت بابا صاب (خواجہ فرید الدین گنج شکر) نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب صاحب اپنے حضور میں طلب فرما رہے ہیں یہ خواب دیکھتے ہی بابا صاحب سمجھ گئے کہ حضرت قطب الاقطاب وصال فرما گئے زار زار روتے ہوئے جانب دہلی روانہ ہوئے۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری نے حضرت قطب صاحب کے وصال کے بعد ایک آدمی حضرت بابا صاحب کو اطلاع دینے کے لیے بھیجا، حضرت بابا صاحب ہانسی سے تشریف لا رہے تھے ادھر وہ آدمی ہانسی جا رہا تھا، قصبہ مہم میں حضرت قاضی صاحب کے آدمی سے حضرت بابا صاحب کی ملاقات ہوئی، حضرت قاضی صاحب کا خط پیش کیا، خط پڑھتے ہی حضرت بابا صاحب روتے روتے بے حال ہو گئے افتاں و خیزاں بادل بِریاں و چشم گریاں دہلی پہنچے، مزار اقدس پر حاضر ہو کر ٹوٹے ہوئے دل اور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کیا۔

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری نے تبرکات سپرد کیے، حضرت بابا صاحب نے دوگانہ ادا کر کے خرقہ مبارک زیب تن فرمایا اور پیرو دستگیر کے سجادہ پر رونق افروز ہوئے۔ (۳۵)

سلطان شمس الدین خواجہ قطب الاسلام کی نوازش کے پروردہ تھے آپ عادل اور رحم دل تھے، اور آپ کا شمار اولیا اللہ میں ہوتا ہے، خواجہ کے وصال کے بعد ان کو بھی زندگی گراں ہوگئی، اور ۸ر شعبان سنہ مذکور کو عالم بقا کی طرف رحلت کر گئے، ان کی تاریخ وفات اس شعر سے نکلتی ہے۔

بسال شش صدو سی و سہ از ہجرت　　　　نماند شاہ شمس الدین بہ عالم کبر

سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد ان کا لڑکا سلطان فیروز شاہ تخت نشیں ہوا سات ماہ حکومت کرنے کے بعد اپنی بہن رضیہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید میں فوت ہوا، اس کے بعد رضیہ سلطانہ مردانہ لباس پہن کر تخت نشین ہوئی لیکن تین سال حکومت کرنے کے بعد قتل ہوگئی، اس کے بعد اس کا بھائی بہرام شاہ دہلی کے تخت پر بیٹھا اور دو سال ایک ماہ اور پندرہ دن حکومت کرنے کے بعد اپنے وزیر نظام الملک کے ہاتھوں قتل ہوا اس کے بعد سلطان علاء الدین مسعود بن فیروز شاہ اپنے چچا کے بجائے تخت نشین ہوا وہ پانچ سال حکومت کرنے کے بعد ناصر الدین محمود کے اشارے سے گرفتار کیا گیا اور قید میں مر گیا، سلطان ناصر الدین محمود جو سلطان شمس الدین کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور حاکم بھڑائچ تھا علاء الدین کی گرفتاری کے بعد تخت نشین ہوا اسے پورا اقتدار حاصل ہوا، تاریخ طبقات ناصری اسی کے حکم سے تصنیف ہوئی، بڑا حلیم طبع اور عبادت گزار بادشاہ تھا اور قرآن مجید لکھ کر بسرِ اوقات کرتا تھا، اسے حضرت گنج شکر پر کامل اعتقاد تھا، بارہ سال اور تین ماہ حکوت کرنے کے بعد گیارہ ماہ جمادی الاولی ۶۶۴ھ کو وفات پائی، اسے سلطان ناصر الدین غازی کہتے ہیں، خاندان شمس الدین اس پر ختم ہوا۔ (۳۶)

---

(۳۵) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، ۶۳-۶۴

(۳۶) مراۃ الاسرار، ص: ۶۹۴-۶۹۵

مآخذ

(۱)	فوائد السالکین	بابا فرید الدین گنج شکر	مکتبہ جام نور دہلی
(۲)	اسرار الاولیا	خواجہ بدر الدین اسحاق	فرید بک ڈپو دہلی
(۳)	فوائد الفواد	امیر حسن علی دہلوی سجزی	نظام الدین اولیا دہلی
(۴)	افضل الفوائد	خواجہ امیر خسرو	مکتبہ جام نور دہلی
(۵)	سیر الاولیا	سید محمد مبارک علوی کرمانی (امیر خورد)	مطبع محب ہند دہلی
(۶)	سیر العارفین اردو	حامد جمالی/محمد ایوب قادری	اردو سائنس بورڈ لاہور
(۷)	مرآۃ الاسرار اردو	شیخ عبد الرحمٰن چشتی/مولانا واحد بخش سیال چشتی	ادبی دنیا دہلی
(۸)	مونس الارواح	شہزادی جہاں آراد ختر شاہ جہاں	خانقاہ ابوالخیر دہلی
(۹)	سبع سنابل	میر عبد الواحد بلگرامی	مکتبہ قادریہ لاہور
(۱۰)	مآثر الکرام	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	جامعۃ الرضا بریلی
(۱۱)	حیات اعلیٰ حضرت	ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری	برت رضا پور بندر
(۱۲)	خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،	شبیر حسن چشتی نظامی	آستانہ بک ڈپو دہلی
(۱۳)	سلطان الہند خواجہ غریب نواز،	ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی	فاروقیہ بک ڈپو دہلی
(۱۴)	جانشین غریب نواز	پروفیسر غلام یحییٰ انجم	کتب خانہ امجدیہ دہلی

☆☆☆☆☆

زبدۃ الکاملین، شیخ کبیر

خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۵۷۱ھ ـــــــ وفات: ۶۶۴ھ

مولانا نظام الدین قادری مصباحی

استاذ دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، یوپی

دعوتِ حق اور اسلامی تعلیمات کو دلوں میں راسخ کرنے میں مشائخِ سلسلۂ چشتیہ کی مساعی جمیلہ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اسی پاکیزہ سلسلہ کی ایک مرکزی کڑی شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات ہے، جن کے دست اقدس پر نہ جانے کتنے لوگوں کو ایمان کی دولتِ لازوال میسر آئی اور جن کی تعلیمات سے بے شمار افراد خشیت ربانی سے آباد ہو کر بارگاہ قدس کے برگزیدہ بندوں میں شمولیت سے سرفراز ہوئے، آپ کی بارگاہِ فیض کے تربیت یافتہ ہزاروں خلفا نے اکنافِ عالم میں رشد و ہدایت کی شمعیں فروزاں کیں جن کی روشنی سے آج بھی کوچہ کوچہ منور ہے۔ اور برصغیر میں تو سلسلۂ چشتیہ کے فیضان کو عام کرنے میں آپ کو مجدد اور آدمِ ثانی کی حیثیت حاصل ہے، کیوں کہ آپ کے دو نامور خلفا سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہما کی مساعی جمیلہ خدائے کریم کی بارگاہ میں مشکور ہوئیں جس کی بدولت ہزاروں انسانوں کو اسلام کے چشمۂ صافی سے سیرابی نصیب ہوئی۔ جزاھم اللہ عن المسلمین خیر الجزاء.

گروہِ اولیا میں آپ کی عظمت و جلالت کا اندازہ ان اعزازی القاب اور تکریمی خطابات سے لگایا جاسکتا ہے جن سے محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ نے اپنی گراں قدر تصنیف ''راحت القلوب'' میں آپ کو یاد فرمایا ہے ، لکھتے ہیں:''الہامِ ربانی کے خزانے کے جواہر، علوم سبحانی کی فصل کے غنچے، سلطان المشایخ، شیخ شیوخ العالم، بدر الطریقۃ، برہان الحقیقۃ، سید العابدین، بدر العابدین، عمدۃ الابرار، قدوۃ الاخیار، تاج الاصفیا، سراج الاولیا، ملک المساکین، برہان العاشقین، فرید الحق والشرع والدین'' [راحت القلوب مترجم ص: ۷]

آپ کے دیگر بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کو زبدۂ اتقیاے ابرار، شیر بیشۂ تقدیس ربانی، محرم اسرار مشیت ایزدی، ہمدم نواز قربت صمدی وغیرہ القاب سے بھی یاد کیا ہے۔

مختصر احوال:

آپ کا اسمِ گرامی مسعود اور لقب فرید الدین ہے، لیکن گنج شکر کے لقب سے آپ مشہورِ انام ہیں۔

گنج شکر کے لقب سے ملقب کیے جانے کے بارے میں متعدّد واقعات منقول ہیں:

(۱) ایک مرتبہ روزے کی حالت میں افطار کے وقت اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں جارہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ میں پھسل کر گرنے کی وجہ سے کچھ کیچڑ منہ میں چلی گئی مگر وہ قدرتِ خداوندی سے شکر بن گئی، مرشد کی خدمت میں حاضر ہوکر جب واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا: خداوند تعالیٰ تمھارے سارے وجود کو شکر بنادے گا، اس لیے گنج شکر لقب ہو گیا۔

(۲) شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جب مجاہدہ کرنا چاہا تو اس سلسلہ میں مرشد گرامی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا، آپ نے فرمایا ''طے'' کا روزہ رکھو (''طے'' کا روزہ وہ ہوتا ہے جس میں افطار صرف پانی سے کرتے ہیں اور یہ کم از کم تین دن کا ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک سال، اس طرح روزہ

رکھنا صوفیاے کرام کے یہاں ایک عام رسم ہے اور اکابر علماے اسلام میں بھی بعض حضرات رمضان میں افطار صرف چاے وغیرہ سے کرنے کے بعد اور کچھ نہیں کھایا کرتے تھے) چناں چہ شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے ''طے'' کے روزے رکھنے شروع کر دیے اور تین روز تک کچھ نہ کھایا، تیسرے روز افطار کے وقت ایک آدمی نے آپ کے سامنے چند روٹیاں لاکر رکھیں، آپ نے سمجھا کہ غیب سے آئی ہیں اور انھی روٹیوں سے افطار کیا، لیکن پیٹ نے انھیں قبول نہیں کیا اور کھایا پیا تمام باہر آگیا۔ آپ نے یہ واقعہ اپنے پیر و مرشد سے کہا تو انھوں نے فرمایا کہ اے مسعود! تم نے تین روز روزے رکھنے کے بعد ایک شرابی کا کھانا کھایا، لیکن اللہ کی عنایت نے تمھاری دست گیری فرمائی کہ تمھارے معدے میں اس غذا کو رہنے نہ دیا، اب جاؤ اور پھر تین دن 'طے' کا روزہ رکھو اور غیب سے جو کچھ ملے اس کو کھاکر گزر کرو، چناں چہ شیخ گنج شکر نے پھر تین دن 'طے' کا روزہ رکھا اور شام کو کوئی کھانا میسر نہ ہوا، یہاں تک کہ رات کا ایک پہر گزر گیا اور کم زوری بڑھ گئی، بھوک کی حرارت سے بدن جلنے لگا، اس عالمِ بے تابی میں آپ نے ہاتھ بڑھاکر زمین سے کچھ سنگ ریزے (پتھر کے ٹکڑے) اٹھاکر منہ میں ڈالے تو وہ شکر ہوگئے۔ آپ کو فوراً خیال آیا کہ ہوسکتا ہے یہ بھی شیطانی کرشمہ ہو، اس لیے ان سنگ ریزوں کو تھوک دیا اور پھر یادِ الٰہی میں مصروف ہوگئے، جب آدھی رات ہوگئی، تو کم زوری پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی، آپ نے پھر زمین سے کچھ سنگ ریزے اٹھاکر منہ میں ڈال لیے، وہ پھر شکر بن گئے، آپ نے انھیں بھی تھوک دیا۔ آپ نے تین مرتبہ اسی طرح کیا اور ہر مرتبہ یہی کرامت ظاہر ہوتی رہی، تو یقین ہوا کہ یہ نعمتِ خداوندی ہے، اس لیے انھیں کھالیا، پھر دوسرے روز خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی، پیر و مرشد نے فرمایا کہ اچھا کیا جو سنگ ریزوں سے افطار کیا، وہ غیب سے آئے تھے، اب جاؤ شکر کی طرح ہمیشہ شیریں رہوگے، اُس دن سے شیخ فرید الدین مسعود کو لوگ ''گنج شکر'' کہتے ہیں۔ (اخبار الاخیار مترجم ص: ۱۱۹)

(۳) آپ کی والدہ آپ کو پابندِ نماز بنانے کے لیے آپ کے مصلی کے نیچے شکر رکھ دیتیں، ایک دن مہمانوں کی ضیافت میں مشغولیت کے سبب شکر نہ رکھ سکیں، لیکن حضرت نے بعد نماز جب جانماز الٹی تو وہاں روزانہ سے زیادہ شکر ملی، بعد میں والدہ کو یاد آیا تو نماز کے لیے بلایا لیکن معلوم ہوا کہ آپ نے نماز بھی پڑھ لی اور شکر بھی مل گئی، اس لیے آپ کا لقب گنج شکر ہو گیا۔

مذکورہ بالا واقعات وروایات کے علاوہ اس لقب کے بارے میں بعض دیگر روایتیں بھی بیان کی جاتی ہیں۔

آپ کا آبائی وطن کابل تھا، آپ نسباً فاروقی ہیں، تاتاریوں کے ہنگامہ میں آپ کے جد بزرگوار کابل سے لاہور تشریف لائے، قصبہ کھنیوال کی جاگیر عطا ہوئی، یہیں آپ کے والد گرامی شیخ جمال الدین کی شادی ملا وجیہ الدین کی دختر نیک اختر سے ہوئی اور ۵۷۱ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ کی نگرانی میں پائی، جو بہت ہی صالحہ، عابدہ اور پارسا خاتون تھیں، فوائد الفواد میں ہے کہ شیخ کبیر کی والدہ صاحبہ بہت ہی بزرگ تھیں، ایک رات کوئی چور آپ کے گھر آیا، سب سوئے ہوئے تھے، صرف شیخ صاحب کی والدہ صاحبہ جاگ رہی تھیں، اور یادِ الٰہی میں مشغول تھیں، جب چور آیا تو اندھا ہو گیا، باہر نہیں جاسکتا تھا، آواز دی کہ اگر کوئی مرد گھر میں ہے تو وہ میرا باپ ہے، اگر عورت ہے تو میری ماں بہن ہے۔ جو بھی ہے اس کے خوف نے مجھ پر اثر کیا ہے اور میں اندھا ہو گیا ہوں، اب جب تک میں زندہ رہوں گا چوری نہیں کروں گا۔ شیخ صاحب کی والدہ صاحبہ نے دعا کی، وہ بینا ہو گیا اور چلا گیا، جب دن ہوا تو شیخ صاحب کی والدہ نے کسی سے اس بات کا ذکر نہ کیا، ایک گھڑی بعد اس شخص کو دیکھا کہ سر پر چھاچھ کا مٹکا رکھے اپنی بیوی کو ہم راہ لیے آیا، اس سے پوچھا، تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں اس رات اِس گھر میں چوری کرنے آیا تھا، ایک بزرگ عورت یہاں بیدار تھی، میں اس کی ہیبت سے اندھا ہو گیا، پھر اس نے دعا کی تو میں بینا

ہو گیا، میں نے عہد کر لیا تھا کہ جب میں بینا ہو جاؤں گا تو پھر کبھی چوری نہیں کروں گا، اب میں خود بھی آیا ہوں اور اپنی بیوی کو بھی ہم راہ لایا ہوں تاکہ ہم مسلمان ہو جائیں۔ الغرض آپ کی والدہ کی برکت سے وہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے اور چوری سے سچی توبہ کر لی۔
(فوائد الفواد مترجم حصہ چہارم، ص: ۱۳۸)

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے ملتان کا رخ کیا جو اس وقت جید علما کے اجتماع کے باعث بر صغیر کا ایک بڑا دینی و علمی مرکز بنا ہوا تھا، وہاں قرآن مقدس حفظ کیا۔ ایک روز مسجد میں فقہ کی معروف کتاب ''النافع'' کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اسی دوران وہاں قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رونق افروز ہوئے، مختصر سی گفتگو میں آپ اُن کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اُن کے دست اقدس پر بیعت سے مشرف ہو گئے اور سلسلۂ تعلیم موقوف کر کے ہم رکابی کی خواہش ظاہر کی، مرشدِ کامل نے تعلیم کی تکمیل کر لینے اور اس کے بعد دہلی آنے کی ہدایت کی۔

مرشدِ کامل کی ہدایت کے مطابق تعلیم مکمل کرنے کے لیے متعدّد اسفار کیے، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۲ھ) اور بہت سارے بزرگوں اور اولیا سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے مرشدِ طریقت کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے اور ان کی تربیت میں مجاہدات اور ریاضات شاقہ میں مصروف ہو گئے، آپ کے تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس ریاضت و مجاہدہ میں اُن کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ ایک مرتبہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے دہلی میں رونق افروز ہوئے تو شیخ فرید کو دیکھنے اُن کے حجرے میں تشریف لے گئے، مگر شیخ فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہو سکے، حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن کے لیے دعا کی اور غیب سے بشارت ملی ''فرید را برگزیدم'' یعنی: میں نے فرید الدین کو اپنا برگزیدہ بندہ بنا لیا۔ اور حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو خلعت سے سرفراز کیا اور حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے دستارِ خلافت سے مشرف فرمایا۔ (راحت القلوب، وغیرہ)

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین قدس سرہ نے آپ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں تیس سال عالمِ مجاہدہ میں رہا، مجھے دن رات کی کوئی تمیز نہ تھی، البتہ نماز کے وقت نماز ادا کرلیا کرتا اور پھر اسی عالَم میں مشغول ہوجاتا۔ (راحت القلوب مترجم ص ۱۰۴)

ریاضتِ شاقہ اور خلافت سے مشرف ہونے کے بعد اپنے شیخ سے ہانسی میں قیام کی اجازت طلب کی، شیخ نے وقتِ رخصت فرمایا کہ تم میری موت کے وقت تو میرے پاس نہ رہوگے، لیکن میری موت کے دو تین روز بعد فاتحہ خوانی کے لیے پہنچوگے۔ ہانسی میں قیام کے دوران آپ کے مرشد گرامی کا وصال ہوگیا، وقتِ وفات انھوں نے اپنا خرقہ اور دوسری امانتیں قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کرکے وصیت کی کہ یہ امانتیں آپ کے محبوب خلیفہ خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردی جائیں۔ اسی دوران گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ مرشد کا وصال ہوگیا ہے، پریشان ہوکر دہلی پہنچے تو وصال کو تین دن گزر چکے تھے، قاضی حمید الدین ناگوری علیہ الرحمہ نے شیخ کی وصیت کے مطابق خرقۂ خلافت اور دیگر تبرکات آپ کے حوالے کردیے، آپ نے دوگانہ پڑھ کر خرقہ زیب تن کیا اور شیخ کے سجادہ نشین بنے۔ لیکن یہاں ہجومِ خلق تھا اور آپ عزلت پسند تھے اس لیے آپ ہانسی واپس آگئے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ''اخبار الاخیار'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''ریاضت، مجاہدہ، اور ترکِ دنیا آپ کے محبوب ترین مشغلے تھے، آپ کشف و کرامت کی علامت اور ذوق و محبت کی درخشندہ نشانی تھے، ہمیشہ سر وخفی میں کوشاں رہتے، خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھتے اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب کوچ فرماتے رہتے۔ آخر کار اجودھن (موجودہ پاک پٹن، پاکستان) تشریف لائے، یہاں کے باشندے تُند خو، ظاہر پرست اور خاص کر فقیروں اور درویشوں کے دشمن تھے، آپ نے اِس جگہ پہنچ کر فرمایا کہ یہ مقام میرے رہنے کے مناسب ہے، چناں چہ وہیں رہنے لگے۔ آپ کا یہاں پر کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ قصبہ کے باہر کریر (گولر) کے درخت تھے، اُن میں ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہوگئے، یہاں کی مسجد میں اکثر وبیش تر نماز

پڑھتے اور عبادت کرتے ، یہیں آپ کے فرزند پیدا ہوئے ۔ اور یہیں مجاہدے اور ریاضت کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہے، چوں کہ زبردست روحانیت کے مالک تھے، اس لیے پوشیدہ نہ رہ سکے"۔ (اخبار الاخیار مترجم، ص: ۱۱۶، ۱۱۷)

یہاں بھی خلقِ خدا کا ہجوم آپ کی بارگاہ سے اکتسابِ فیض کرنے کے لیے ہر چہار جانب سے امنڈ پڑا، تھوڑے دنوں میں ایسے مرجعِ انام بن گئے کہ آدھی رات تک طالبین کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا۔ (فوائد الفواد)

آپ اہلِ ثروت، اربابِ حکومت سے بے تعلق اور کنارہ کش رہتے اور اپنے مریدین کو بھی اس امر کی تلقین وہدایت فرماتے ۔ متعدّد مواقع پر ارباب دُوَل نے آپ کی خدمت میں بیش بہا جاگیروں کا فرمان پیش کرنا چاہا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اور درویشانہ زندگی پر قناعت کی۔

وفات: شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: پانچویں یوم کی شب کو شیخ پر مرض کی شدت طاری ہوئی، باجماعت عشا کی نماز پڑھنے کے بعد بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو حاضرین سے پوچھا کہ کیا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے، لوگوں نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ اور پڑھ لوں، پھر کون جانے کیا ہوگا؟ چناں چہ آپ نے دوسری مرتبہ پھر عشا کی نماز پڑھی، اس کے بعد پھر بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو پوچھا، کیا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ آپ اس سے پہلے دو بار پڑھ چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ایک مرتبہ اور پڑھ لوں، پھر معلوم نہیں کیا ہو؟ غرضے کہ آپ نے تیسری بار بھی عشا کی نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد "یا حَیُّ یا قَیّوم" کہتے ہوئے اپنی جان، جاں آفرین کے سپرد کی ۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ مزارِ مبارک پاک پٹن میں ہے جو زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کیا۔

اخلاق واوصاف

والہانہ ذوقِ عبادت: خدائے ذوالجلال کی طرف سے آپ کو ایسا قلبِ

مصفی عطا ہوا تھا جو خالقِ حقیقی کے عشق سے سرشار تھا اور اسی عشق و سرمستی کی غذا سے آپ نے مخدوم المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا اور حضرت علاء الدین صابر جیسے عاشقوں کی تربیت فرمائی تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ اسی جذب و عشق کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”ایک روز شیخِ کبیر حضرت خواجہ فرید الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کمرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا، کمرے میں والہانہ کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے:

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم

مقصودِ منِ خستہ زکونین توئی — از بہرِ تو میریم از برائے تو زیم

یعنی میں چاہتا ہوں کہ ہمیشہ تیرا ہی ہو کر زندگی بسر کروں، خاک بن جاؤں اور تیرے قدموں کے نیچے جیوں، دونوں جہاں میں مجھ مسکین و بے چارے کے لیے تو ہی منزلِ مقصود ہے تیرے ہی لیے جیتا ہوں اور تیرے ہی لیے مرتا ہوں۔

یہ اشعار پڑھ کر سر بسجود ہو جاتے، پھر یہی شعر پڑھتے ہوئے کمرے کا چکر لگاتے تھے اور پھر سجدے میں گر جاتے، دیر تک یہی کیفیت رہی“۔ (راحت القلوب)

خشیت ربانی: آپ پر خشیت و رقت کا بڑا غلبہ ہوتا تھا، کوئی عبرت انگیز یا رقت خیز بات سنتے تو بے اختیار زار و قطار رونے لگتے۔ خواجہ نظام الدین قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ”آپ نے زبانِ مبارک سے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ غزنی سے میں نے سفر کیا، وہاں پر چند درویشوں کو میں نے دیکھا جو از حد یادِ الٰہی میں مشغول تھے، رات انھیں کے پاس رہا، جب دن ہوا تو شہر کے پاس ایک حوض تھا، وہاں تازہ وضو کرنے کے لیے گیا تو ایک درویش کو دیکھا جو بہت ہی کم زور تھا، اس کا حال پوچھا، فرمایا: مدت سے مجھ کو پیٹ کی ایک بیماری ہے، جس کے سبب میں کم زور ہو گیا ہوں، اس رات اس درویش کے پاس رہا، رات کے وقت اس کی بیماری اور بھی زور پکڑ گئی، کیوں کہ ہر روز ایک سو بیس رکعت نماز ادا کیا کرتا تھا، جب قضائے حاجت کے لیے جاتا تو ہر مرتبہ غسل کر کے پھر نماز میں مشغول

ہو جاتا، چناں چہ ساٹھ مرتبہ قضاے حاجت کے لیے گیا اور ساٹھ ہی مرتبہ نہا کر دو گانہ ادا کیا اور اپنا وظیفہ پورا کیا۔ آخری وقت جب غسل کرنے گیا تو پانی میں جاں بہ حق ہو گیا۔ بعد ازاں شیخ الاسلام زار زار روئے اور فرمایا بندگی میں وہ درویش کتنا راسخ الاعتقاد تھا، آخری دم تک قاعدہ کی پابندی کرتا رہا، جب اسے نباہ لیا تو جان، یار کے حوالہ کی''۔ (راحت القلوب مترجم، ص:۱۳۱)

محرم کے پہلے عشرہ کے بارے میں گفتگو کے دوران فرمایا: '' تجھے معلوم نہیں کہ اس عشرہ میں رسولِ خدا ﷺ پر کیا گزری، اور آں حضرت ﷺ کے فرزند کس بے دردی سے شہید کیے گئے، بعض پیاس کی حالت میں شہید ہوئے اور بے دینوں نے انھیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیا۔ جب شیخ الاسلام یہ فرما چکے تو نعرہ مار کر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ (ایضاص: ۹۱)

نرمی و خوش اخلاقی: آپ کی طبیعت میں بے حد نرمی و ملاطفت تھی ایک بار چار درویش آئے اور آپ سے سخت لب ولہجہ میں گفتگو کرنے لگے، اس پر بھی آپ نے ان کی دل جوئی اور مہمان داری کی کوشش کی، لیکن وہ رکے نہیں، جب جانے لگے تو حضرت نے ہدایت کی کہ وہ بیابان کی راہ سے نہ جائیں، لیکن وہ نہ مانے اور جب وہ چلے گئے تو زار وقطار رونے لگے، بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم اٹھی اور وہ چاروں درویش ہلاک ہو گئے۔ [راحت القلوب]

شفقت و دل داری سب کے ساتھ یکساں تھی، نو وارد جن سے پہلی ملاقات ہوتی اور برسوں سے فیض صحبت سے مشرف افراد کے ساتھ یکساں لطف و مہربانی اور توجہ والتفات کے ساتھ پیش آتے، آپ کے روز و شب کے معمولات کے واقف کار خدام کا بیان ہے کہ برسوں کی خدمت میں ظاہر و باطن کا حال یکساں پایا، ظاہر و باطن میں کوئی تفاوت نظر نہ آیا۔

تواضع وانکسار: آپ تواضع وانکسار کا مرقع تھے، اپنے لیے کھانے، بیٹھنے

وغیرہ میں کوئی امتیاز نہ رکھتے۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے، گھر میں جوار کے سوا اور کچھ نہ تھا، خود ہی جوار پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے پاس حاضر کردیں۔

ایک بار آپ کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لیے مریدوں کی مجلس میں چارپائی پر بیٹھے تو اپنے کو اونچی جگہ پاکر مریدوں سے معذرت کی اور اپنی تکلیف بیان کی۔

خدمتِ خلقِ خدا: خلقِ خدا کی خدمت میں کوشاں رہتے، کوئی بیمار ہوتا تو اس کے لیے دعا فرماتے، میاں بیوی میں جدائی ہوجاتی تو اپنی کوشش سے پھر ملا دیتے، کوئی سرکاری عہدہ دار ظلم کرتا تو اس کو ظلم سے منع کرتے، بے قصوروں کو سزا سے بچاتے، کوئی مبتلائے فسق و فجور ہوجاتا تو اس کی اصلاح فرماتے، اس کے اخلاق کو درست کرنے کی کوشش کرتے، اصلاح کا طریقہ یہ تھا کہ علاحدہ علاحدہ افراد کو اپنے پاس بُلاتے اور اپنی نگاہِ مردِ مومن سے اس کے دل کی دنیا بدل دیتے۔

فیاضی: آپ نے لوگوں سے دوری اختیار کی اور جنگل بیابان میں رہنا شروع کیا، یعنی اجودھن (پاک پٹن) میں جاکر رہنے لگے اور درویشانہ روٹی اور اُن چیزوں پر گزارہ کیا، جو اس علاقے میں ملتی تھیں، مثلاً پیلو وغیرہ۔ اسی پر آپ نے قناعت کی، لیکن پھر بھی خلقت کی آمد و رفت کی کوئی حد نہ رہی، گھر کا دروازہ کہیں آدھی رات کو بند ہوتا، اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ہر قسم کی نعمتیں لوگ لے آتے جو آنے جانے والوں کو ملتیں، کوئی شخص ایسا نہ آتا جسے کچھ نہ ملتا، جو آتا کچھ لے کر جاتا۔ (فوائد الفواد مترجم، ج:۲، ص:۸۳)

ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہوئے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: ''غرّہ محرم ۶۵۵ھ کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا، اجودھن کے تمام باشندے چھوٹے بڑے، مشائخ، درویش اور مسکین آکر آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیتے تھے، شیخ صاحب مصلی کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ کسی کی قسمت ہوتی دیتے۔ لوگ جو شیرینی لائے، اس کا ڈھیر لگ گیا، اس میں سے تھوڑی درویشوں کو دیتے۔ اس

روز شہر کا کوئی غریب و مسکین خالی نہ گیا، آپ کی یہ عادت تھی کہ ہر ماہ کے غرے (پہلی تاریخ) کو اسی طرح کرتے"۔ (راحت القلوب، ص: ۹۰)

فوائد الفواد میں ہے: "آپ ایسے تارک الدنیا تھے کہ جو کچھ آپ کے پاس آتا سب خرچ کر دیتے، یہاں تک کہ جب آپ فوت ہوئے تو تجہیز و تکفین کے لیے کچھ بھی نہ نکلا، قبر کے لیے کچھ اینٹیں مطلوب تھیں، وہ بھی نہ نکلیں، آخر کار گھر کے دروازہ کو گرا کر جو کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا لحد میں خرچ کیں"۔ (فوائد الفواد، ج: ۴، ص: ۲۳۳)

استغنا: ایک مرتبہ سلطان ناصر الدین نے اپنے نائب السلطنت غیاث الدین بلبن کو کثیر رقم اور چار گاؤں کی جاگیر کے فرمان شاہی کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا، بلبن نے حاضرِ خدمت ہو کر نقد اور فرمان شاہی پیش کیا شیخ نے دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ نقد تو ہم کو دے دو اور فرمان واپس لے جاؤ اس کے خواست گار بہت ہیں، یہ کہہ کر ساری رقم اسی وقت درویشوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دی۔ (فوائد الفواد مترجم، ج: ۳، ص: ۱۱۳)

آپ کے پاس ایک گدڑی تھی جس پر دن کو بیٹھتے اور رات کو وہی اوڑھتے، جو پاؤں تک نہ پہنچ سکتی، ایک عصا تھا جو مرشدِ کامل شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملا تھا اس کو سر کی طرف لا کر رکھتے اور اس پر تکیہ لگا کر آرام فرماتے، جتنی مرتبہ مرشدِ کامل کے عصا کو چھوتے فرطِ عقیدت سے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔ (فوائد الفواد مترجم، ج: ۲، ص: ۵۷)

اگر کبھی اربابِ دُوَل کے پاس کوئی سفارشی رقعہ تحریر کرنے کی نوبت آجاتی تو تحریر کے لفظ لفظ سے استغنا و بے نیازی کا اظہار ہوتا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں: ایک مرتبہ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں کسی نے معروضہ پیش کیا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کو میرے لیے ایک سفارش نامہ تحریر فرما دیجیے (سلطان غیاث الدین بابا صاحب کا بڑا عقیدت مند تھا) چناں چہ شیخ نے لکھا کہ میں اُس شخص کا معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ تک پہنچا تا ہوں، اگر آپ اسے کچھ عطا کر دیں تو حقیقۃً یہ عطا کرنے والا اللہ

ہی ہے، آپ مشکور ہوں گے ۔ اور اگر آپ عطا نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہی مانع اور روکنے والا ہے، اس طرح آپ معذور تصور کیے جائیں گے ۔ (اخبار الاخیار، ص: ۱۲۳)

ارشادات و تعلیمات

آپ کی بارگاہِ عظمت سے خوشہ چینی کرنے والوں نے آپ کے ملفوظاتِ شریفہ کو قلم بند کیا ہے۔ آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے ضبطِ تحریر میں آئے ہیں۔ (۱) راحت القلوب۔ اس میں خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ نے آپ کے مجلسی افادات قلم بند فرمائے ہیں (۲) اسرار الاولیا۔ اس کو آپ کے خلیفہ حضرت بدر اسحاق نے مرتب فرمایا ہے، اس میں بائیس فصلیں ہیں اور ہر فصل میں تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات و تشریحات ہیں جس سے اس موضوع کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ یہ دونوں بزرگ آپ کے معزز اور چہیتے خلفا ہیں۔

راحت القلوب کے آغاز میں ہے: ” پندرہ رجب ۶۵۵ھ کو پابوسی کی دولت نصیب ہوئی، مسلمانوں کا دعاگو نظام الدین احمد بدایونی جو سلطان الطریقہ کا ایک غلام ہے اور اِن معانی کا جمع کرنے والا ہے عرض پرداز ہے کہ جب قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے چار ترکی کلاہ جو زیبِ سر فرمائی ہوئی تھی اتار کر دُعاگو کے سر پر رکھی اور خاص خرقہ اور لکڑی کی نعلین عطا فرمائی، نیز فرمایا کہ میرا ارادہ تو تھا کہ ہندوستان کی ولایت کسی اور کو دوں، لیکن تم راستے میں تھے کہ الہام ہوا کہ یہ ولایت نظام الدین احمد بدایونی کی ہے اسے دو، میں پاے بوسی کے اشتیاق سے اٹھ کر کچھ عرض کرنے لگا، لیکن مارے رعب کے نہ کرسکا۔ آپ نے روشن ضمیری کی وجہ سے واقف ہو کر فرمایا کہ ہاں! اس سے تمھارا اشتیاق جیسے کہ دل میں ہے اس سے زیادہ ہم پر روشن ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ”لِکُلِّ داخِلٍ دَھشَۃٌ“ (یعنی: ہر نووارد ہیبت زدہ ہوجاتا ہے) جب میں نے سنا تو دل میں خیال کیا کہ اِس کے بعد جو کچھ زبانِ مبارک سے نکلے گا میں اسے قلم بند کرتا جاؤں گا، ابھی یہ خیال میرے دل میں گزرنے بھی نہ پایا تھا فرمایا کہ اس مرید کی کیا ہی سعادت ہے جو اپنے پیر کے

فرمودات کو قلم بند کرے اور گوشِ ہوش اس طرف لگائے، اس واسطے کہ ابرار اولیا میں لکھا ہے کہ جب مرید کچھ اپنی پیر کی زبانی سنے ہوئے کو لکھے تو حرفِ نوشتہ کے بدلے ہزار سال کی اطاعت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا مقام ''علیین'' میں ہوتا ہے۔ اس وقت زبانِ مبارک سے یہ شعر پڑھا:

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ　　　سیلابِ اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

(راحت القلوب، ص: ۸)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: '' حضرت شیخ گنج شکر کے بعض ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ملے ہیں، جن میں لکھا ہوا ہے کہ چار چیزوں کے بارے میں سات سو مشائخ سے سوال کیا گیا تو سب نے ایک ہی جواب دیا:

(۱)　گناہوں کو چھوڑ دینے والا ہی سب سے زیادہ عقل مند ہے

(۲)　دانا اور حکیم آدمی وہ ہے جو کسی چیز پر غرور نہیں کرتا۔

(۳)　قناعت کرنے والا ہی سب سے زیادہ مال دار اور غنی ہے۔

(۴)　تارکِ قناعت ہی سب سے زیادہ محتاج اور غریب ہے۔

نیز لکھا ہے کہ اللہ تعالی کو اس آدمی سے شرم آتی ہے جو بندہ اللہ کی دربار میں دستِ سوال دراز کرے اور وہ اسے خالی واپس کر دے۔

فرماتے ہیں: ہونے کا غم نہیں اور نہ ہونے کا افسوس نہیں۔ نامرادی اور مایوسی کا دن دراصل مردانِ خدا کی معراج ہے۔　(اخبار الاخیار مترجم، ص: ۱۲۱)

آپ کے ملفوظات شریفہ کے بعض اقتباسات ذیل میں پیش ہیں:

☆　اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست رکھنا چاہیے، وہ جب دیتا ہے اسے کوئی چھین نہیں سکتا اور جب وہ لے لیتا ہے تو کوئی دلا نہیں سکتا۔

☆　جو شخص تمام دنیا کو دشمن بنانا چاہے تکبر اختیار کرے۔

☆ جو اپنی عزت واعتبار کو گنوانا چاہے وہ غمازی و دروغ گوئی اختیار کرے۔

☆ درویش کو چاہیے کہ ظاہری تزیین وآرائش میں کوشش نہ کرے اور دنیوی عزت کے لیے خود کو اللہ کے سامنے بے قدر نہ بنائے۔

☆ سائل کو ہرگز نہ جھڑک، جو میسر ہو دے دے، نہ ہو تو نرمی سے منع کر دے، بُرا بھلا نہ کہے۔

☆ دشمن اگر دوست بنے تو دوستی میں اُس سے بے خوف نہ رہنا چاہیے، جیسا کہ نفس و شیطان ہے

☆ اہل اللہ کی صحبت کو غنیمت سمجھو، اُن کے ملفوظات اور سیرتوں کا مطالعہ کرتے رہو، مردانِ خدا جہاں بھی ہیں، وہیں بیت المقدس و عرش و کرسی ہیں، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، سب اُن کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ [ماخوذ از سیر الاخیار، ص: ۳۶۱]

☆ کرامت کے متعلق فرمایا: اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے۔

☆ فقرا کا عشقِ الٰہی علما اور اصحاب عقل کے عشق سے جدا ہے۔

☆ ذکر یعنی عبادتِ الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے، عبادتِ الٰہی میں ظاہر اور باطن کا یکساں ہونا ضروری ہے۔ عبادت سے اسرارِ الٰہی معلوم ہوتے ہیں، مگر اُن کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے۔

☆ راہِ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے، بابا گنج شکر نے توبہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں:

(۱) توبۂ دل: حسد، ریا، لہو ولعب اور تمام نفسانی لذتوں اور شہوتوں سے صدق دل سے باز آنا، اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے جس کے بعد مولی کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔ (۲) توبۂ زبان: ناشایستہ، بے ہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا۔ زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لیے وقف ہونی چاہیے، عشقِ حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے، جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کر لی ہو۔ زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا، آنکھ، کان، ہاتھ اور

نفس زبان ہی کے تابع ہیں، اس لیے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں بھی محفوظ رہتی ہیں۔ (۳) توبۂ چشم: حرام چیز کو نہ دیکھنا، کسی کا عیب نہ دیکھنا۔ ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا، سالک جب مشاہدۂ حق کر چکا ہو تو اس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہیں ڈالنی چاہیے۔ (۴) توبۂ گوش: ذکرِ حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا۔ (۵) توبۂ دست: ناروا اور ناجائز چیز کو ہاتھ نہ لگانا۔ (۶) توبۂ پا: حرام چیزوں کی طرف نہ جانا۔ (۷) توبۂ نفس: ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آنا۔ قرآن مقدس میں ہے:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

(اسرار الاولیا مترجم، ص: ۴۱)

☆ شریعت کی زکات یہ ہے کہ جب دو سو درم ہوں تو پانچ درم زکات دے۔ طریقت کی زکات یہ ہے کہ دو سو درم میں پانچ اپنے لیے رکھے اور ایک سو پنچانوے راہِ خدا میں دے دے۔ اور حقیقت کی زکات یہ ہے کہ دو سو درم میں ایک حبہ بھی اپنے لیے نہ رکھے۔ (راحت القلوب وغیرہ)

دعوتی کارنامے اور خلفا: حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی حکیمانہ تبلیغ وارشاد سے متاثر ہوکر غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی۔ اجودھن (موجودہ پاک پٹن) کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک جوگی مسمی سمبھو ناتھ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا جو جادو منتر اور استدراج میں مشہور تھا، آپ پر نظر پڑتے ہی اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ زبان سے کچھ بول نہ سکا اور آپ کے کشف وکرامت سے ایسا متاثر ہوا کہ آپ کے قدموں پر گر پڑا اور اپنے ماننے والوں کی جماعت کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

جواہر فریدی میں ہے کہ پنجاب کی بہت ساری آبادیاں آپ ہی کی برکت سے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔

مسلمانوں کے تزکیہ نفس اور انھیں جادۂ شریعت پر گام زن کرنے کے لیے آپ

نے بے شمار خلفا کی تربیت فرمائی۔ سیر الاخیار میں ہے:

''تبلیغی مقاصد ہر وقت آپ کے پیشِ نظر رہتے، آپ کی خانقاہ سے ہزار ہا اولیاء اللہ بن کر اطرافِ عالم میں پھیلے اور ہدایتِ خلق میں مصروف ہوئے، جواہرِ فریدی میں تو آپ کے خلفا کی تعداد پچاس ہزار تک بتائی گئی ہے... بابا صاحب کے ہاتھ پر ہزار ہا ہندو مسلمان ہوئے۔ (سیر الاخیار، ص:۳۶۱)

یوں تو آپ کے خلفا کی تعداد کثیر ہے، لیکن اُن میں دو خلفا بڑے نام ور گزرے ہیں، جن کی برکتوں سے بے شمار لوگوں کو جادۂ حق نصیب ہوا۔ اُن میں ایک آپ کے خواہر زادہ، فرد الافراد حضرت مخدوم علاؤالدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو مادر زاد ولی تھے اور جنھوں نے وہ ریاضات شاقہ کیں جس کی مثال نہیں اور جن کے اندر وہ جلال تھا جس کی تاب عام انسانوں کے بس سے باہر تھی، آپ سے بہت کشف وکرامات کا ظہور ہوا، اکثر استغراق ومحویت کے عالم میں رہتے، ۱۹/ ربیع الاول ۵۹۲ھ کو رونق افزاے عالم شہود ہوئے اور ۶۹۰ھ میں اس عالم فانی سے رحلت فرمائی۔ حضرت شمس الدین ترک کو خلافت سے سرفراز فرمایا، آج اُن کا مزار مبارک کلیر شریف میں مرجعِ خلائق ہے جہاں سے اُن کا فیضان جاری وساری ہے۔

آپ کے دوسرے نام ور خلیفہ سلطان المشائخ، محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ تعالی علیہ ہیں، جن سے اسلامیان ہند کو بے شمار فیوض وبرکات حاصل ہوئے۔ ۲۷/ صفر المظفر ۶۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں بصد شوقِ ارادت مرشدِ گرامی حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوئے، مرشدِ گرامی سراپا شوق بنے ہوئے اپنے اس مریدِ صادق کا انتظار کر رہے تھے، دیکھتے ہی ارشاد فرمایا:

اے آتشِ فراقت دل ہا کباب کردہ — سیلابِ اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

کچھ دنوں تک تربیت فرمانے کے بعد ۶۷۲ھ میں خلافت سے سرفراز

فرمایا۔ دہلی آکر پہلے جنگلوں میں مصروفِ عبادت رہے، پھر حکمِ غیبی سے غیاث پورہ آ گئے اور ہدایتِ خلق میں مشغول ہو گئے۔ آپ سے بے شمار کرامات کا ظہور ہوا، بہت سارے سلاطین آپ کے نیاز مند رہے، لیکن آپ نے ان سے کنارہ کشی فرمائی۔ ۹۴؍ سال کی حیات مبارکہ پائی، ۱۷؍ ربیع الآخر ۷۳۵ھ کو وفات پائی۔ حضرت سلطان المشائخ کے خلفائے کرام کی تعداد کثیر ہے، جن سے آپ کا روحانی فیضان سلسلہ بسلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ شیخ المشائخ، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ملک الشعراء محبوب الاولیاء حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ، شیخ حسام الدین ملتانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آپ کے نام ور خلفائے کرام سے ہیں، دہلی میں مزارِ پر انوار ہے، جہاں آج بھی آپ کے جاری فیضان کا چشم دید مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

(ماخوذ بتلخیص از سیر الاخیار)

محبوب الٰہی، سلطان المشائخ
خواجہ نظام الدین محمد بدایونی ثم دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نفیس احمد قادری مصباحی

استاد الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

سلطان المشائخ، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین محمد بدایونی ثم دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی مشائخ چشتیہ میں مختلف حیثیتوں سے ممتاز اور نمایاں ہے، ان کی سنہری خدمات اور زرّیں کارناموں کا سلسلہ بہت دراز ہے، ایک عالَم ان کے روحانی فیوض وبرکات سے بہرہ ور ہوا ہے، ایک زمانے تک ان کے فیضان کا بادل پورے برّ صغیر میں "ابر کرم" بن کے برستا رہا جس سے علما وعوام، رعایا وحکام، اغنیا وفقرا، چھوٹے اور بڑے سبھی لوگ سیراب ہوئے، ان کی جد وجہد، محنت وجاں فشانی اور اخلاص وروحانیت کی بدولت برّ صغیر ہند وپاک میں سلسلۂ چشتیہ کو نئی زندگی اور نئی رفتار ملی۔ اس لیے ان کی زندگی کے اہم گوشوں کو مختلف ذیلی عنوانات کے تحت پیش کیا جا رہا ہے تاکہ صاحبانِ ذوق اور طالبانِ معرفت اپنی روحانی تشنگی بجھا سکیں، اور ان کے راستے پر چل کر منزل مقصود تک رسائی حاصل کر سکیں۔

نام ونسب:

آپ کا نام محمد، اور لقب سلطان المشائخ، محبوب الٰہی اور نظام الدین ہے، والد گرامی کا نام احمد، دادا جان کا نام علی اور نانا جان کا نام خواجہ عرب ہے۔

آپ کے نانا جان خواجہ عرب اور دادا جان خواجہ علی دونوں بزرگ سادات بخارا میں سے تھے، دونوں ہم جد تھے، اور ان کے درمیان برادرانہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔

دونوں ایک ساتھ بخارا سے لاہور تشریف لائے۔ ایک مدت تک وہاں قیام کیا، پھر شمالی ہند کے مشہور شہر بدایوں (۱) تشریف لے آئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

آپ کے نانا جان خواجہ عرب بہت متمول اور صاحب ثروت تھے، ان کے ملازم اور خدّام بہت تھے، جو انہی کے سرمایے سے تجارت کرتے تھے۔ آپ کی صرف دو اولادیں تھیں۔ ایک صاحب زادے حضرت خواجہ عبد اللہ، جن کے فرزند خواجہ سعید، خواجہ سعید کے فرزند خواجہ عبد العزیز، اور خواجہ عبد العزیز کے فرزند خواجہ حسن تھے۔

دوسری اولاد ایک صاحب زادی تھیں، جن کا نام بی بی زلیخا تھا۔ خواجہ عرب نے اپنی اس سعادت مند صاحب زادی کا نکاح خواجہ علی بخاری کے صاحب زادے خواجہ احمد بن علی سے کردیا، اور رواج کے مطابق بہت سا مال واسباب جہیز میں دیا۔ یہ نکاح قران السعدین ثابت ہوا۔ (۲)

ولادت: اسی مقدس خاتون کے شکم سے خواجہ سید احمد بخاری کے گھر بدایوں میں حضرت سلطان المشائخ کی ولادت ہوئی۔

تحقیق کے ساتھ آپ کی ولادت کی تاریخ اور سنہ کی تعیین دشوار ہے کیوں کہ آپ

---

(۱) بدایوں کا پرانا نام ”بداؤں“ ہے، یہ شہر روہیل کھنڈ کے علاقے میں دریاے سوٹھ کے بائیں کنارے پر آباد ہے، قدیم زمانے میں یہ بڑا اہم، پر رونق، آباد اور مرکزی شہر تھا، دہلی کے لیے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا، اسی مناسبت سے پرانی دہلی کے ایک دروازے کا نام ”دروازۂ بداؤں“ تھا۔ (نزہۃ الخواطر)
قلعۂ بدایوں کے موجودہ کھنڈر اس کی عظمت وشوکت اور اس کے استحکام ومرکزیت کے گواہ ہیں۔ سلطان محمد غوری کے بہادر اور عالی ہمت جرنیل قطب الدین ایبک نے اسے فتح کرنے کے بعد اپنے باصلاحیت اور دور اندیش خادم شمس الدین ایلتمش کو یہاں کا گورنر مقرر کیا۔ شمس الدن ایلتمش نے ۱۲۲۳ء میں یہاں ایک کشادہ اور شان دار مسجد تعمیر کرائی جو اب بھی موجود ہے، اس مقام کی اہمیت اور مرکزیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ دہلی کے دو بادشاہ شمس الدین ایلتمش اور ان کے فرزند رکن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے یہاں کے گورنر رہ چکے ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، تذکرہ بداؤں)
شہر بداؤں کو اس زمانے میں ”قبۃ الاسلام“ کہا جاتا تھا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں وہاں اسلام کا بول بالا اور مسلمانوں کا دور دورہ تھا، اور بعد کے زمانے میں بھی وہاں علما، مشائخ اور اولیاء اللہ کا قیام رہا۔ اسی لیے یہ شہر ”مدینۃ الاولیاء“ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

(۲) سیر الاولیاء، ص: ۹۴-۹۵۔

کے تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ حضرت سید محمد بن مبارک کرمانی ملقّب بہ ''میر خورد'' جو آپ کے مرید ہیں اور جنھوں نے سب سے پہلے تفصیل کے ساتھ آپ کے حالات اپنی کتاب ''سیر الاولیاء'' میں لکھے ہیں، انھوں نے بھی آپ کی ولادت کی تاریخ اور سنہ کا ذکر تحقیق کے ساتھ نہیں کیا ہے، صرف ایک اندازے سے ولادت کا سنہ ۶۳۶ھ لکھا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

''پوشیدہ نماند کہ حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ پانزدہم رجب المرجب سنہ خمس و خمسین و ست مائۃ بشرف ارادت شیخ شیوخ العالم مشرف شدہ اند، ودراں وقت بست سالہ بودند، پس ولادت حضرت سلطان المشایخ درشش صدو سی وشش باشد''۔ [۳]

(ترجمہ: یاد رہے کہ حضرت سلطان المشایخ قدس سرہ ۱۵/ رجب ۶۵۵ھ میں حضرت شیخ شیوخ العالم (خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاتھ پر بیعت وارادت سے شرف یاب ہوئے، اس وقت آپ بیس سال کے تھے تو (اس لحاظ سے) آپ کی ولادت کا سال ۶۳۶ھ ہوتا ہے۔)

نسب نامہ پدری ومادری:

سید نعمت اللہ نوری علیہ الرحمہ، حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کے نانہالی رشتہ داروں میں سے ہیں، انھوں نے لکھا ہے کہ آپ کے داداجان حضرت خواجہ سید علی بخاری اور آپ کے ناناجان حضرت خواجہ سید عرب حسینی بخاری ہم جد تھے، ان دونوں کے دادا حضرت سید حسن بن سید میر علی تھے۔ اس طرح آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے:

''سلطان المشایخ سید محمد نظام الدین بن (۱) خواجہ سید احمد بن (۲) خواجہ سید علی حسینی بخاری بن (۳) سید عبد اللہ بن (۴) سید حسن بن (۵) سید میر علی بن (۶) سید میر احمد بن (۷) سید میر ابی عبد اللہ بن (۸) سید میر علی اصغر بن (۹) سید جعفر بن (۱۰) سید علی الامام بن (۱۱) سید علی الہادی النقی بن (۱۲) امام سید محمد الجواد بن (۱۳)

(۳) سیر الاولیاء، ص: ۱۵۴۔

امام علی موسیٰ رضا بن (۱۴) امام موسیٰ کاظم بن (۱۵) امام جعفر صادق بن (۱۶) امام محمد باقر بن (۱۷) امام علی زین العابدین بن (۱۸) امام عالی مقام حسین شہید کربلا بن (۱۹) امیر المومنین علی مرتضی زوج سیدہ فاطمۃ الزہراء بنت (۲۰) خاتم النبیین، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ الأطہار وأصحابہ الأخیار والأبرار.

اور مادری نسب نامہ یہ ہے:

حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید محمد نظام الدین اولیا بن (۱) سیدہ بی بی زلیخا بنت (۲) خواجہ سید عرب حسینی بخاری بن (۳) سید محمد بن (۴) سید حسن۔ پھر آگے کا نسب نامہ مذکورہ بالا پدری نسب نامہ کے مطابق ہے۔[۴]

والد ماجد کی وفات:

حضرت سلطان المشائخ ابھی کم سن ہی تھے کہ آپ کے والد گرامی خواجہ سید احمد بن علی حسینی بخاری بیمار ہوئے۔ ایک رات سلطان المشائخ کی والدہ بی بی زلیخا نے خواب دیکھا کہ ان سے کہا جا رہا ہے کہ ”دو میں سے ایک کو چن لو، یا خواجہ احمد کو یا اپنے بیٹے سلطان المشائخ کو“۔ بی بی زلیخا نے اپنے فرزند حضرت سلطان المشائخ کو چن لیا۔ جب دن ہوا تو انھوں نے وہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا، لیکن اس بیماری سے ان کے شفا یاب ہونے کی امید ٹوٹ گئی، تاہم کھانے پینے اور ضرورت کی چیزیں ان کے لیے مہیا کرتی رہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد خواجہ سید احمد بخاری اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور بدایوں ہی میں (ساگر تال کے قریب) مدفون ہوئے۔[۵] وہاں ان کا روضہ آج تک زیارت گاہ خلائق ہے۔ راقم سطور (نفیس احمد مصباحی) کئی بار ان کے مزار پر حاضری کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔

---

(۴) سیر الاولیاء، ص:۹۶-۹۸۔

(۵) سیر الاولیاء، ص:۹۶-۹۸۔

تعلیم و تربیت کا آغاز:

حضرت سلطان المشائخ کے والد گرامی کی وفات کے بعد ان کی والدہ ماجدہ نے بڑے صبر و استقلال، دور اندیشی اور دور بینی کے ساتھ اپنے اکلوتے یتیم فرزند کی پرورش و پرداخت کی، ان کی دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا، جب وہ پڑھنے کے لائق ہو گئے تو پہلے انھیں مکتب بھیجا جہاں قرآن کریم ناظرہ کی تعلیم حاصل کی، قرآن کریم ختم کرنے کے بعد دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھنے لگے، ایک عظیم کتاب ختم کرنے کے قریب ہوئے تو آپ کے استاد گرامی نے فرمایا: (۶)

''تو کتابے معتبر تمام می کنی ترا دستار دانش مندی بر سر مبارک خود می باید بست''۔

(ترجمہ: تم ایک مستند کتاب ختم کر رہے ہو، اب تمھیں اپنے مبارک سر پر عالمیت کی دستار باندھنی چاہیے۔)

آپ نے اپنی والدہ محترمہ سے آکر کہا کہ استاد گرامی نے دستار بندی کا حکم دیا ہے، والدہ محترمہ نے روئی خرید کر اس کا دھاگا بنوایا اور بہت جلدی پگڑی تیار کر کے ایک مختصر تقریب منعقد کی جس میں کچھ علماے دین اور صلحاے وقت کو دعوت دی، اس تقریب میں خواجہ علی رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے جو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ کے مرید اور فیض یافتہ تھے اور اس دور میں ان کی روحانیت و کرامت کا چرچا تھا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو سلطان المشائخ وہ دستار ہاتھ میں لیے مجلس میں آئے تا کہ ان بزرگوں کے سامنے دستار بندی ہو۔ حضرت شیخ علی نے دستار مبارک کا ایک سرا اپنے دست مبارک میں لیا اور دوسرا سرا حضرت سلطان المشائخ کے ہاتھ میں دیا، سلطان المشائخ نے وہ دستار سر پر باندھی۔ اس کے بعد کا واقعہ سیر الاولیاء میں کچھ اس طرح ہے:

''اول سر در قدم خواجہ علی آورد، و خواجہ دعا کرد: حق تعالی ترا از علماے دیں گرداناد و بمنتہاے ہمت رساناد، بعدہ سر در قدم اہل مجلس می آورد و دعاہاے آں صادقاں

---

(۶) اخبار الاخیار، ص: ۸۳ کے بیان کے مطابق وہ استاد حضرت مولانا علاء الدین اصولی بداؤنی تھے۔ اور وہ کتاب فقہ حنفی کی معتبر کتاب مختصر القدوری تھی۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

راخریداری می کرد"۔(۷)

(ترجمہ: سب سے پہلے سلطان المشائخ نے حضرت خواجہ علی کی قدم بوسی کی، انھوں نے دعا کی: اللہ تعالیٰ تمھیں عالم دین بنائے اور روحانیت وبزرگی کے کمال تک پہنچائے۔ پھر دیگر حاضرین مجلس کی قدم بوسی کی اور ان ارباب صداقت کی دعائیں لیں۔)

یہ والدہ ماجدہ کی مخلصانہ تربیت ہی کا اثر تھا کہ اس کم عمری میں آپ کے اندر یہ تواضع اور عاجزی پیدا ہو گئی تھی کہ سید زادہ ہونے کے باوجود آپ نے تمام اہل مجلس کی قدم بوسی کی اور ان کی پر خلوص دعاؤں سے شاد کام ہوئے۔

مولانا علاء الدین اصولی بدایونی:

آپ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے بدایونی استاد آپ ہی تھے، خیر المجالس میں ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ نے آپ سے (فقہ حنفی کی مشہور کتاب) قدوری پڑھی تھی۔

فوائد الفواد میں خود حضرت سلطان المشائخ کی زبانی مرقوم ہے کہ مولانا موصوف اپنے بچپن کے زمانے میں بدایوں کی ایک گلی سے جا رہے تھے کہ شیخ جلال الدین تبریزی نے آپ کو اپنے پاس بلایا، اور جو لباس پہنے ہوئے تھے وہ اتار کر انھیں پہنا دیا، موصوف میں جو عمدہ اخلاق اور بلند اوصاف تھے وہ اسی لباس کی برکت سے تھے۔

خیر المجالس میں ہے کہ آپ عام حالات میں کسی کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے، جب تک سخت ضرورت پیش نہ آجائے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ فاقوں کی وجہ سے کھلی چبا رہے تھے، اسی درمیان حجامت بنانے کے لیے حجام آگیا، آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ اس فقر و فاقہ کی اسے اطلاع ہو اس لیے وہ کھلی اپنے عمامے میں چھپا لی، پھر خط بنوایا اور بال ترشوانے کے لیے جب سر سے عمامہ اتارا تو وہ کھلی زمین پر گر گئی، جسے حجام نے دیکھ لیا۔ اس نے یہ واقعہ ایک مال دار سے بیان کر دیا، جس نے کئی من غلہ، کئی گھڑے گھی، اور

(۷) سیر الاولیاء، ص:۹۵-۹۶۔

ایک ہزار جیتل آپ کی خدمت میں بھیج دیے، لیکن آپ نے یہ ہدیہ قبول نہ کیا، اور واپس کر دیا، اس کے بعد موصوف نے اس حجام کو بلوا کر اسے بہت ملامت کی اور فرمایا کہ اب آئندہ تم ہمارے پاس نہ آنا۔ پھر اس حجام نے متعدّد حضرات سے آپ کی خدمت میں سفارش کروائی تب آپ نے اسے اس شرط کے ساتھ اپنے یہاں آنے کی اجازت دی کہ پھر کبھی وہ فقرا کا راز فاش نہ کرے گا۔ (۸)

اللہ کے مہمان:

اس چھوٹے سے شریف گھرانے میں جو سایۂ پدری سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی ۔ حضرت سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ "آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں" مجھے یہ بات سن کر بہت مزہ آتا۔ ایک دن کوئی اللہ کا بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ " آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں"۔ آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم سب اللہ کے مہمان ہیں۔ یہ سن کر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا ہے۔ (۹)

شیخ کی طرف قلبی کشش:

حضرت سلطان المشایخ کا بیان ہے کہ میں کم سن تھا، کوئی بارہ سال یا کچھ کم وبیش عمر رہی ہوگی، اس وقت میں علم لغت پڑھتا تھا، ایک شخص میرے استاد کے پاس آیا جو ابو بکر خراطہ کے نام سے مشہور تھا اور اسے ابو بکر قوال بھی کہا جاتا تھا، وہ ملتان سے ہو کر آرہا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے شیخ بہاء الدین زکریا کے سامنے مجلس سماع میں یہ اشعار پڑھے:

---

(۸) اخبار الاخیار – فارسی، ص: ۸۳، ۸۴۔

(۹) سیر الاولیاء، ص: ۱۱۳۔

بكل صبح وبكل إشراق تبكيك عيني بدمع مشتاق
قد لسعت حية الهوي كبدي فلا طبيب لها ولا راق

اس کے آگے کے دو مصرعے میں بھول گیا تو شیخ نے مجھے بتائے کہ وہ یہ ہیں:

إلا الحبيب الذي شغفت به فعنده رُقيتي وترياقي

ان اشعار کا فارسی ترجمہ یہ ہے:[10]

از مارِ غمش گزیدہ دارم جگرے کورا نہ کند ہیچ فسونے اثرے
جُز دوست کہ من شیفتہ عشق وَیَم افسونِ علاجِ من چہ داند دگرے

اس کے بعد اس نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کیے کہ وہاں کے لوگ ایسے ذاکر، شاغل ہیں، اور اوراد و نوافل کا ایسا ماحول ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مامائیں اور لونڈیاں بھی چکی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں، اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا، مگر کوئی چیز میرے دل میں نہ جمی، اس کے بعد اس نے بتایا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا، وہاں میں نے ایسا بادشاہ دین دیکھا، اس کے بعد اس نے شیخ الاسلام شیخ فرید الدین کا تذکرہ کیا، یہ سنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی، اور ان کی محبت وارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے ان کا نام لیے میں مزا آنے لگا، اور میں ہر نماز کے بعد دس بار کہتا: ''شیخ فرید الدین'' اور دس بار کہتا: ''مولانا فرید الدین'' پھر یہ محبت اتنی بڑھی کہ میرے سبھی دوستوں کو اس کی خبر ہوگئی۔ پھر یہ حال ہو گیا کہ اگر وہ مجھ سے کوئی بات پوچھتے اور مجھ سے قسم کھلانا چاہتے تو کہتے کہ شیخ فرید کی قسم کھا۔[11]

---

(۱۰) اور اردو میں ترجمہ یہ ہے:
ہر وقت میری آنکھیں تجھ پر عاشقانہ آنسو بہاتی ہیں۔ محبت کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے تو اس کے لیے نہ تو کوئی طبیب ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا، سوائے اس محبوب کے جس پر میں شیفتہ وفریفتہ ہوں، تو اسی کے پاس میرا جھاڑ پھونک کا علاج اور تریاق ہے۔

(۱۱) فوائد الفواد-فارسی، ج:۴، ص:۲۵۲، ۲۵۳۔

دہلی روانگی اور قیام:

حضرت سلطان المشائخ کا بیان ہے کہ جب میں سولہ سال کا ہوا تو اپنی ہم شیر اور والدہ کے ہم راہ دہلی جاکر سکونت اختیار کرلی۔[۱۲]

فرماتے ہیں کہ اس سفر میں عوض نام کے ایک سن رسیدہ شخص میرے ہم راہ تھے، راستے میں اگر کہیں شیر کا خوف یا چور کا ڈر ہوتا تو وہ کہتے: ''اے میرے پیر! حاضر رہنا، اے مرشد! ہم آپ کی پناہ میں ہیں۔'' میں نے ان سے پوچھا کہ آپ پیر و مرشد کس کو کہ رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ شیخ شیوخ العالم خواجہ فرید الدین کو۔ اس جواب سے میرا شوقِ ملاقات اور اضطراب محبت اور بڑھ گیا۔

درمیان میں مولانا حسین خنداں نام کے ایک اور صاحب شریک سفر ہوگئے، وہ ایک اچھے انسان تھے۔ خوش قسمتی سے دہلی پہنچنے پر ہمارا قیام حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر کے قریب ہی ہوا۔ وہ حضرت شیخ الشیوخ خواجہ فرید الدین کے بھائی تھے۔[۱۳]

سیر الاولیا حضرت سلطان المشائخ کے احوال و مناقب کے بارے میں نہایت مستند کتاب ہے، اس کے مصنف سید محمد بن مبارک کرمانی دہلوی، حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہیں، انھوں نے اس کتاب میں حضرت سلطان المشائخ کے حوالے سے یہ صراحت کی ہے کہ سولہ سال کی عمر میں آپ نے دہلی کا سفر کیا۔ اس لیے سیر العارفین کا یہ بیان کسی طرح صحیح نہیں کہ ''آپ پچیس سال کی عمر میں بداؤں سے دہلی آئے''۔[۱۴]

مولانا شمس الدین خوارزمی کی درس گاہ میں:

آپ نے دہلی آکر طلبِ علم کا سلسلہ جاری رکھا، یہ مدت تین چار سال کی تھی، دہلی

---

(۱۲) مرآۃ الاسرار مترجم، ص:۷۷۸۔

(۱۳) فوائد الفواد- فارسی، ج:۴، ص:۲۵۴ + سیر الاولیاء فارسی، ص:۱۰۰۔

(۱۴) دیکھیے سیر العارفین مترجم اردو، ص:۸۰۔

میں اس وقت بڑے مشہور اور نامور اساتذہ جمع تھے۔ (۱۵)

یہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہد حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہد وزارت تھا، اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک ہو کر "شمس الملک" کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ سلطنت کے ایک نہایت اہم عہدے کی ذمہ داری اور مشغولیت کے ساتھ اس زمانے کے علماء کی طرح درس وتدریس کا مشغلہ بھی رکھتے تھے، حضرت سلطان المشائخ ان کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔

مولانا شمس الدین کو حضرت سے تعلق خاص تھا، اور آپ ان کے محبوب ترین شاگرد تھے، وہ جس خاص حجرہ میں مطالعہ فرماتے تھے اس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی، مگر حضرت خواجہ اور ان کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔ (۱۶)

مولانا شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے؟ حضرت سلطان المشائخ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے تبسم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی قصور کروں، لیکن مجھ سے ناغہ ہو جاتا، یا دیر میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے، لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے:

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے　　　　آئی وبما کنی نگاہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ آبدیدہ ہو گئے اور سب سننے والوں پر رقت طاری ہو گئی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے، میں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے۔ (۱۷)

---

(۱۵) تاریخ فیروز شاہی، ص:۱۱۲۔
(۱۶) سیر العارفین، ص:۸۱۔
(۱۷) فوائد الفواد–فارسی، ج:۲، ص:۱۱۵۔

نظام الدین بحاث و محفل شکن:

حضرت سلطان المشائخ نے اپنی فطری ذہانت، خداداد لیاقت اور انتھک محنت اور جدوجہد سے علوم وفنون میں ممتاز مقام حاصل کرلیا تھا، طلاقت لسانی اور زبان آوری میں منفرد و یکتا تھے، علمی استحضار اور قوت استدلال کا یہ عالم تھا کہ آپ محفل میں جس مسئلے پر گفتگو کرتے تو حاضرین دم بخود ہو جاتے اور جس مسئلے پر کسی سے بحث کرتے تو مد مقابل لا جواب ہو جاتا اور خاموشی ہی میں اپنی عافیت سمجھتا، اور پوری محفل پر آپ کی زبان دانی، قوت حافظہ، علمی استحضار اور ذہانت وفطانت کا سکہ بیٹھ جاتا۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھی آپ کو "مولانا نظام الدین بحاث" اور "محفل شکن" کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ (۱۸)

علوم ادبیہ و دینیہ کی تحصیل:

دہلی ہی میں رہتے ہوئے آپ نے حضرت مولانا شمس الدین دامغانی ہی سے علم فقہ اور اصول فقہ میں کمال حاصل کیا، پھر عربی ادب کی مشہور کتاب "مقامات حریری" پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ اس کے چالیس مقامے زبانی یاد کر لیے۔ اس کے بعد علم حدیث کی طرف توجہ کی۔ (۱۹)

قلبی اضطراب اور جذب الی اللہ:

حضرت سلطان المشائخ پوری توجہ اور لگن کے ساتھ علم حاصل کر رہے تھے، وہ عزم وہمت اور استقلال و ثابت قدمی کے کوہ گراں بن کر طلب علم کی مہم سر کر رہے تھے، مگر دل میں رہ رہ کے ایک اضطراب انگڑائیاں لیتا تھا، اور ایک خاص شوق پیدا ہوتا اور دل کی دنیا کو اتھل پتھل کر دیتا تھا، روح کو کسی اور چیز کی تلاش تھی۔ اس خشک بحث و مباحثہ اور علوم ظاہری کی ویران فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہو جاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی

---

(۱۸) سیر الاولیاء، ص:۱۰۱۔

(۱۹) سیر الاولیاء، ص:۱۰۱۔

اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے جاؤں گا، اگرچہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اکثر میری طبیعت وحشت زدہ ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ ”میں ہمیشہ تمھارے درمیان نہیں رہوں گا، میں کچھ دن تمھارے یہاں مہمان ہوں۔“ امیر حسن علاء سجزی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ فرمایا: ”ہاں!“۔ [۲۰]

والدہ ماجدہ کی رحلت:

قیام دہلی ہی کے دوران حضرت سلطان المشائخ کی والدہ ماجدہ نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کی رحلت جمادی الآخرہ کی پہلی تاریخ کو ہوئی۔ [۲۱] لیکن سنہ وفات کیا تھا؟ معلوم نہ ہو سکا۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں:

جمادی الآخرہ کی پہلی تاریخ میری والدۂ ماجدہ کی رحلت کا دن ہے، چاند دیکھ کر ان کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور قدم بوسی کی اور معمول کے مطابق نئے چاند کی مبارک باد پیش کی، فرمایا: ”غرّۂ ماہ آئندہ سر بر قدمِ کہ خواہی نہاد؟“ (آئندہ مہینے کے چاند کے موقع پر کس کی قدم بوسی کرو گے؟) میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے، میرا دل بھر آیا، اور میں رونے لگا۔

میں نے کہا کہ مخدومہ! مجھ غریب و بیچارہ کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟ فرمایا: اس کا کل جواب دوں گی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا: جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو۔ ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا، آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بلا رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا: ہاں! جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ: کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب میں اس کا

(۲۰) فوائد الفواد، ج:۲ص:۰۷، مجلس اول۔

(۲۱) سیر الاولیاء، ص:۱۵۲۔

جواب دیتی ہوں، غور سے سنو! فرمایا: تمھارا دایاں ہاتھ کون سا ہے؟ میں نے ہاتھ سامنے کر دیا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: خدایا! اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جاتیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔[۲۲]

والدہ ماجدہ کی روحانیت:

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ مکرمہ خدا رسیدہ خاتون تھیں، اگر انھیں کوئی ضرورت در پیش ہوتی تو اس کی تکمیل خواب میں دیکھ لیتی تھیں، پھر اسے اللہ تعالی کے حوالے کر دیتیں، بارہا میری والدہ میرے پاؤں دیکھتیں اور فرماتیں کہ ”میں تیرے اندر سعادت اور نیک بختی دیکھتی ہوں“۔

جب سختی کے دن میرے سامنے آئے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ تو میرے بارے میں سعادت اور نیک بختی کی بات دیکھتی تھیں، لیکن میں اپنے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں دیکھ رہا ہوں۔ ”گفت: اثر آں ظاہر خواہد شد فأما وقتے کہ من از جہاں رفتہ باشم“۔ (فرمایا: ”اس کا اثر ظاہر ہوگا، لیکن اس وقت جب کہ میں اس دنیا سے جا چکی ہوں گی“۔)

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میری والدہ ماجدہ نے جو کہا وہی ہوا۔ جو ضرورت مجھے در پیش ہوتی، میں والدہ کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کرتا، اکثر ایسا ہوتا کہ اسی ہفتے میں پوری ہو جاتی، شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا کہ ایک مہینے میں پوری ہو۔

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ والدہ ماجدہ کو جب کوئی ضرورت پیش آتی تو پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھتیں اور اپنا دامن پھیلا کر اللہ تعالی سے مرادمانگتیں تو ان کی خواہش کے مطابق مراد پوری ہو جاتی۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ والدہ جامدہ کی خادمہ گھر سے بھاگ گئی، گھر میں کوئی خدمت گار نہ تھا۔ (اور ضعیفی کی وجہ سے انھیں اس کی ضرورت تھی) اس لیے فکر مند ہوئیں، مصلّا بچھا کر بیٹھ گئیں اور بارگاہِ الٰہی میں دعا و مناجات شروع کر دی، میں نے سنا کہ

---

(۲۲) سیر الاولیاء، ص: ۱۵۲۔

وہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کررہی ہیں کہ ''خادمہ بھاگ گئی ہے، جب تک وہ واپس نہ آئے گی، میں دوپٹے کا دامن سر پر نہ رکھوں گی۔'' میں یہ بات سن کر متفکر ہوگیا۔ اسی وقت ایک شخص نے دروازے پر آکر کہا: ''آپ کی یہ کنیز بھاگ گئی تھی، اسے لے جائیے۔''(۲۳)

ایک تاریخی واقعہ:

حضرت سلطان المشایخ علیہ الرحمہ والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد ان کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے، اور مشکل حالات میں وہاں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تو والدہ ماجدہ کی روحانیت کی برکت سے آپ کی دعائیں قبول ہوجاتی تھیں۔ اس کا ثبوت اس واقعے سے فراہم ہوتا ہے کہ جب سلطان علاء الدین کے بعد اس کا دوسرا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ، ولی عہد سلطنت خضر خاں کو محروم و مکحول کرکے غاصبانہ تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ خضر خاں چوں کہ حضرت سلطان المشایخ کا مرید تھا اور وہی سلطان علاء الدین کا ولی عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت غصب کی تھی؛ اس لیے قطب الدین حضرت سے بھی ناراض رہتا تھا، اس نے اپنی ایک جامع مسجد ''جامع میری'' کے نام سے بنوائی تھی اور دہلی کے تمام مشایخ و علما کو حکم تھا کہ اسی میں آکر نماز جمعہ ادا کریں۔ سلطان المشایخ نے کہلا بھیجا کہ: ''ما مسجد نزدیک داریم وایں احق است، ہمیں جا خواہم گزار''۔ (ہمارے قریب ایک مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے، ہم یہیں نماز پڑھیں گے) اور وہ جمعہ کی نماز پڑھنے جامع مسجد نہیں گئے۔ بادشاہ سخت برافروختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو اعیان اور مشاہیر شہر دربار شاہی میں پیش ہوکر نذر گزارتے تھے، سلطان المشایخ اس تقریب میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، ادائے رسم کے لیے اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے تھے اس سے بھی وہ ناراض تھا۔ اس نے اپنے تمام امراء و وزراء کو حکم دیا:

''کسے بزیارت شیخ غیاث پور نہ رود'' (کوئی شیخ کی زیارت کے لیے غیاث پور نہ جائے)

حضرت امیر خسرو نے یہ لکھا ہے:

---

(۲۳) سیر الاولیاء، ص: ۱۴۹، ۱۵۰۔

”بارہامی گفت کہ ہر کہ سر شیخ برد ہزار تنکا اورا دہم“ (وہ بار بار کہتا تھا کہ جو شیخ کا سر لائے گا اس کو ہزار تنکہ دوں گا)

ایک روز شیخ ضیاء الدین رومی کی درگاہ میں حضرت سلطان المشائخ اور بادشاہ قطب الدین کا آمنا سامنا بھی ہو گیا، آپ نے بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے سلام کیا، قطب الدین نے جواب نہ دیا۔

یوں مسلسل واقعات قطب الدین کی حکومت کی چار سالہ مدت میں پیش آتے رہے۔[24]

نوچندی کی حاضری پر اصرار کا قصہ سب سے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ: ”اگر در غرہ آئندہ نیامد بیاریم چناں کہ دانیم“۔ (اگر اگلے مہینے کے آغاز میں نہیں آئے تو ہمیں معلوم ہے کہ انھیں کیسے لائیں گے) گویا کہ یہ اس بات کی دھمکی تھی کہ بزور حکومت دربار میں گھسٹوا کر بلواؤں گا، شاید قتل ہی کا ارادہ ہو۔

سلطان المشائخ کو بادشاہ کے اس عزم مصمم کی خبر پہنچی۔ آپ نے کچھ نہیں کہا اور والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، اور والدہ کو مخاطب کر کے کہا:

”ایں بادشاہ در خاطر ایذاے من دارد، اگر تا ماہ آئندہ کہ ایذاے من راست گرفتہ است کارِ او بکفایت نرسد من بزیارتِ شما نیایم۔“

(یہ باشادہ مجھے اذیت دینے کا ارادہ رکھتا ہے، اگر اگلے مہینے تک جس میں مجھے تکلیف پہنچانے کا اس نے پکا ارادہ کر رکھا ہے اس کا کام تمام نہ ہوا تو میں آپ کی زیارت کو نہ آؤں۔)

صاحب سیر الاولیا فرماتے ہیں کہ ”بڑے ناز و نیاز کے انداز میں آپ نے اپنی والدۂ ماجدہ کی بارگاہ میں یہ بات کہی اور اطمینان کے ساتھ گھر لوٹ آئے۔

اب مہینہ ایک ایک کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا، مہینہ جتنا نزدیک آ رہا تھا اہل تعلق کا فکر و تردد بڑھتا جا رہا تھا، چاند مغرب کے بعد دیکھا گیا، کل پہلی تاریخ ہے، شہر کے اعیان و امراء دربار میں جائیں گے، لیکن سلطان المشائخ یہی طے کیے ہوئے ہیں کہ میں نہیں جاؤں۔ قطب الدین یہ فیصلہ کیے ہوئے ہے کہ: اگر نیامد بیاریم چناں کہ دانیم“۔ صرف

---

(۲۴) نظام تعلیم و تربیت، ص: ۲۲۰۔

یہی رات بچی ہے۔ دلّی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے، دنیا اور دین کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گزرنے بھی نہ پائی کہ ''ہم دریں شبِ ماہ بلائے از آسمان برجان بادشاہ نازل شد''۔ (اسی چاند رات میں بادشاہ کی جان پر آفت آسمانی نازل ہوئی) یعنی ''خسرو خاں موئے سر سلطان راگرفت وباہم درآویختند پہلوئے سلطان رابہ خنجر شگافتہ برزمین انداخت وسرآں شوم راازتن جداکردہ ازبام ہزار ستون بزیر افگند''۔ (طباطبائی)

خسرو خاں نے سلطان کے پہلو کو خنجر سے چیر کر زمین پر ڈال دیا، اور اس شامت زدہ کا سرتن سے جدا کر کے بامِ ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے:

اے روبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
با شیر پنجہ کردی ودیدی سزائے خویش

(اے کم ظرف لومڑی تو اپنی جگہ آرام سے کیوں بیٹھی نہ رہی، تو نے شیر سے پنجہ لڑایا اور سزا پالی۔)(۲۵)

سیر الاولیاء میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ واقعہ چاند رات کا ہے لیکن مہینہ اور سنہ کی تعیین نہیں ہے۔ مگر حضرت سلطان المشایخ کے چہیتے مرید و خلیفہ حضرت امیر خسرو نے اپنی مثنوی ''تغلق نامہ'' میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ سلطان قطب الدین کے قتل کا واقعہ ماہ جمادی الآخرہ ۷۲۰ھ کو عین چاند رات کو واقع ہوا، وہ لکھتے ہیں:

چوں تاریخِ عرب شد ہفتصد وبیست — ثباتِ قطب شد کم جانب زیست
جماد دوئمیں را شد پدیدار — ہلالِ تیرہ و تاریک دیدار
مہِ باریک بود از حالتِ تلخ — بناخن کردہ خود را پیش ازاں سلخ
شد آں مہ برہمہ گیہاں مبارک — مگر بر طالعِ سلطاں مبارک(۲۶)

---

(۲۵) سیر الاولیاء، ص:۱۵۰، ۱۵۱----نظام تعلیم و تربیت، ص:۲۳۰۔
(۲۶) تغلق نامہ، ص:۱۹، مطبوعہ حیدر آباد، دکن۔

شیخ نجیب الدین متوکل اور سلطان الاولیاء:

حضرت شیخ نجیب الدین متوکل، شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ کے بھائی اور خلیفہ مُجاز تھے۔ معاملات میں سخت (یعنی شریعت کے پابند) اور نہایت متوکل تھے، ستر برس کی مدت تک شہر دہلی میں رہے، آپ کے پاس کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ نہ تھا، اور آپ کے بیوی بچے اور متعلقین بھی تھے، مگر اس کے باوجود اس قدر بے فکری اور خوش حالی کے ساتھ زندگی گزارتے تھے کہ آپ کو یہ بھی خبر نہ ہوا کرتی کہ آج کون سا دن، کون سا مہینہ ہے اور کتنی رقم گھر میں موجود ہے۔ ایک بار عید کے دن آپ کے گھر چند درویش آگئے، گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا، آپ اپنے مکان کی چھت پر جاکر یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے، دل میں کہا: کیا آج عید کا دن یوں ہی گزر جائے گا، میرے بال بچوں کے منھ میں کچھ بھی نہ جائے گا اور کیا یہ مہمان بھی یوں ہی خالی لوٹ جائیں گے؟ اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی مکان کی چھت پر آیا اور یہ شعر پڑھ رہا ہے:

بادل گفتم: دلا! خضر را بینی   دل گفت: اگر مرا نماید، بینم

(میں نے دل سے کہا: اے دل! کیا تو خضر کو دیکھے گا؟ دل نے کہا: اگر مجھے دکھائی دیں گے تو دیکھوں گا)

پھر اس شخص نے کھانے سے بھرا ہوا ایک خوان سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ تمھارے توکل کی دھوم عالم بالا میں فرشتوں کے درمیان ہے، پھر بھی تم اس مقصد کی طرف متوجہ ہو۔ آپ نے جواب دیا: ”اللہ جانتا ہے کہ میں اپنے لیے اس کی طرف مائل نہیں، بلکہ دوستوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔“ غالباً وہ کھانا لانے والے بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضرت سلطان المشائخ کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں حاضری سے پہلے ایک دن میں خواجہ نجیب الدین متوکل کی مجلس میں بیٹھا

ہوا تھا، میں نے مجلس میں کھڑے ہو کر درخواست کی کہ آپ لوگ ایک بار سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ کر دعا کریں کہ میں کسی شہر کا قاضی (جج) مقرر ہو جاؤں، اس پر شیخ نجیب الدین متوکل مسکرائے اور فرمایا: "قاضی نہ بنو، کچھ اور بنو۔"(۲۷)

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں: شیخ نجیب الدین ہر سال شیخ شیوخ عالم حضرت خواجہ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اجودھن حاضر ہوتے، جب لوٹنا چاہتے تو ان سے فاتحہ اور دعا کی درخواست کرتے، نیت یہ ہوتی کہ جیسے اس مرتبہ آیا ہوں پھر دوبارہ حاضری نصیب ہو، حضرت شیخ الشیوخ فاتحہ پڑھ کر ارشاد فرماتے: "بار بار آؤ گے"۔ انیس بار وہ حضرت کے پاس اسی طرح حاضر ہوئے، جب انیسویں مرتبہ واپسی کا ارادہ کیا تو معمول کے مطابق حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "میں جب بھی یہاں حاضر آیا تو واپسی کے وقت آپ سے فاتحہ اور دعا کی درخواست کی کہ آئندہ بھی حاضر ہو سکوں، آپ ہر دفعہ فرمایا کرتے تھے کہ بار بار آؤ گے، اب جب کہ انیس مرتبہ آچکا ہوں پھر گزارش کرتا ہوں کہ فاتحہ پڑھ کر دعا فرمائیں کہ ایک بار پھر آؤں، تاکہ یہ تعداد بیس ہو جائے۔" یہ سننے کے بعد بھی حضرت شیخ الشیوخ نے دعا نہ کی۔ اس مرتبہ جب دہلی واپس ہوئے تو انتقال فرما گئے۔(۲۸)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مقبرے کے راستے میں سلطان محمد عادل بادشاہ کی مشہور عمارت "جے منڈل" کے سامنے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کا مزار ہے، خواجہ نظام الدین اولیا اور آپ کا مکان بھی اسی جگہ پر تھا۔(۲۹)

علم حدیث کی تحصیل:

حضرت سلطان المشائخ نے علم حدیث اس زمانے کے مشہور محدث شیخ محمد بن

---

(۲۷) اخبار الاخیار، فارسی، ص:۶۶ — ۶۷۔

(۲۸) سیر الاولیا، فارسی، ص:۱۶۹

(۲۹) اخبار الاخیار، فارسی، ص:۶۶-۶۷۔

احمد ماریکلی (متوفی: ۶۸۴ھ) سے حاصل کیا جو مولانا کمال الدین زاہد کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت نے ان سے ''مشارق الانوار'' کا درس لیا۔ سند و متن کی فنی باریکیاں سیکھیں، اور پوری ''مشارق الانوار'' زبانی یاد کی۔ بقول صاحبِ سیر الاولیا یہ مقامات حریری کے چالیس مقامے زبانی یاد کرنے کا کفارہ تھا۔ (۳۰)

سندِ حدیث:

محدث عصر حضرت مولانا شیخ کمال الدین زاہد علیہ الرحمہ (متوفی: ۶۸۴ھ) نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر آپ کو درس حدیث کی اجازت دی، یہ اجازت ''مشارق الانوار'' کے اسی نسخے پر لکھی تھی جس کو حضرت سلطان المشائخ نے ان سے پڑھا تھا۔ اجازت نامے کا متن یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ لِمَن لهُ الاهتداءُ والإعطاءُ، والصباحُ والرواحُ، والمدحُ لِمَنْ له الآلاءُ والنعماءُ، والصباحُ والمراحُ، والصلاةُ الفصاح على ذي الفضائلِ السماء، والكلمةُ والكلامُ المفتاحُ، والمناقبُ العليا والأحاديثُ الصِّحاحُ، صلاةً تدوم دوامَ الصَّباحِ والروّاح.

---

(۳۰) مولانا شیخ کمال الدین زاہد کا اصل نام محمد بن احمد بن محمد الماریکلی ہے جیسا کہ حضرت سلطان المشائخ کی سند حدیث میں انھوں نے خود لکھا ہے۔ وہ بڑے متقی، پرہیزگار اور متدین عالم تھے، علم وعمل اور زہد و ورع میں مشہور زمانہ تھے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کی یہ تمنا تھی کہ مولانا کمال الدین زاہد کو امام مقرر کر کے ان کی اقتدا میں نماز پڑھا کرے، اسی نیت سے مولانا موصوف کو اپنے یہاں بلایا اور کہا کہ مجھے آپ کے علمی کمالات، اور دیانت وتقوی پر مکمل اعتماد ہے، اگر میری بات مانتے ہوئے امامت کا منصب قبول کرلیں تو بڑی مہربانی ہوگی، اور مجھے بارگاہ الٰہی میں اپنی نماز کے قبول ہونے پر پورا اعتماد ہو جائے گا۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس تو بس یہی نماز رہ گئی ہے، اس کے سوا اور کچھ ہے نہیں، اب کیا بادشاہ سلامت یہ چاہتے ہیں کہ میرے پاس یہ بھی نہ رہے؟ آپ نے یہ جواب کچھ اس بارعب اور پر جلال لہجے میں دیا کہ بادشاہ خاموش ہو گیا، اور بہت معذرت کر کے آپ کو رخصت کیا۔

(سیر الاولیاء فارسی، ص:۱۰۵، ۱۰۶---اخبار الاخیار فارسی، ص:۷۷، ۷۸۔)

وبعدُ فإنّ الله تعالى وفّق الشيخَ الإمامَ العالمَ الناسكَ السَّالِكَ **نظامَ الدين محمدَ بنَ أحمدَ بنِ عليّ** مع وفور فضله في العلم، وبلوغِ قدرِه ذِروةَ الحلمِ، مقبولَ المشايخِ الكبارِ، منظورَ العلماءِ الأخيار والأبرارِ، بأن قرأ هذا الأصلَ المستخرج من الصحيحين على سَاطِرِ هذه السطور في الزمنِ الحارّ، ودُرُور الأمطار، من أوّله إلى آخره قراءةَ بحثٍ وإتقانٍ و تنقيح معانيه، وتنقير مبانيه، وكاتبُ السطورِ يَروِيه قراءةً وسَماعًا عن الشيخين الإمامين، العالِمَينِ الكامِلَينِ، أحدُ الشيخين مولّفُ شرح آثار النَّيِّرين في أخبارِ الصحيحين، والأخرُ صاحبُ الدرسين المنِيرَينِ الإمامُ الأجلُّ الكاملُ، مالكُ رِقابِ النظمِ والنثرِ، برهانُ الملّةِ والدينِ محمود بن أبي الحسنِ أسعد البلخي رحمةُ الله عليهما رحمةً واسعةً، كتابةً وشفاهةً، وهما يَروِيَانِه عن مولّفه، وأجزتُ له أن يروِيَ عنّي كما هو المشروطُ في هذا الباب، والله أعلم بالصواب، وأُوصِيه أن لا ينساني وأولادي في دعواتِه في خَلوتِه، وصَحَّ له القراءةُ والسَّماعُ في المسجد المنسوبِ إلى نجم الدين أبي بكر البواسي رحمه الله في بلدة دهلي، صانَها الله عن الآفات والعاهات.

وهذا خطُّ أضعفِ عبادِ اللهِ وأحقرِ خلقِه **محمدِ بنِ أحمدَ بنِ محمد المَارِيكَلِيّ** الملقَّب **بالكمال الزاهد**. والفراغُ من القراءةِ والسَّماعِ وكَتْبِ هذه السطورِ في الثاني والعشرين من ربيع الأول سنةً تسعٍ وسبعين وستِّ مائة، حامداً لِلّهِ تعاليٰ ومُصَلّياً على رسولهِ.(۳۱)

یہ سندِ حدیث آپ کو ۲۲/ ربیع الاول ۶۷۹ھ کو ملی، جب کہ آپ کی ولادت ۶۳۶ھ اور آپ کے مرشد گرامی حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۵/ محرم ۶۶۴ھ کو ہوئی، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس وقت آپ کو یہ سند حدیث ملی اس وقت آپ کی

(۳۱) سیر الاولیاء "فارسی"، ص:۱۰۴، ۱۰۵۔

عمر تینتالیس سال تھی اور مرشد گرامی کی وفات کو ۱۳/ سال ۲/ ماہ، ۱۷/ دن ہو چکے تھے۔

اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ آپ نے مشارق الانوار کا درس اس وقت لیا جب کہ آپ مرشد گرامی کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد و تربیت پر جلوہ افروز تھے، خلقِ خدا کا آپ کی طرف رجوع ہونے لگا تھا، مشائخ کرام کے درمیان مقبول اور علماے عظام کے منظورِ نظر ہو چکے تھے، کیوں کہ سند حدیث میں آپ کے لیے "الشیخ الإمام، العالم الناسك السالك" اور "مقبول المشايخ الكبار ومنظور العلماء الأخيار والأبرار" جیسے بلند پایہ کلمات استعمال کیے گئے ہیں۔ اس پختہ عمر میں عوام و خواص کے درمیان شہرت و مقبولیت کے باوجود آپ کا علم حدیث کی تکمیل کرنا آپ کے ذوق طلب کے کمال اور حوصلے کی بلندی کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

شیخ کی بارگاہ میں حاضری اور بیعت:

حضرت سلطان المشائخ اجودھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں خواجہ فرید الدین گنج شکر کے برادر حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے تھے اور کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا، ان کی صحبت اور گفتگو نے خواجہ فرید الدین کے ساتھ محبت کی اس چنگاری میں اشتعال و حرکت پیدا کر دی، جو کمسنی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبیعت میں ودیعت تھی، آپ نے خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری کا عزم کر لیا، اور بالآخر آپ دہلی سے اجودھن کا سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

امیر حسن علا سجزی نے فوائد الفواد، ج:۱ کی اٹھائیسویں مجلس میں اس ملاقات اور حاضری کا حال خود حضرت ہی کی زبانی یوں بیان فرمایا:

ارشاد فرمایا کہ جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا تو دل میں یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ اس موقع پر آپ کے جو مبارک کلمات سنوں گا لکھ لوں گا، پہلے دن جب کہ آپ کی ملاقات اور دست بوسی کی دولت سے سرفراز ہوا سب سے پہلی جو بات میں نے آپ سے سنی وہ یہ شعر تھا:

اے آتشِ فِراقت دلہا کباب کردہ　　　　سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ قدم بوسی کے اشتیاق کو جو عرصہ دراز سے بے چین کیے ہوئے تھا ذرا تفصیل سے بیان کروں لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور قوت گویائی نے ساتھ نہ دیا، اتنا ہی کہہ سکا کہ قدم بوسی کا سخت اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا: ''لِکُلِّ دَاخِلٍ دَهْشَةٌ''۔ (ہر نئے آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے)۔ [۳۲]

اسی دن میں حضرت کے دست مبارک پر بیعت ہوگیا، مگر سر کے بال نہ منڈوائے، کیوں کہ سر منڈا کر طلبہ کے سامنے جانے میں مجھے شرم آرہی تھی۔ دوسرے دن میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضرت شیخ الشیوخ سے بیعت ہوا، مولانا بدر الدین اسحاق نے اس کے سر کے بال مونڈ دیے، میں نے دیکھا اس میں ایک طرح کی نورانیت پیدا ہوگئی، اس کے بعد دو تین اور لوگوں کو حجرے سے سر منڈا کر باہر نکلتے دیکھا، ان پر بھی میں نے انوار کے آثار دیکھے، میرے دل نے چاہا کہ میں بھی سر منڈاؤں۔ مولانا بدر الدین اسحاق سے میں نے گزارش کی کہ میں بھی بال منڈانا چاہتا ہوں۔ موصوف نے حضرت شیخ الشیوخ کی بارگاہ میں میرا عریضہ پہنچا دیا۔ اسی وقت ارشاد ہوا کہ منڈوالو۔ میں نے فوراً سر منڈا لیا۔

مرشد گرامی خواجہ فرید الدین نے آپ کی بڑی خاطر داری فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پردیسی طالب علم کے لیے جماعت خانہ میں چار پائی بچھائی جائے۔ حضرت سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گا۔ کتنے معزز مسافر، حافظ کلام اللہ اور عاشقان خدا زمین پر سو رہے ہیں، میں چار پائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر خانقاہ کے ناظم مولانا بدر الدین اسحاق کو پہنچی، انھوں نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تمھیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل؟ میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ فرمایا کہ

---

(۳۲) فوائد الفواد، ج:۱، ص:۵۰۔

جاؤ چار پائی پر سوؤ۔

بیعت کے وقت حضرت سلطان المشائخ کی عمر بیس سال کی تھی۔ (۳۳)

مرشد گرامی کی درس گاہ میں:

حضرت سلطان المشائخ کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلۂ تعلیم کو ختم کیا جائے، اور عمر عزیز کو علم تحقیقی اور معرفت حقیقی کی تحصیل میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی اصل غرض وغایت ہے۔

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھا، اور طریقت کے لیے بقدر ضرورت علم ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا، خود اس کے شیخ نے یہی ہدایت اس کو کی تھی، پھر آپ سے ارشاد و تربیت کا جو ہمہ گیر کام لینا تھا اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے پختہ اور وسیع علم کی ضرورت تھی۔ حضرت سلطان المشائخ نے بیعت کے بعد عرض کیا کہ میں تعلیم ختم کر دوں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؟ مرشدِ گرامی خواجہ فرید الدین نے فرمایا:

''من کسے را از تعلّم منع نہ کنم، آں ہم کن، ایں ہم کن تا غالب کہ آید، درویشے را قدرے علم نیز باید۔'' (میں کسی کو تعلیم سے نہیں روکتا، وہ بھی کرو، یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی ہے؟ یہ بھی فرمایا کہ درویش کو تھوڑا علم بھی چاہیے۔)

مرشد گرامی کی یہ خصوصی عنایت تھی کہ انھوں نے حضرت خواجہ کو بنفس نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا: ''نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی''۔ چناں چہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی تصوف کی مشہور کتاب ''عوارف المعارف'' کا درس شروع کیا اور چھ باب اس کے پڑھائے، اس کے علاوہ تمہید ابو شکور سالمی

---

(۳۳) سیر الاولیا، ص:۱۰۶ - ۱۰۷۔

بھی اول سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی۔ مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی، اور چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے۔ (۳۴)

درس کی چاشنی:

حضرت سلطان المشائخ زمانہ گزر جانے کے بعد بھی اس درس کی لذت اور چاشنی کو یاد فرماتے رہے، فرماتے تھے:

"عوارف المعارف کے درس میں جو حقائق اور نکتے حضرت کی زبان سے سنے وہ پھر کسی سے سننے میں نہ آئے، بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ حضرت کی درسی تقریر کے دوران سننے والوں پر ایسی محویت کی کیفیت طاری ہوتی کہ یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا۔ پھر ارشاد فرمایا: بزرگوں کی زبان سے کسی بات کو سننے میں جو مزہ آتا ہے وہ کسی اور سے سننے میں نہیں آتا"۔ (۳۵)

تربیت اور تکمیل حال:

عوارف المعارف کا جو نسخہ درس کے وقت حضرت شیخ الشیوخ کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا، چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تامل رہا، خواجہ نے (سادگی اور نوعمری کے باعث) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا: "درویش راقوت تصحیح نسخۂ سقیم نیست" (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) کئی بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا، سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے سمجھ میں نہ آیا کیوں کہ میں نے جان بوجھ کر کسی اور نیت سے یہ بات نہیں کہی تھی، اگر ایسا ہوتا تو میرا ذہن اس طرف ضرور جاتا کہ یہ جملہ میرے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں لیکن بار بار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے تو مجلس درس کے ساتھی مولانا بدر الدین اسحاق نے بتایا کہ حضرت

---

(۳۴) سیر الاولیا، ص: ۱۰۷۔

(۳۵) فوائد الفواد، ص: ۱۲۷-۱۲۸۔

تمھارے بارے میں یہ بات کہہ رہے ہیں۔ یہ سننے کے بعد حضرت خواجہ کے ہوش اڑ گئے، فرماتے ہیں: ”میں اٹھا اور سر سے ٹوپی اتاری اور حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا، اور عرض کیا: نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا، خواجہ فرماتے ہیں: ”میں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت کا ملال خاطر ختم نہ ہوا، میں اٹھ گیا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گزرا اور جس رنج و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سراسیمہ و پریشان باہر آیا، ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنویں میں گر کر جان دے دوں لیکن کچھ سوچ کر باز رہا، اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت رویا“۔

مرشد گرامی کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی تھے، ان سے حضرت سلطان المشائخ کی بڑی دوستی تھی، انھوں نے حضرت سے آپ کا یہ حال اچھی طرح بیان کیا۔ جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا، خود انھی صاحب زادے کے ذریعے حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی، میں بارگاہ میں حاضر ہو کر قدموں پر گر پڑا۔ اس وقت حضرت خوش ہو گئے اور غلطی معاف کر دی۔ دوسرے روز طلب فرمایا، بڑی شفقت اور محبت سے پیش آئے اور ارشاد فرمایا: ”یہ سب میں نے تمھاری تکمیل حال کے لیے کیا، پیر مشاطۂ مرید ہوتا ہے“۔ اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔[۳۶]

یہاں پر کوئی یہ شبہہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ کی ایک معمولی سی اطلاع اور عرض پر اتنی برافروختگی اور آزردگی کا اظہار فرمایا، اس لیے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے، یہ سب آزردگی اور تکلف طالب رشید کی باطنی ترقی اور خود شکنی کے لیے ہے۔ شیخ مجتہد و مخلص اس کے لیے اپنے اجتہاد سے مختلف ذرائع اختیار کر سکتا ہے اور اس کے لیے کسی بھی موقع کا انتخاب کر سکتا ہے۔

---

(۳۶) فوائد الفواد، ج:۱، ص:۴۳،۳۰، ۴۴، مجلس بست و پنجم۔

کسرِ نفس اور تواضع کی تربیت:

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا، ایک عالم بھی اجودھن آئے جو میرے دوست اور ہم درس تھے (دہلی میں پڑھائی کے زمانے میں) ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے، انھوں نے جب مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و افسوس سے مجھ سے کہا: ”مولانا نظام الدین! تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے! اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان وشوکت سے رہتے“۔ میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور ان سے معذرت کر دی، اس کے بعد جب میں مرشدِ گرامی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے خود بخود فرمایا:

”نظام! اگر تمھارا کوئی دوست تمھیں ملے اور کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے، اور تعلیم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا جو فارغ البالی اور خوش حالی کا ذریعہ بنتا، اور یہاں اس حال میں کیوں ہو؟ تو تم اس کا کیا جواب دوگے؟ میں نے عرض کیا کہ جو حضور فرمائیں وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا: اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا:

نہ ہمرہی تو مرا، راہ خویش گیر و برو　　　تراسلامتی بادا، مرا نگونساری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی، میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے کہا: شیخ کو نورِ باطن سے میری اور تمھاری گفتگو کا سارا حال معلوم ہو گیا تھا، انھوں نے مجھ سے دریافت کیا، میں نے سب کچھ بتا دیا۔ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں تمھیں اس کے جواب میں یہ شعر سنادوں۔ اس نے یہ سن کر کہا کہ تمھارے شیخ ایسے باکمال ہیں کہ انھوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہنچا دیا ہے، مجھے ان کی خدمت میں لے چلو، جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا: نہیں، جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر

رکھ کر لے جاؤں گا، غرض ہم دونوں حضرت کی خدمت بابرکت میں پہنچے اور ہمارے دوست نے غرور اور رعونت کو اپنے دماغ سے نکال پھینکا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت وتوبہ کی، اور آپ کے مریدین ومخلصین کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ (۳۷)

کتنے بار حاضری ہوئی؟

حضرت سلطان المشائخ اپنے مرشد گرامی کی زندگی میں تین بار اجودھن حاضر ہوئے، ہر سال ایک بار، پھر ان کے انتقال کے بعد سات مرتبہ حاضر ہوئے، اس طرح کل دس مرتبہ دیارِ مرشد میں حاضری ہوئی۔ (۳۸)

مرشد گرامی کی عنایتیں:

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ ۲۵/ جمادی الاولی ۶۶۹ھ کو نماز جمعہ کے بعد حضرت شیخ الشیوخ خواجہ فریدالدین قدس سرہ نے مجھے طلب فرمایا اور اپنا لعاب دہن میرے منھ میں ڈالا۔ قرآن مجید کے حفظ کی وصیت فرمائی۔ فرمایا کہ خدا نے دین ودنیا تم کو دی، یہاں سب کچھ یہی ہے، دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا: "برو ملک ہندگیر" نظرة منك تكفيني۔ (۳۹)

خلافت واجازت:

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں جب میں پڑھ رہا تھا، اور تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ تھا حضرت شیخ الشیوخ (فریدالدین گنج شکر) نے فرمایا: نظام الدین! کیا تمھیں یہ دعا یاد ہے:

يَا دَائِمَ الْفَضْلِ عَلىٰ الْبَرِيَّةِ، يَا بَاسِطَ اليَدَيْنِ بِالعَطِيّةِ، وَيَا

---

(۳۷) سیر الاولیا، ص: ۲۳۹، ۲۴۰۔

(۳۸) سیر الاولیا، ص: ۱۰۷۔

(۳۹) سیر الاولیا، ص: ۱۲۳۔

صَاحِبَ المَوَاهِبِ السَّنِيَّةِ، يَا دَافِعَ البَلَاءِ وَالبَلِيَّةِ! صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ البَرَرَةِ النَّقِيَّةِ، وَاغفِرْ لَنَا بِالعَشَاءِ وَالعَشِيَّةِ، رَبَّنَا تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِيْنَ، وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الأَنْبِيَاءِ وَالمُرْسَلِيْنَ، وَعَلَى المَلَائِكَةِ المُقَرَّبِيْنَ، وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً كَثِيْراً كَثِيْرا بِرَحْمَتِكَ يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

میں نے عرض کیا: نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اس دعا کو یاد کر لو اور پابندی کے ساتھ پڑھا کرو تاکہ میں تمھیں اپنا خلیفہ بنا سکوں۔(۴۰)

اس کے بعد ایک دن حضرت خواجہ صاحب نے مجھے طلب فرمایا، یہ تیرہ رمضان ۶۶۹ھ کی بات ہے، فرمایا: ”نظام! جو میں نے کہا تھا یاد ہے؟“ میں نے عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: کاغذ لاؤ، اجازت نامہ لکھیں، کاغذ لایا گیا، اور اجازت نامہ تحریر فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ”ہانسی میں مولانا جلال الدین کو اور دہلی میں قاضی منتجب کو دکھا دینا۔“ اس وقت حضرت نے شیخ نجیب الدین متوکل کا ذکر نہ فرمایا، میں نے سمجھا کہ ان سے حضرت کے دل کو ٹھیس پہنچی ہوگی (اس لیے ان کا نام نہ لیا) لیکن جب دہلی آیا تو معلوم ہوا کہ شیخ نجیب الدین کا ۹ر رمضان کو انتقال ہو چکا ہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں: جس دن حضرت شیخ الشیوخ نے مجھے خلافت عطا فرمائی، میری طرف متوجہ ہو کر دعا فرمائی: ”أسعدك الله في الدارين، ورزقك علما نافعا وعملا مقبولا. (اللہ تعالیٰ تمھیں دونوں جہان میں سرخ رو کرے اور نفع بخش علم اور مقبول عمل عطا فرمائے۔)

اور ارشاد فرمایا:

”تو درختے شوی کہ در سایۂ تو خلقے بیاساید، مجاہدہ می باید کرد برائے استعداد“۔ (تم ایک سایہ دار درخت ہوگے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی، استعداد کی ترقی کے لیے مجاہدہ کرتے رہنا۔)

---

(۴۰) سیر الاولیاء، ص:۱۱۶۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ واپسی میں میں نے ہانسی میں شیخ جلال الدین کو خلافت نامہ دکھایا، بڑا اظہار مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا:

خدائے جہاں راہزاراں سپاس　　　　که گوہر سپردہ بگوہر شناس [۴۱]

(اللہ تعالی کا ہزار بار شکر کہ اس نے موتی پرکھنے والے کو موتی عطا فرمایا۔)

خلافت نامہ:

حضرت شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو جو خلافت نامہ عطا فرمایا تھا اس کا متن یہ ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد الله الذي قدم إحسانه على مِنَّتِه، وأخر شكره على نعمته، هو الأول ، هو الآخر، والظاهر والباطن، لا موخر لما قدم، ولا مُقَدِّمَ لما أخر، ولا معلن لما أبطن ولا مخفي لما أظهر، ولا يكاد نطقُ الأوائل والأواخر على ديمومته اعتبارا أو تقابلاً- والصلاة على رسوله المصطفى، محمد وآله وأهل الوداد والارتضاء.

وبعد فإن الشروع في الأصول يوسع دعاء الشهود، ويبصر لمن يكرع منها محارق الورود، على أن الطريق مخوف والعقبة كوود، ونعم الكتاب في هذا الفن تمهيد المهتدي أبي شكور- برد الله مضجعه- وقد قرأ عندي الولد الرشيد، الإمام النقي ، العالم الرضي، نظام الملة والدين **محمد بن أحمد** زين الأئمة والعلماء، مفخر الأجلة والأرقياء – أعانه الله على ابتغاء مرضاته ، وأناله منتهى رحمته، وأعلى درجاته- سبقا بعد سبق من أوّله إلى آخره قراءة تدبر وإتقان، وتيقظ وإيقان، مستجمع رعاية سمع و دراية جنان، وكما حصل الوقوف على حسن استعداده كذلك ووفور تهيّأه أجزته أن

---

(۴۱) سیر الاولیا، ص:۱۱۶، ۱۱۷۔

يدرّس فيه للمتعلمين بشرط المجانبة عن التصحيف، والغلط والتحريف، وبذل الجد و الاجتهاد في التصحيح والتنقيح عن الزلل، وعليه المعوّل، والله العالم. وكان ذلك يوم الأربعاء من الشهر المبارك رمضان -عظم الله بركته- بالإشارة العالية ، أدام الله علاها، وعن الخلل حماها.

تحررت هذه الأسطر بعون الله على يد أضعف الفقير إلى الله الغني ، إسحاق بن علي بن إسحاق الدهلوي، بمشافهته حامدا ومصليا فأجزت له أيضا بأن يروي عني جميع ما استفاده وحوى، وسمع ذلك مني ووعى، والسلام على من اتبع الهدى، وأجزت له أيضا أن يلازم الخلوة في مسجد أقيمت فيه الجماعة، ولا يخل بشرائطها التي بها حصول الزيادة وبرفضها تكون الاقدام عائلة ناصبة، وذلك تجريدُ المقاصد عن مفاسدها، وتفريد الهمة عما تغفلها، وبيان ذلك ما قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ''كن في الدنيا كأنك غريب أو كعابر سبيل وعدَّ نفسك من أصحاب القبور''. الحديث، فعند ذلك صح قصده واجتمع همته، و صارت الهمم المختلفة همة واحدة فليدخل الخلوة مفترا نفسه، معدما للخلق، عالما بعجزهم، تاركا للدنيا وشهواتها، واقفا على مضارّها وأمنيتها، ولتكن خلوته معمورة بأنواع العبادة، إذا سئمت عن احتمال الأعلى ينزلها إلى الأدنى، وإن حجت فليُزِلها إما بعمل يسير أو بالنوم؛ فإن فيه احترازا عن هواجس النفس، وليحترز البطالة فإنها تقسي القلوب- والله تعالى على ذلك أعانه، ويحفظه عما شانه، ورحمه وهو أرحم الراحمين وصلى الله على محمد وآله.

وأيضا إذا استوفر حظّه من الخلوة، وانفتحت بها عينُ الحكمة، واجتمعت خلواته بمنادياته وصل إليه من لم يقدر الوصول إلينا يستوفي إليه إياه فيده العزيزةُ نائبة عن يدنا، وهو من جملة

خلفاءنا، والتزام حكمه في أمر الدين والدنيا من جملة تعظيمنا فرحم الله من أكرمه، وعظّم من أكرمناه، وأهان من لم يحفظ حق من حفظنا. صح ذلك كله من **الفقير المسعود**، تمّ بعون الله وحسن توفيقه. والله أعلم۔[۴۲]

حضرت شیخ الشیوخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ نے آپ کو یہ خلافت نامہ عطا فرمایا جس میں تمہید ابی الشکور سالمی پڑھانے اور طالبین و مسترشدین کو بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اور آپ کے لیے نہایت بلند پایہ القاب واوصاف لکھوائے:

الإمام النقي (مقدس امام) **العالم الرضي** (پسندیدہ عالم)، زين الأئمة والعلماء (ائمہ و علما کے لیے سامانِ زیب وزینت)، مفخر الأجلة والأتقياء (بزرگوں اور پرہیز گاروں کے لیے لائقِ فخر)۔

شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکر جیسے شیخ ربانی کی جانب سے اپنے مرید وخلیفہ حضرت سلطان المشائخ کے لیے ایسے بلند پایہ کلمات والقاب کا لکھوایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ علم وروحانیت اور تقوی وطہارت کے نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔ وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

مرشد گرامی نے حضرت سلطان المشائخ کو خلافت عطا کرنے سے پہلے تعلیم وتربیت کے زمانے میں کچھ ہدایتیں اور نصیحتیں بھی فرمائیں۔ سیر الاولیاء میں خود حضرت سلطان المشائخ کا یہ بیان درج ہے:

’’میں شیخ الشیوخ خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ العزیز کے ساتھ کشتی میں بیٹھا ہوا تھا، سبھی اصحاب واحباب موجود تھے، گرمی کا موسم تھا، تمام رفقا باری باری اٹھتے اور سایہ کرتے، یہاں تک کہ قیلولہ کا وقت آگیا، سب سو گئے، مگر میں (حضرت کے پاس) بیٹھا مکھیاں ہانکتا رہا، حضرت بیدار ہوئے تو فرمایا: احباب کہاں ہیں؟ میں نے کہا: قیلولہ کر رہے ہیں۔ فرمایا: آؤ تمھیں ایک چیز بتاؤں، پھر یوں گفتگو کا آغاز کیا:

---

(۴۲) سیر الاولیاء، ص: ۱۱۷- ۱۱۹۔

"چوں در دہلی بروی در مجاہدہ باشی، بے کار بودن ہیچ نیست، روزہ داشتن نیمے راہ است، واعمال دیگر چوں نماز وحج نیمے راہ"۔ (۴۳)

(دہلی جانا تو مجاہدے میں مشغول رہنا، بے کار رہنا کچھ نہیں، روزہ رکھنا نصف راہ ہے اور نماز وحج وغیرہ دوسرے اعمال نصف راہ۔)

مرشد کی بارگاہ میں ایک خصوصی درخواست:

اسی حاضری میں یکم شعبان ۶۶۹ھ کو حضرت خواجہ کی طرف سے مرشدِ گرامی کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ "خلق کے دربدر نہ پھرنا پڑے" درخواست قبول ہوئی اور دعا فرمائی گئی۔ (۴۴)

ایک موقع پر حضرت شیخ الشیوخ خواجہ فرید الدین قدس سرہ نے فرمایا: "من برائے تو قدرے دنیاہم از خدا خواستہ ام" (میں نے اللہ سے تمھارے لیے تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے) حضرت سلطان المشایخ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرے بدن پر یہ سوچ کر کپکپی طاری ہوگئی کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب فتنہ میں پڑ گئے، میرا کیا حال ہوگا۔ شیخ نے فوراً ہی ارشاد فرمایا: "تم فتنہ میں نہیں پڑو گے اطمینان رکھو"۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔ (۴۵)

دیار مرشد سے دہلی روانگی:

حضرت سلطان المشایخ اب اپنے مرشد و مربی سے رخصت ہوکر خلق خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم اور مقدس مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک فقیر بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلام کی سب سے مستحکم اسلامی سلطنت کی

---

(۴۳) سیر الاولیاء، ص:۱۱۲۔
(۴۴) سیر الاولیا، ص:۱۲۳۔
(۴۵) سیر الاولیا، ص:۱۳۲۔

راجدھانی کی طرف راونہ ہو رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، خالق پر بھروسا اور مخلوق سے استغنا اور بے نیازی کے سوا کوئی زادِ راہ اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔

فوائد الفواد میں ہے: ایک بار مجلس مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلام کا منصب حاصل کرنے کے لیے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا اور اپنی انھیں نمازوں کو نگاہ خلق میں حصول عزت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات امیر حسن علا سجزی لکھتے ہیں:

"دریں میاں خواجہ ذکر اللہ بالخیر چشم پر آب کردو برلب مبارک راند بسوز اول شیخ الاسلامی را، پس خانقاہ را، بعد ازاں خود را۔" (۴۶)

(یہ سن کر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلامی کو جلاؤ، پھر آگ لگاؤ خانقاہ کو، پھر خود اپنے آپ کو جلا کر خاک کر دو۔)

بہر حال اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر اور سب سے علاحدہ ہو کر وہ اجودھن سے روانہ ہوئے اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اسی کی راجدھانی میں پہنچ گئے۔

مرشد گرامی نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا اور اہل حقوق کو راضی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔ حضرت سلطان العارفین نے مرشدِ گرامی کی اس ہدایت کو پیش نظر رکھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو یاد آیا کہ مجھے ۲۰/ جیتل ایک شخص کو دینے ہیں، اور ایک کتاب میں نے کسی سے بطور عاریت لی تھی وہ کھو گئی، شیخ کبیر کی اس ہدایت کو سننے کے بعد میں نے سمجھ لیا کہ آپ صاحب کشف ہیں اور سربستہ راز بھی اپنے کشف سے جان لیتے ہیں۔ اس درمیان میرا پختہ ارادہ تھا کہ میں جب دہلی پہنچوں گا تو ان اہل معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے بیس جیتل مجھے دینے تھے وہ بزاز (کپڑا بیچنے والا) تھا، میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا، اس کے بعد کسی وقت بیس جیتل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اس کو پہنچا دیتا، معاش کی بڑی تنگی تھی، کبھی پانچ جیتل

---

(۴۶) فوائد الفواد، ج:۱، ص:۳۹، ۴۰، مجلس بست و چہارم۔

ہاتھ آئے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس جیتل ملے، میں اس بزاز کے دروازہ پر پہنچا، اس کو آواز دی، وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمھارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں، میں ایک ساتھ سب نہیں دے پاؤں گا۔ یہ دس جیتل لایا ہوں، انھیں لے لو، دس ان شاء اللہ اس کے بعد پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے یہ سن کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم شیخ (فرید الدین) کے پاس سے آرہے ہو؟ اس نے وہ دس جیتل تو لے لیے اور کہا کہ میں نے دس جیتل معاف کیے۔

اس کے بعد اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی، اس نے پہچانا نہیں، مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: صاحب! میں نے آپ سے ایک کتاب عاریت کے طور پر لی تھی وہ کھو گئی، اب میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا۔ میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے، اس کے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخش دی۔ (۴۷)

دہلی میں قیام:

حضرت سلطان المشائخ جب دہلی پہنچے تو دہلی جیسے آباد شہر میں آپ کے قیام کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، جب تک کہ غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا، آپ نے اتنی قیام گاہیں بدلیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کے لیے اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریہ بچھانے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔

سیر الاولیا کے مصنف میر خورد اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہ کے دوست اور رفیق تھے، اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے فرماتے ہیں:

جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا، اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدایوں سے آئے تو بازار والی اس سرائے میں اترے جس کو سرائے نمک بھی کہتے ہیں، والدہ

(۴۷) فوائد الفواد، ج:۴، ص:۲۳۹، ۲۴۰، مجلس ہیزدہم۔

اور ہمشیرہ کو وہیں رکھا اور خود ایک کمان گر کی بار گاہ میں ٹھہرے جو سرائے مذکور کے سامنے تھی۔ امیر خسرو کا مکان بھی اسی محلہ میں تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد راوت عرض کا مکان خالی ہوا، اس کے لڑکے اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ امیر خسرو کی معرفت جو راوت عرض کے نواسے تھے سلطان المشائخ کو یہ مکان قیام کے لیے مل گیا، تقریباً دو سال اس مکان میں رہے، یہ مکان شہر پناہ کے متّصل مندہ دروازہ و مندہ پل کے نزدیک تھا اس طرح سے کہ شہر پناہ کا برج اس عمارت کے اندر آگیا تھا، مکان کے برآمدے اور عمارت بہت بلند اور شاندار تھی۔ اس عرصہ میں راوت عرض کے لڑکے اپنی جاگیروں سے واپس آگئے، سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہونا پڑا، آپ کی کتابیں جن کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا ہم لوگ سروں پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں لے آئے جو سراج بقال کے سامنے تھی۔ دوسرے روز سعد کاغذی نے جو شیخ صدر الدین کے مریدین میں تھے یہ واقعہ سنا اور سلطان المشائخ کے پاس آکر بڑی عزت و توقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے گیا، بالاخانہ پر ایک بہت اچھی بار گاہ بنی ہوئی تھی وہاں آپ کو ٹھہرایا۔ سلطان المشائخ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے، اس کے بعد وہاں سے بھی نقل مکانی کی، رکاب دار کی سرائے میں جو قیصر پل کے متّصل تھی، سرائے کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہوئے۔ ایک مدت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں رہنے لگے جو محمد میوہ فروش کی دو کانوں کے درمیان واقع تھا، اس درمیان میں شمس الدین شراب دار [۴۸] کے لڑکے اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ شمس الدین شراب دار کے مکان میں لے آئے، کئی سال آپ اس مکان میں رہے، اس مکان میں بڑی راحت اور سکون میسر آیا۔ اکثر جو احباب اجودھن سے آتے اسی مکان میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

ادھر جب سلطان المشائخ راوت عرض کے مکان سے چھپر والی مسجد تشریف

(۴۸) بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ۔

لائے اسی رات راوت عرض کے مکان میں آگ لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری عمارت زمیں بوس ہوگئی۔ (۴۹)

فقر پر صبر:

دہلی تشریف لائے تو فقر وفاقہ اور آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہوا، یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی امنڈ کر آرہے تھے، اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جیتل میں دو سیر میدے کی پکی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں، اور دو جیتل میں ایک من خربوزہ آجاتا تھا، لیکن خواجہ صاحب کے فقر وفاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں:

''میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی کہ اس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ و ہمشیرہ اور گھر کے ان لوگوں کو کھلاؤں جو میری کفالت میں تھے۔ اس حالت میں بھی اگر کوئی شخص شکر کھانڈ یا باریک کپڑا میرے پاس لاتا جس کو بیچنے سے ہمارا مقصد پورا ہو سکتا تھا، مگر پھر بھی میں ایسا نہ کرتا، یہی عزم کیے رہتا کہ غیب سے آئے گا تو کھائیں گے اور ظاہر ہے کہ اس سے بھوک تو نہیں ختم ہوتی۔ خربوزہ کی اس ارزانی وفراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گزر جاتی اور خربوزہ چکھنا نصیب نہ ہوتا، لیکن اس حال پر خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گزر جائے اور میں اسی حال میں رہوں۔ یہاں تک کہ فصل کے آخر میں ایک شخص میرے پاس چند خربوزے اور روٹیاں لایا، چوں کہ وہ سب سامان غیب سے (اللہ تعالی کی جانب سے) تھا اس لیے کھالیا۔ (۵۰)

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کا بیان ہے کہ میں نے سلطان المشائخ سے سنا:

اسی زمانہ میں جب کہ آپ شہر پناہ کے اس برج میں رہتے تھے جو مندہ دروازہ کے متّصل ہے، تین دن گزر گئے تھے اور آپ کے کھانے کی کوئی چیز نہ آئی، ایک آدمی آیا، اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، آپ نے ایک شخص سے کہا: جاؤ دیکھو دروازے پر کون ہے؟ وہ

---

(۴۹) سیر الاولیا، ص:۱۰۸- ۱۱۰۔

(۵۰) سیر الاولیاء، ص:۱۱۳۔

شخص گیا اور دروازہ کھولا، ایک آدمی باہر کھڑا تھا۔ اس نے کھچڑی سے بھرا ہوا ایک پیالہ دیا اور چلا گیا۔ حضرت نے پوچھا: تم اسے پہچانتے ہو؟ کہنے لگا نہیں۔ ہم نے وہ کھچڑی کھائی، وہ مزہ اور ذائقہ جو اس خشک کھچڑی میں پایا آج تک کسی کھانے میں نہ ملا۔ (۵۱)

اسی زمانے کا ایک اور واقعہ ہے کہ کئی روز گزر گئے تھے اور کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آئی تھی۔ ایک طالب علم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے، اس طالب علم نے بعض ہمسایوں کو جو نور باف تھے اس کی اطلاع کی، وہ کھانا تیار کر کے لائے۔ کھانے کے لیے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا: خدا طالب علم کا بھلا کرے کہ اس نے ہمیں خبر کر دی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لیے اور فرمایا: کیا خبر کی؟ اس نے کہا کہ: فلاں طالب علم نے ہمیں بتلایا کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں، چناں چہ ہم یہ کھانا تیار کر کے لائے۔ آپ نے فرمایا: معاف رکھو۔ کتنے ہی ان لوگوں نے کوشش کی، آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔ (۵۲)

ابتدا میں سلطان المشائخ کے گھر کے پاس لوگوں کے سامنے سے زنبیل گھماتے ہوئے لے جاتے، اور جو روٹی کے ٹکڑے اس میں اکٹھا ہوتے افطار کے وقت دستر خوان پر سامنے رکھ دیے جاتے، حضرت سلطان المشائخ اور آپ کے ساتھ رہنے والے لوگوں کے یہی افطار کا سامان ہوتا تھا۔ ایک بار ایک درویش سلطان المشائخ کے افطار کے وقت آیا، وہاں دستر خوان بچھا کر زنبیل سے روٹی کے ٹکڑے نکال کر اس پر رکھ دیے گئے تھے، اس نے سمجھا کہ یہ لوگ کھانا کھا چکے ہیں، یہ ٹکڑے کھانے سے بچ گئے ہیں، اس نے وہ تمام ٹکڑے لپیٹ کر ہاتھ میں لیے اور چل دیا، سلطان المشائخ مسکرائے اور فرمایا: ابھی ہمارے کام میں بڑی خیریت ہے، کہ اس طرح بھوکا رکھا جا رہا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ پہلے ہی دو دن فاقہ ہو چکا تھا۔ (۵۳)

---

(۵۱) سیر الاولیا، ص: ۱۱۳۔

(۵۲) جوامع الکلم، ص: ۲۹۶۔

(۵۳) سیر الاولیاء، ص: ۱۱۳، ۱۱۴۔

مرشد گرامی کی وفات:

حضرت سلطان المشائخ اپنے مرشد گرامی حضرت خواجہ فرید الدین علیہ الرحمہ کی وفات سے تین چار مہینے قبل اجودھن ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے۔

خود فرماتے ہیں:

۵ر محرم ۶۶۴ھ کو حضرت نے وفات پائی اور شوال کے مہینہ میں مجھے حضرت نے دہلی بھیج دیا۔ بیماری کی ابتدا ہو چکی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے، ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا تھا، خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا، شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی، میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کہاں ملے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرما رہے ہیں، میں کھالوں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر (فرض روزہ توڑ دینے) کا کفارہ ادا کروں گا۔ یہ سوچ کر میں کھانے ہی جا رہا تھا کہ فرمایا: نہیں نہیں میرے لیے تو شریعت کی اجازت ہے، تمھارے لیے کھانا جائز نہیں۔ (۵۴)

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ انتقال کے وقت مجھے یاد کیا اور فرمایا کہ: نظام الدین تو دہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا، ہانسی میں تھا۔ یہ تذکرہ کرتے وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوئے۔ (۵۵)

مرشدِ گرامی کی جانشینی اور تبرکات:

آپ کے مرشد شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ نے آخری وقت میں آپ کو اپنا خرقہ، مصلّا اور عصا عطا فرما کر اپنا جانشین بنایا۔ سیر الاولیاء کے مصنف سید محمد بن مبارک کرمانی نے اس کی تفصیل کچھ اس طرح لکھی ہے:

---

(۵۴) فوائد الفواد، ج:۲، ص:۸۸، مجلس ہشتم۔
(۵۵) فوائد الفواد، ج:۲، ص:۸۸، مجلس ہشتم۔

”راقم الحروف (سید محمد بن مبارک) کے دادا سید محمد کرمانی دہلی سے اجودھن پہنچے، دیکھا کہ شیخ الشیوخ (حضرت خواجہ فرید الدین) حجرے کے اندر ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں، اور آپ کے احباب و مریدین و فرزندانِ گرامی حجرے کے سامنے بیٹھے ہوئے مشورہ کررہے ہیں کہ جانشینی اور سجادہ نشینی کے لیے التماس کریں، اسی درمیان سید محمد کرمانی نے قدم بوسی کے لیے حجرے میں داخل ہونا چاہا، آپ کے فرزندوں نے منع کیا کہ یہ قدم بوسی کا وقت نہیں ہے، لیکن سید محمد کرمانی سے برداشت نہ ہوسکا، وہ حجرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے اور شیخ الشیوخ کے قدموں میں گر پڑے، حضرت نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا: سید کیسے ہو؟ اور کب آئے؟ انھوں نے عرض کیا: حضور! ابھی پہنچا ہوں۔ اس کے بعد چاہا کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین کی طرف سے بھی سلام و قدم بوسی پہنچا دیں، پھر دل میں سوچا کہ اگر اس وقت سلطان المشائخ کے ذکر سے گفتگو کا آغاز کرتا ہوں تو حضرت ان پر اور توجہ فرمائیں گے اور یہ بات حضرت کے فرزندوں کو ناگوارِ خاطر ہوگی اس لیے پہلے دہلی کے دوسرے مشائخ کا سلام اور احوال پرسی کی ذمہ داری نبھائی، حضرت شیخ الشیوخ خوش دلی کے ساتھ بغور سنتے رہے، جب سلطان المشائخ کا ذکر چھیڑنا چاہا تو کہا کہ مولانا نظام الدین نے سلام، بندگی اور پابوسی عرض کی ہے، وہ ہمہ وقت آپ کو یاد کرتے ہیں، یہ سنتے ہی وہ سلطان المشائخ پر مہربان ہوئے اور پوچھا کہ وہ کیسے ہیں؟ خیریت سے ہیں؟ پھر فرمایا: ”یہ جامہ (خرقہ)، مصلّا اور عصا انھیں دے دینا“۔

جوں ہی یہ بات حضرت شیخ الشیوخ کے فرزندوں کے کانوں تک پہنچی تو بہت پریشان ہوئے، اور ہر ایک لڑائی جھگڑے کے لیے آگے بڑھا کہ ”آپ نے یہ کیا کردیا؟ ہمارا مطلوب و مقصود دوسرے کو دلا دیا“۔ سید محمد کرمانی نے کہا: میں کیا کرسکتا ہوں، میں نے تو ان کا خصوصی ذکر بھی نہ کیا تھا۔ پہلے تمام مشائخ دہلی کا سلام پہنچایا پھر اسی درمیان ان کا بھی ذکر آگیا۔ جب اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے یہ دولت کسی کو دلا رہا ہے تو میں روکنے والا کون ہوں؟

مرشد گرامی کی وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے۔ پہلے مرشد گرامی کے

مزار پر حاضر ہوئے، پھر مولانا بدر الدین اسحاق نے ان کی وصیت کے مطابق جامہ، مصلّے اور عصا سپرد کیا جو انھوں نے حضرت خواجہ کو دینے کے لیے مولانا کے حوالہ کیا تھا اور سید محمد کرمانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سید صاحب نے آپ کی عدم موجودگی میں آپ کی محبت کا حق خوب ادا کیا۔ سلطان المشایخ نے سید محمد کرمانی کو گلے لگایا اور دونوں میں محبت کا رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔(۵۶)

غیاث پور میں سکونت:

دہلی آنے کے بعد حضرت سلطان المشایخ کی طبیعت کہیں نہیں لگتی تھی، اس لیے مختلف مقامات پر سکونت اختیار کی اور چھوڑی اور آخر میں غیبی اشارے پر غیاث پور کو اپنی قیام گاہ بنایا اور آخر حیات تک وہیں مقیم رہے، اور بعدِ وصال وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔

جامع ملفوظات حضرت میر حسن علا سجزی لکھتے ہیں:

ایک روز آپ نے شہر کے شور شرابے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ابتدائی زمانہ میں شہر میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ ایک روز قتلغ خان کے حوض پر تھا، ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا، وہاں ایک درویش یاد خدا میں مشغول تھا، میں اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: اپنی مرضی سے اس شہر میں رہتے ہیں؟ اس نے کہا: یہ بات تو نہیں ہے۔ اس کے بعد اس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے درویش کو دیکھا، بیرون کمال دروازہ اس احاطہ میں جو لب خندق ہے، اس دروازے کے قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہداء کی چار دیواری بنی ہوئی ہے وہ درویش بیٹھا ہوا ہے، اس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ میں نے اسی وقت سے اس شہر سے چلے جانے کا پختہ ارادہ کر لیا لیکن مواقع پیدا ہوتے رہے، آج پچیس سال ہو گئے کہ میرا ارادہ باقی ہے

(۵۶) سیر الاولیا، ص:۱۲۲۔

لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی۔

حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ بات سنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہ رہوں گا۔ کئی جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں، کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی چلا جاؤں، وہاں ان دنوں ایک ترک تھا، کبھی دل کرتا تھا کہ بشنالہ چلا جاؤں، وہ ایک پاک صاف جگہ ہے چناں چہ بشنالہ چلا گیا، تین روز وہاں رہا، کوئی مکان نہیں ملا، نہ کرایہ کا، نہ بقیمت، ان تین دنوں میں روزانہ کسی ایک کا مہمان رہتا تھا، جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا۔ ایک روز حوض رانی کی طرف گیا ہوا تھا، وہاں ایک باغ میں جس کو ''باغ حیرت'' کہتے ہیں، اللہ سے مناجات کی، طبیعت متوجہ تھی، میں نے عرض کیا کہ خداوندا! میں اس شہر سے چلے جانا چاہتا ہوں، لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کروں گا، جہاں تیری مرضی ہو وہیں جانا چاہتا ہوں، اس درمیان میں ایک غیبی آواز ''غیاث پور'' کے نام کی آئی، میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا، اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے، میں نے جب آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیا، وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا، جب میں اس کے گھر گیا اور اس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہی غیاث پور ہے، بہر حال میں غیاث پور آگیا، اس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا، ایک غیر معروف جگہ تھی، آدمی بھی کم تھے، میں آیا اور میں نے یہاں سکونت اختیار کر لی، جب کیقباد[57] نے کیلوکھری[58] کو اپنی فرودگاہ بنایا تو وہاں خلقت کا ہجوم ہوا، امرا اور حُکّامِ سلطنت اور ان کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی، جب میں نے یہ بھیڑ بھاڑ

---

(۵۷) سلطان معز الدین کیقباد (۶۸۶ھ - ۶۸۸ھ) بغرا خاں کا لڑکا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا، ۳ر سال حکومت کی۔

(۵۸) سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں لکھا ہے: معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا اور ''کیلوکھری'' اس کا نام رکھا۔ اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں، لیکن اسی جگہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس موضع کیلوکھری موجود ہے اور دس پانچ جھوپڑے موجود ہیں۔ (آثار الصنادید، باب: ۴، ص: ۴)

دیکھی تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلے جانا چاہیے، اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا شہر میں انتقال ہوا، یہ میرے استاد بھی تھے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ کل جب میں ان کے فاتحہ میں جاؤں گا تو پھر کسی جگہ کا قصد کروں گا۔ اپنے دل میں اس کو طے کر لیا، اسی روز نماز عصر کے وقت ایک جوان آیا، حسین لیکن دبلا پتلا، خدا جانے مردان غیب میں سے تھا یا کون تھا، اس نے آتے ہی مجھے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا:

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی　　　　که انگشت نمائے جہاں خواہی شد

(جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا، اسی روز سمجھنا چاہیے تھا کہ ساری دنیا کی انگلیاں تمھاری طرف اٹھیں گی، یعنی تم مرجع خلائق ہو گے۔)

حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اس نے کچھ اور باتیں بھی کہیں جن کو میں نے لکھ لیا ہے، اس کے بعد اس نے کہا: "پہلی بات تو یہ ہے کہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہیے، اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا بننا چاہیے کہ کل روز قیامت رسول اللہ ﷺ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔"

اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدا سے بھاگ کر گوشہ نشینی اختیار کی جائے اور یاد خدا میں مشغول ہوا جائے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ قوت وحوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے ہجوم کے باوجود یاد خدا میں مشغول ہو۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لا کر اس کے سامنے رکھا، اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا، اسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا، جب میں نے یہ نیت کر لی، تو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا، پھر اسے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔[۵۹]

خلقت کا رجوع:

غیاث پور میں قیام کے دوران خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا، اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

---

(۵۹) سیر الاولیا: ۱۱۰ - ۱۱۱۔

تذکروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی مدت گزرنے کے بعد آپ کی ذات بابرکات کو مرجعیت اور آپ کی خانقاہ کو شہرت عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتا چلتا ہے کہ غیاث پور میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک تنگ دستی اور بے اسبابی کا دور گزرا، یہاں تک کہ ایک عرصہ تک آپ سخت گرمیوں اور دھوپ کے زمانہ میں جامع مسجد کو جو خاصے فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پا تشریف لے جاتے تھے، یہاں تک کہ اس دشواری کے بعد آسانی کا دور آگیا، اور ایسا رجوع عام شروع ہوا کہ اس کے سامنے سلاطین دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی۔ اور وہ صورتِ حال ہوگئی جس کا نقشہ حضرت امیر خسرو نے اپنے ان اشعار میں کھینچا ہے:

در حجرۂ فقر بادشاہی   در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہِ بے سر و بے تاج   شاہانش بخاک پائے محتاج (۶۰)

[ترجمہ: حجرۂ فقر کے بادشاہ، دل کی دنیا کے جہاں پناہ، ایسے بے تخت و تاج بادشاہ کہ وقت کے شہنشاہ بھی ان کی خاکِ پا کے محتاج۔]

فتوحات کی فراوانی اور جود و سخاوت:

پھر تو آپ کی سخاوت و فیاضی اس درجۂ کمال کو پہنچی کہ آنے جانے والا پردیسی ہوتا یا شہری جو بھی حاضرِ بارگاہ ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتا اسے محروم نہ فرماتے، لباس، نقد، تحائف جو بھی پاس ہوتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا، جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

''فتوحات کا یہ عالم تھا کہ دولت کا دریا دروازے کے سامنے بہتا تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشا تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے، اور جو کچھ کوئی لاتا اس سے زیادہ حضرت کی

(۶۰) سیر الاولیاء، ص:۱۳۱۔

عنایت سے پاتا۔"(۶۱)

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا اتنی ہی طبیعت اس سے متنفر اور بے زار ہوتی گئی، اکثر آہ و بکا کرتے جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنا ہی زیادہ روتے، اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے، جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورت مندوں کو پہنچ جاتا تو دل کو سکون ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو، اس کے بعد مسجد جاتے، اگر بادشاہ یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد آمد کی خبر پہنچتی تو سرد آہ بھر کر فرماتے کہ کہاں آئے ہیں، فقیر کا وقت برباد کرتے ہیں۔

سیر الاولیاء کے الفاظ یہ ہیں:

"از جہتِ اقبال دنیا کہ خاطرِ حق پذیر او ازاں بکلّی متنفر بود در گریہ بودے، واگر وقتے فتوحے گراں رسیدے گریہ بیش تر کردے، وجہد بیش تر فرمودے کہ زود تفرقہ کنید، وساعۃً فساعۃً کساں می فرستاد کہ تفرقہ کردند، چوں می شنید کہ در حال قسمت کردند و بمحتاجاں رسانیدند خاطر مبارک قرار گرفتے، ودر ہر جمہ تجرید فرمودے، وحجرہ ہا وانبار خانہا خالی کنانیدے چناں کہ جاروب می دادند، بعدہ در مسجد جمعہ رفتے، واگر از بادشاہاں وبادشاہزادگاں بر در سلطان المشائخ می آمدند وفتوحات می آوردند وآواز دبدبہ آمدن ایشاں ناگاہ بگوشِ مبارک او رسیدے نفسے سرد از سینۂ مصفّٰی بر آوردے کہ کجا می آیند، وقت درویش غارت کردند۔"(۶۲)

دنیوی مال و متاع سے بے زاری:

روحانیت کی ترقی اور توجہ الی اللہ کے اضافے کے ساتھ دنیوی مال و متاع اور زمین و جایداد سے بے زاری بڑھتی گئی، یہاں تک کہ جاگیروں اور زمین و جایداد کی بڑی بڑی پیش

---

(۶۱) سراج المجالس، ترجمہ خیر المجالس، ص: ۲۰۲۔
(۶۲) سیر الاولیا، ص: ۱۳۱۔

کش کو بھی ٹھکرادیا کرتے تھے۔

جامع ملفوظات حضرت امیر حسن علا سجزی فرماتے ہیں کہ ۱۹/ جمادی الاولی ۱۲ے ھ کی بات ہے۔ میں حاضرِ مجلس تھا۔ ان دنوں میں ایک بادشاہ نے دو باغ اور بہت سی زمین اور اس کے سازوسامان کی دستاویز حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت واخلاص کا اظہار کیا تھا، حضرت نے قبول نہ فرمایا اور مسکرا کر فرمایا کہ اگر میں اس کو قبول کر لوں تو پھر لوگ کہا کریں گے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں۔ میرے کام سے اس کو کیا مناسبت؟ پھر آنکھوں میں آنسو بھر کر ارشاد فرمایا: ہمارے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین وجائداد قبول نہیں کی۔ (۶۳)

غریب پروری اور امیر نوازی:

خود ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، لیکن دونوں وقت شاہی دسترخوان لگتا اور طرح طرح کے کھانے بڑی فراوانی کے ساتھ چنے جاتے، امیر وغریب، شاہ وگدا، شہری وپردیسی، صالح وگنہ گار کسی کی تفریق نہ تھی، سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے، لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے، یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا، اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سیکڑوں ہزاروں غربا کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انھوں نے نام ہی سنے تھے، بڑے بڑے امرا، درباری اور ارکانِ سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے۔ ہدایت وارشاد اور سلوک وتربیت کے فیض عام کے علاوہ (جس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا) حضرت محبوب الٰہی کا یہ بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری تھا، اور جو ہزاروں بندگان خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا۔

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھیے اور اس پر غور کیجیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ان بزرگوں کا وجود امیروں اور غریبوں کے درمیان نقطۂ اتصال بنا ہوا تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے ایک بڑا کام

---

(۶۳) فوائد الفواد، ج:۳، ص:۱۷۰،۱۷۱، مجلس ہفتم۔

ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، مفلسوں اور بے سہاروں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید نہ سنا ہو۔

حضرت کی خوراک:

شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے لیکن اس شاہی دسترخوان پر جس پر قسم قسم کے کھانے اور طرح طرح کی نعمتیں ہوتیں، ان کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلا وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول ہوتے۔ آپ کے ایک خاص مرید مولانا شمس الدین یحییٰ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

"میں ایک مرتبہ سلطان المشائخ کے دسترخوان پر موجود تھا، افطار کے وقت میری نظر سلطان المشائخ پر تھی، میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کے لیے جو ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا تھا وہ آخر تک وہیں رہا، منھ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان اٹھا دیا گیا۔"[۶۴]

شاہان زمانہ سے بے تعلقی:

ابتدا ہی سے مشائخ چشتیہ سیاست و حکومت کی نیرنگیوں سے دور رہ کر خلق خدا کی ہدایت و رہ نمائی کا کام بغیر کسی دباو کے مکمل آزادی اور مومنانہ جرأت و ہمت کے ساتھ کرتے رہے، شاہی دربار اور سلاطین زمانہ سے ربط و تعلق کبھی اس راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے، اور سلطنتوں کے عروج و زوال اور ارباب سلطنت کی شکست و ریخت سے ان کا اصل کاز متاثر ہو جاتا ہے، اور اہل تعلق کے دامن بھی ان خار مغیلاں سے الجھ کر تار تار ہو جاتے ہیں، انہی اندیشوں کے پیش نظر سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے لے کر سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے، اس اصول پر یہ سبھی

---

(۶۴) سیر الاولیا، ص: ۱۲۴، ۱۲۵۔

حضرات سختی سے عمل پیرا رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا، اور انقلاب سلطنت کا ان کے روحانی مرکزوں اور ان کی مرشدانہ دینی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

حضرت محبوب الٰہی جب سے اپنے مرشد گرامی خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے ہندوستان کی تسخیر روحانی اور تبلیغ وارشاد پر مامور ہو کر آئے تھے دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی، لیکن سوائے ایک ایسے موقع کے جب کہ دینی ضرورت درپیش تھی اور شاہی دربار میں سماع کی حلت و حرمت کی مجلس مناظرہ منعقد ہوئی تھی، وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ کبھی بادشاہ کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔ وہ بادشاہ یہ ہیں: (۱) غیاث الدین بلبن (۲) معز الدین کیقباد (۳) جلال الدین خلجی (۴) علاء الدین خلجی (۵) قطب الدین مبارک شاہ۔

غیاث الدین بلبن کے عہد سلطنت میں حضرت سلطان المشائخ کی شہرت و قبولیت عام نہیں ہوئی تھی، اس لیے غیاث الدین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔

معز الدین کیقباد عیش پرست اور لاابالی انسان تھا، لہو و لعب اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔ اس نے امورِ سلطنت کی طرف زیادہ توجہ ہی نہیں کی۔

جلال الدین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحب علم و حلم، جوہر شناس، اور ارباب کمال کا قدرداں تھا، اور اس کے دورِ حکومت میں حضرت خواجہ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی، لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ امیر خسرو جو سلطان کے مصحف بردار تھے اس نے امیر خسرو کے ساتھ مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جانا ہے۔ امیر خسرو نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دے دی جائے، اس لیے کہ اگر میں نے اس کی اطلاع نہ دی تو شاید میرے حق میں یہ اچھا نہ ہو، اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسرو کو اپنا راز دار بنایا تھا لیکن اپنے مرشد سے راز داری امیر خسرو کو مناسب نہ معلوم ہوئی

اور سوچا کہ اگر حضرت کو باخبر نہ کروں گا تو وہ یقیناً مجھ سے ناراض ہو جائیں گے، اس لیے انھوں نے حضرت سلطان المشائخ کو بتادیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا، حضرت خواجہ یہ سنتے ہی اپنے مرشد شیخ الشیوخ حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہ العزیز کے مزار کی زیارت کی نیت سے اجودھن روانہ ہو گئے۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو امیر خسرو پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کر دیا، اور حضرت خواجہ کی قدم بوسی کی سعادت سے محروم کر دیا۔ امیر خسرو نے کہا:

"از رنجشِ بادشاہ ہمیں خوفِ جاں باشد فاما از رنجش سلطان المشائخ خوفِ سلبِ ایمان باشد"۔

(بادشاہ کی رنجش سے صرف جان جانے کا خوف تھا، لیکن سلطان المشائخ کی رنجش سے سلبِ ایمان کا خوف تھا۔)

بادشاہ حلیم فرزانہ تھا اس نے اس جواب کو پسند کیا، اور خاموش ہو گیا۔[(۶۵)]

سلطان علاء الدین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے باجبروت اور اقبال مند بادشاہ تھا اور سکندر ثانی کہلاتا تھا، اپنے چچا جلال الدین کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا۔ ابتدا میں اس کو حضرت خواجہ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی نہ نفرت۔ کچھ حاسدین نے بادشاہ کو حضرت خواجہ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی کہ ایک دنیا ان کی اقتدا اور پے روی کرتی ہے، کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو ان کی خاکِ در کو اپنے تاج سر پر نہ رکھتا ہو۔ حکیم سنائی نے اسی مضمون کو اپنے شعر میں یوں باندھا ہے:

"ہر کہ او خاک نیست بر درِ او   گر فرشتہ است خاک بر سر او"

ان کے خوان نعمت کے رنگا رنگ کھانے بہشت کے کھانوں کے لیے قابل رشک ہیں، اس طرح کی باتیں بادشاہ تک پہنچا کر اس کے ذہن میں بٹھادیں اور کہا: کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے نظامِ سلطنت میں خلل پیدا ہو۔ جب اس قسم کی بہت سی باتیں

---

(۶۵) سیر الاولیا، ص: ۱۳۵۔

بادشاہ تک پہنچائی گئیں تو اس نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ باتیں صحیح ہوں، کیوں کہ میرے اکثر مقربین، درباری اور اعیان سلطنت اور ایک خلقت ان سے ارادت و عقیدت رکھتی ہے، کسی تدبیر کے ذریعے ان کے دل کی بات نکلوانی چاہیے کہ انھیں امور سلطنت سے دل چسپی ہے یا نہیں۔ چوں کہ بادشاہ بڑا عقل مند اور ذہین تھا اس لیے اس نے امورِ سلطنت سے متعلق کچھ باتیں لکھوائیں اور یہ بھی لکھوایا:

"چوں سلطان المشائخ مخدومِ عالمیاں است و در دین و دنیا ہر کرا حاجتے است از آں حضرت بر می آید و حق تعالی زمام مملکت دنیا بدستِ ایں بندہ دادہ است، بندہ را شاید کہ ہر کارے و مصلحتے کہ در مملکت پیش آید بہ بندگی سلطان المشائخ عرض دارد، تا بداں چہ از آں حضرت خیریت مملکت و خلاص جانِ ایں بندہ باشد فرمان شود تا ایں بندہ بہ امتثالِ آں بکوشد و خلاصِ جاں و مملکت خویش ازاں داند۔ بنا بریں مقدمہ چند حدیثے دریں باب بخدمت عرض افتادہ است بقلم مبارکِ خویش آں چہ خیریت کارِ مملکت در آں باشد زیر ہر حدیثے نبشتن فرمایند تا بندہ آں را بہ پرداخت رساند"۔

(چوں کہ سلطان المشائخ کی ذات تمام اہل جہاں کی مرشد ورہ نما ہے، جس کسی کو بھی دین و دنیا کی کوئی حاجت ہوتی ہے آپ کی جانب رجوع کرتا ہے، حق تعالی نے سلطنت دنیا کی ذمہ داری مجھے عطا فرمائی ہے اس لیے مجھ پر لازم ہے کہ سلطنت کے ہر کام اور مصلحت سے متعلق آپ سے مشورہ لوں، تاکہ آپ کی بارگاہ سے سلطنت کی بھلائی اور میری جان کی سلامتی کے لیے جو حکم ہو اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں۔ اسی میں اپنی اور سلطنت کی بھلائی پاتا ہوں۔ اسی بنا پر اس سے متعلق چند باتیں آپ کی خدمت میں عرض کی ہیں، ان میں سے ہر ایک کے متعلق جو چیز کارِ سلطنت کے مفاد میں ہو اپنے مبارک قلم سے تحریر فرمادیں تاکہ بندہ ان پر عمل کرے۔)

سلطان علاء الدین نے یہ عریضہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا۔ جب خضر خاں یہ خط لے کر خواجہ کی خدمت میں آیا، آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا، حاضرین مجلس سے فرمایا کہ "ہم دعا کرتے

ہیں“، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ”درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام؟ میں ایک فقیر آدمی ہوں، شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے، بادشاہ اور مسلمانوں کے لیے دعا گوئی میں مشغول ہوں، اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ تعرض کرنا ہے تو میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں، اللہ کی زمین کشادہ ہے“۔

سلطان علاء الدین اس جواب سے بہت خوش ہوا، اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہ کو امور سلطنت و سیاست سے کوئی سروکار نہیں، لیکن بد خواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردان خدا سے لڑادیں اور اس طرح ملک تباہ ہو جائے۔

سلطان نے حضرت خواجہ سے بڑی معذرت کی اور کہلوایا کہ ”میں حضرت مخدوم کا معتقد ہوں، مجھ سے گستاخی ہوئی معاف کیا جائے، اور اجازت دی جائے کہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کروں“۔ حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا کہ ”آنے کی حاجت نہیں، میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا بڑی موثر ہوتی ہے“۔

بادشاہ نے اس کے بعد بھی ملاقات کے لیے بڑا اصرار کیا، حضرت نے فرمایا:

”خانۂ ایں ضعیف دو در دارد، اگر از یک در در آید، من از درِ دیگر بیروں روم۔“

(اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا اور میں دوسرے سے باہر چلا جاؤ گا۔)[۶۶]

اگرچہ سلطان علاء الدین حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا لیکن اس کو آپ سے برابر عقیدت رہی، اور وہ مہمات سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت کی طرف رجوع کرتا رہا، ایسے موقع پر وہ آپ سے دعا کی درخواست کرتا، اور آپ اس کے لیے بڑی توجہ اور اہتمام کے ساتھ دعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:

جب ملک نائب (کافور) ورنگل کے محاصرے میں مشغول تھا، تلنگانہ کا راستہ پُر خطر ہو گیا تھا، راستہ کے تھانے اور چوکیاں بھی اٹھ گئیں تھیں، چالیس روز سے زیادہ

---

(۶۶) سیر الاولیا، ص: ۱۳۳ - ۱۳۵۔

ہو گئے تھے کہ لشکر کی سلامتی اور خیرت کی کوئی خبر سلطان تک نہیں پہنچی تھی، سلطان بڑی کش مکش کے عالم میں تھا، اکثر ارکانِ سلطنت اور امرائے دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کا شکار ہو گیا کہ خط و کتابت اور پیام رسانی کا سلسلہ ہی بند ہو گیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے زمانے میں ایک روز سلطان نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین بیانوی کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ لشکر اسلام کی خیریت معلوم نہ ہونے سے مجھے سخت تردد ہے، آپ کو اسلام اور مسلمانوں کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے۔ اگر نور باطن سے آپ کو لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطمئن اور مسرور فرمائیں۔ سلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرت کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اس کو محفوظ رکھیں، اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ وہ دونوں حضرات سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بادشاہ کا پیغام پہنچایا، آپ نے پیغام سننے کے بعد بادشاہ کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا: ''یہ فتح کیا ہے، ہم اور فتوحات کی بھی امید رکھتے ہیں۔'' یہ سن کر ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین خوشی خوشی واپس آئے اور بادشاہ کو جواب سنایا، بادشاہ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوا اور اس کو یقین ہو گیا کہ ورنگل فتح ہو چکا ہے۔

اسی روز نماز عصر سے فارغ ہوئے تھے کہ ملک نائب کے قاصد پہنچے اور ورنگل کی فتح کی خوش خبری اور فتح نامہ لائے، جمعہ کے دن وہ فتح نامہ منبروں پر سے پڑھ کر سنایا گیا، صحن میں خوشی کا نقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں، اس سے سلطان کی آپ سے عقیدت اور بڑھ گئی۔ [۶۷]

ایک بار اور جب مغل دہلی پر حملہ آور ہوئے بادشاہ بذاتِ خود جنگ میں شریک تھا، اس نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کروایا کہ یہ بڑا اہم موقع ہے، آپ متوجہ رہیں، حضرت نے تمام اہل خانقاہ سے ارشاد فرمایا: متوجہ الی اللہ رہیں، اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دعا کریں۔ چناں چہ سب مشغول دعا رہے اور تھوڑے ہی عرصہ

---

(۶۷) تاریخ فیروز شاہی، ص: ۳۳۳۔

میں فتح کی خوش خبری آئی، اور اس جنگ میں مغلوں نے شکست فاش کھائی۔ (۶۸)

قاضی ضیاء الدین برنی سلطان علاوالدین کے (درباریوں) میں سے تھے کہتے ہیں کہ پورے عہد حکومت میں کبھی سلطان کی زبان سے حضرت خواجہ کے بارے میں کوئی خلاف شان بات نہیں نکلی۔ اگرچہ دشمن اور حاسدین حضرت سلطان المشائخ کی شاہانہ دادودہش، رجوع خلائق اور شاہی لنگر کو سلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ وہ حضرت سے بدظن ہوجائے۔ لیکن اس نے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں کی، اور خاص طور پر اپنے آخری زمانے میں اس کو حضرت سے حد درجہ اخلاص اور عقیدت ہوگئی تھی، اس سب کے باوجود کبھی ملاقات کا موقع نہ ملا۔

وسیع دسترخوان:

ایک بار سلطان قطب الدین سے کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ آپ کی فتوحات قبول نہیں کرتے، اور امرا اور سرداروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ مان کر حکم دیا کہ کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے، دیکھیں وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں، اور جاسوس مقرر کیے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جائے مجھے آکر اطلاع دیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے جب یہ سنا تو فرمایا: آج سے زیادہ مقدار میں کھانا پکایا جائے ایک مدت بعد بادشاہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ شیخ کی خانقاہ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے بتایا کہ پہلے جتنا پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے، بادشاہ یہ سن کر شرمندہ ہوا اور کہا کہ میں غلطی پر تھا، آپ کا معاملہ عالم غیب سے ہے"۔ (۶۹)

شاہی دربار میں مناظرہ:

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چند مہینے خسرو خاں نے غاصبانہ سلطنت کی اور

---

(۶۸) سیر الاولیا، ص:۱۶۰۔

(۶۹) خیر المجالس، ص:۲۰۳۔

شعائر اسلام کو سرنگوں کر کے اسلام کی تذلیل کی۔ ۷۲۱ھ میں غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے خسرو خاں کو قتل کر کے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سلطان غیاث الدین پڑھا لکھا نہ تھا لیکن اسلامی شریعت اور علمائے کرام کی عزت و توقیر ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھتا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ سماع سنتے تھے، ان کی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور رواج ہو گیا تھا، ایک شخص تھا جس کا نام شیخ زادہ حسام الدین فرجام تھا وہ ایک زمانے تک حضرت سلطان المشائخ کے سایۂ عاطفت میں رہا تھا، اور مجاہدوں کے باوجود روحانی ذوق و شوق اور عشق کی دولت سے محروم تھا۔ نیز قاضی جلال الدین الولوالجی نائب حاکم مملکت کو بھی اہل درد و محبت سے ایک طرح کی عداوت تھی۔ قاضی صاحب اور دوسرے علمائے ظاہر نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا جو بادشاہ کا مقرب تھا۔ اس نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتدائے زمانہ ہیں اور وہ سماع سنتے ہیں، جو امام اعظم کے مذہب میں ناجائز و حرام ہے، اور ان کی وجہ سے ہزاروں لوگ اس فعل ممنوع کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سلطان اس مسئلہ سے بے خبر تھا، اس کو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتدائے عالم ہیں ایسا خلاف شرع کام کیسے کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے سماع کی حرمت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں، بادشاہ نے کہا کہ چوں کہ علمائے دین نے سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کو منع کرتے ہیں اس لیے حضرت خواجہ اور تمام علمائے شہر اور صدور و اکابر کو طلب کیا جائے اور ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ یہ تحقیق ہو جائے کہ حق کیا ہے۔

مولانا فخر الدین زرّادی اور مولانا وجیہ الدین پائلی جیسے حضرت سلطان المشائخ کے عقیدت مند علمائے کرام نے سماع کے جواز و اباحت کو بتانے والی آیتیں اور دلیلیں جمع کیں اور حضرت کی بارگاہ میں پیش کیں، تاکہ بحث و مباحثہ کے لیے حضرت کے ذہن میں دلائلِ جواز پورے طور پر مستحضر ہو جائیں، لیکن حضرت سلطان المشائخ کا قلب و ذہن دریا کی طرح علم لدنّی سے موج زن تھا، آپ نے ان کی طرف بالکل توجہ نہ فرمائی اور اس موضوع پر ان لوگوں سے کوئی گفتگو نہ کی، ان لوگوں کو حضرت کے اس طرز عمل سے

حیرت ہوئی، لیکن انھیں حضرت کے علمی تبحر پر اعتماد تھا اس لیے مطمئن تھے۔

سیر الاولیا میں اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

”قصر شاہی میں حضرت سلطان المشایخ کی طلبی ہوئی، حضرت نے اپنے حامیوں اور اہل تعلق میں سے کسی کو طلب نہ فرمایا، لیکن حضرت قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا فخرالدین زرادی جو کہ سر آمد علما اور اساتذہ وقت تھے بلا طلب ہی آپ کے ساتھ شاہی محل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہ کو وعظ و نصیحت شروع کی اور تعصب آمیز باتوں سے نامناسب طریقے پر آپ کو مخاطب کیا، سلطان المشایخ نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ پھر جرأت و جسارت یہاں تک بڑھی کہ آپ سے کہا کہ ”اگر اس کے بعد آپ نے سماع کی حلت کا دعوی کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں، میں آپ کو سزا دوں گا“۔ یہ سن کر حضرت خواجہ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ ”جس منصب کے بھروسہ تم یہ بات کہہ رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے“۔ چناں چہ ٹھیک بارہ روز بعد قاضی صاحب اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔

خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں تمام علما و اکابر و صدور و امرا اور ارکان سلطنت حاضر تھے۔ بادشاہ اور سب حاضرین مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی، اور سب آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے، لوگ رقص کرتے ہیں، آہ و نعرہ لگاتے ہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں۔ حضرت سلطان المشایخ نے شیخ زادہ حسام کی طرف اپنا چہرہ کیا اور فرمایا: شور مت کرو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں، پہلے یہ بتاؤ کہ سماع کی تعریف کیا ہے؟ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کے علما سماع کو حرام کہتے ہیں۔ حضرت سلطان المشایخ نے فرمایا کہ جب تم کو سماع کے معنی ہی نہیں معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے، اور نہ کہنا چاہیے۔ شیخ زادہ حسام شرمندہ ہوا، بادشاہ پوری توجہ سے حضرت کی تقریر سن رہا تھا، جب کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو، سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ جو علمائے کرام

مجلس میں حاضر تھے ان میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے۔
مولانا حمید الدین نے اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں یہ واقع کے خلاف ہے، میں نے خود اس مجلس کا مشاہدہ کیا ہے، اور بہت سے مشائخ اور درویشوں کو بھی میں نے وہاں دیکھا ہے۔

اسی دوران شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین آگئے، بادشاہ نے ان سے کہا کہ آپ عالم بھی ہیں اور سیاح بھی۔ اس وقت یہاں سماع کی بحث در پیش ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع سننا حرام ہے یا حلال؟ مولانا علم الدین نے کہا کہ میں نے اس باب میں ''مقصدہ'' نام کا ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں اس کی حرمت و حلت کے دلائل ذکر کیے ہیں، تحقیق یہ ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کے لیے حلال ہے اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لیے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین سے پوچھا کہ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ کا دورہ کر چکے ہیں، وہاں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں، اور وہاں کوئی انھیں اس سے منع کرتا ہے یا نہیں؟ مولانا علم الدین نے فرمایا کہ ان سب شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں، اور بعض دف وشبانہ کے ساتھ بھی، کوئی منع نہیں کرتا، اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جنید و شبلی کے وقت سے مروّج چلا آرہا ہے۔ بادشاہ مولانا علم الدین کی زبان سے یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اس نے کچھ نہیں کہا۔

قاضی جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت سماع کی حرمت کا فرمان صادر کریں اور امام اعظم کے مذہب کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں، بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا، اور اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہیں کیا۔

مولانا فخر الدین خلیفۂ سلطان المشائخ مجلس میں حاضر تھے وہ اپنے رسالہ ''کشف القناع من وجوہ السماع'' میں فرماتے ہیں: ''ما قال المخالف من الأدلة في

تضليل من يقول بالتحليل لما كان ظاهر البطلان رجع البحث من الحرمة إلى الحلّ، ثمّ آل إلى أولوية الترك والفعل، وكان ذلك من أول الضحى إلى أوان الفيء ثم قام أهلُ المجلس من عند السلطان.''

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداے چاشت سے زوال کے وقت تک یہ بحث جاری رہی، اہلِ مجلس سماع کی تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پر بحث آکر ختم ہو گئی کہ اس کا ترک اولی ہے یا اس کا فعل۔

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہ سماع سن سکتے ہیں اور کسی کو ان کو منع کرنے کی اجازت نہیں اور دوسرے جو لوگ نفسانیت کے ساتھ سماع سنتے ہیں انھیں منع کریں، لیکن یہ روایت مرجوح ہے۔ کیوں کہ اس کے راوی مجلسِ مناظرہ میں حاضر نہیں تھے۔ صحیح پہلی روایت ہے جو مولانا فخر الدین زرّادی نے بیان کی ہے کیوں کہ وہ بنفس نفیس مجلسِ مناظرہ میں حاضر تھے اور قاضی کمال الدین صدرِ جہاں سے زیادہ بحث انھوں نے ہی کی تھی۔

انھی دنوں میں کسی نے حضرت خواجہ سے کہا کہ اب سماع کے لیے فرمان سلطان ہو گیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سنیں، وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اگر وہ حرام ہے تو کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتا، اور اگر حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہو سکتا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے حضرت سلطان المشائخ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔''(۷۰)

علماے دہلی سے سلطان المشائخ کی کبیدہ خاطری:

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی کتاب ''حسرت نامہ'' میں لکھتے ہیں:

جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لائے تو آپ نے نماز ظہر کے وقت مجھے، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا:

---

(۷۰) سیر الاولیا، ص: ۵۲۷ تا ص: ۵۳۱۔

”دانش مندانِ دہلی بہ عداوت و حسدِ من پُر بودند، میدان فراخ یافتند و سخنہاے پُر از عداوت ایشاں بسیار گفتند، و عجبے ایں روز معاینہ شد کہ در معرضِ حجت احادیث صحیح حضرت مصطفیٰ ﷺ نمی شنوند و ہمیں می گویند کہ در شہرِ ما عمل بر روایتِ فقہ مقدم است بر حدیث، و ایں چنیں سخناں کسانے گویند کہ ایشاں را بر احادیثِ حضرت رسالت پناہ ﷺ اعتقادے نباشد، ہر بار کہ حدیثِ صحیح حضرتِ مصطفیٰ ﷺ مذکور می شد بر می آمدند و منع می کردند و می گفتند: ”ایں حدیث متمسّکِ شافعی است، و او دشمنِ علماے ما است، ما نمی شنویم“۔ و نمی دانیم با اعتقاد اندیا نہ کہ بحضور اولی الامر بمکابرہ بر می آیند و احادیث صحیح را منع می کنند۔ و ہیچ عالمے ندیدم و نشنیدم کہ پیشِ او احادیثِ صحیح حضرتِ مصطفیٰ ﷺ روایت کردہ آمد و او گوید کہ من نمی شنوم، من نمی دانم کہ ایں چہ روز گار است، دراں شہرے کہ ایں چنیں مکابرہ کنند چگونہ آباداں ماند، عجب است کہ خشت خشت نہ شود۔ بعد ازیں بادشاہ و امرا و خلق کہ از قاضی شہر و علماے شہر بشنوند کہ دریں شہر عمل بر حدیث نیست چگونہ اعتقاد بر احادیث پیغمبر علیہ السلام راسخ ماند، و ازاں وقت باز کہ ایشاں روایت کردنِ حدیث منع کردند من ترساں ام کہ شومت ایں چنیں بد اعتقادی کہ بر علماے شہر معاینہ شد از آسمان بلا و جلا و قحط و وبا بر سر شہر خواہد بارید۔“

(دہلی کے علما میری عداوت و حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے وسیع میدان پایا اور دشمنی کی بہت سی باتیں کی، عجیب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیث نبویہ کا سننا ان کو گوارا نہیں تھا، ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے، یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا رسول اکرم ﷺ کی صحیح احادیث پر اعتقاد نہ ہو، میں جب کوئی صحیح حدیث پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے تھے کہ ”اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علما کے دشمن ہیں، ہم نہیں سنیں گے“۔ معلوم نہیں کہ یہ با اعتقاد ہیں یا نہیں، کہ اولو الامر کے سامنے ایسی زبردستی سے کام لیتے تھے، اور احادیث صحیح کو روکتے تھے، میں نے کوئی عالم ایسا دیکھا نہ سنا کہ جس کے سامنے

احادیث صحیحہ پڑھی جائیں اور وہ کہے کہ "میں نہیں سنتا"۔ معلوم نہیں یہ کیسا زمانہ ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرأت اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے، تعجب نہیں اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے، اس کے بعد بادشاہ اور امرا اور عوام جب قاضی شہر اور علمائے شہر سے یہ سنیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیث نبوی پر اعتقاد کیسے رہے گا؟ مجھے ڈر ہے کہ علمائے شہر کی اس بدعقیدگی کی نحوست سے آسمان سے بلا و جلا اور قحط و وبا نہ برسے۔)(۷۱)

دہلی کی تباہی و بربادی:

حضرت سلطان المشائخ نے جو ارشاد فرمایا تھا بالکل ویسا ہی ہوا کہ اس واقعہ کے ٹھیک چوتھے سال حضرت خواجہ کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے فرزند اور جانشین محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کر دینے اور دیوگیر (دولت آباد) منتقل ہونے کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور دلی سا گلزار و آباد شہر ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے وہاں کسی انسان کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

تاریخ فرشتہ میں ہے:

"احدے از مردم دہلی را کہ بآب و ہوائے آں جا خو گرفتہ بودند، بحال خود نگذاشتہ طراً بدولت آباد فرستادو دہلی بنوعے ویراں گشت کہ آواز ہیچ متنفس بجز شغال و روباہ و جانوران صحرائی بگوش نمی رسید"۔(۷۲)

(کارپردازان حکومت نے کسی ایک شخص کو بھی جو دہلی کی آب و ہوا کا عادی تھا اپنی جگہ نہیں چھوڑا، سب کو کلیۃً دولت آباد (دیوگیر) بھیج دیا اور دہلی اس طرح ویران ہوئی کہ سوائے گیدڑ، لومڑی اور جنگلی جانوروں کے کسی جان دار کی آواز بھی کان میں نہیں آتی تھی۔)

---

(۷۱) سیر الاولیا، ص:۵۲۷ تا ص:۵۳۲۔

(۷۲) تاریخ فرشتہ، ج:۱، ص:۲۴۳۔

وہ تمام علما جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت دولت آباد جلاوطن ہوئے، دولت آباد پہنچے تو وہاں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا، ہزاروں راستہ میں لقمہ اجل بن گئے، اور ہزاروں وہاں پہنچ کر قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے اور حضرت سلطان المشائخ کی پیشن گوئی پورے طور پر صحیح ہوئی۔ (۷۳)

شب و روز کے معمولات:

خواجہ سید محمد مبارک علوی کرمانی ملقب بہ میر خورد نے سیر الالیا میں آپ کے روز مرہ کے معمولات اس طرح درج کیے ہیں:

روزہ افطار کرنے کے بعد (جو اہل جماعت کے ساتھ ہوتا تھا) اپنے بالا خانہ کی قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے، احباب و خدام جو شہر اور قرب و جوار سے آئے ہوئے ہوتے تھے، مغرب و عشا کے درمیان اوپر ہی بلا لیے جاتے تھے، ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا پھر ہر قسم کے خشک و تر میوے اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھیں، حاضرین مجلس تناول کرتے، آپ ہر ایک کی دل داری فرماتے اور خیریت اور حالات معلوم فرماتے۔

عشا کی نماز کے لیے پھر نیچے تشریف لاتے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر پھر بالا خانہ پر تشریف لے جاتے، کچھ دیر مشغول رہتے، پھر آرام کرنے کے لیے چارپائی پر تشریف لے جاتے، خدام تسبیح لا کر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے، آپ پسندیدگی میں سر مبارک ہلاتے، وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ تُرک! کیا خبر ہے؟ امیر خسرو اتنی بات سن کر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے، اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ پوری داستان سناتے، اس موقع پر بعض کمسن اعزہ اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور

(۷۳) سیر الاولیاء، ص: ۲-۵۳۔

قدم بوسی کرتے۔ امیر خسرو کہتے ہیں:

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا

کہ دیدہ بر کف پایت نہد بخواب شود

جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لے کر رخصت ہوتے تو اقبال خادم آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند لوٹے آپ کے وضو کے لیے رکھ کر باہر چلے جاتے، اس کے بعد حضرت خواجہ خود اٹھتے اور اندر سے دروازہ کو زنجیر لگاتے، پھر وہاں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں، اللہ ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک سے کیا ذوق وشوق کی باتیں ہوتیں۔ (۷۴)

سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا، حضرت دروازہ کھول دیتے، سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے تھوڑا سا تناول فرماتے، باقی کے لیے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لیے حفاظت سے رکھ لو، خواجہ عبد الرحیم کے ذمہ سحری کا لے جانا تھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت سلطان المشائخ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضور افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو کمزوری بہت بڑھ جائے گی، اس پر روتے ہوئے فرماتے کہ کتنے غریب اور بے سہارا لوگ مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقہ سے رات گزار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے نیچے کیسے اتر سکتا ہے۔ چناں چہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اٹھا کر لے جاتا۔

جب دن ہوتا، جس کی نگاہ جمال مبارک پر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں بیداری سے سرخ ہیں، ایسے شدید مجاہدوں کے باوجود آپ کے جسم مبارک پر کمزوری کا اثر ظاہر نہ ہوتا، اور آپ کی کسی ہیئت اور معمول میں تبدیلی نہ ہوتی، کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں، یا اتنی تسبیح پڑھنے کا معمول ہے۔ عمر عزیز ان باطنی مشغولیتوں میں گزرتی جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلجوئی

---

(۷۴) سیر الاولیاء، ص: ۱۲۵، ۱۲۶۔

اور دل داری میں لگے رہتے، جس سے بہتر کوئی کام نہیں۔

پورا دن اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو بیٹھے رہتے، باطنی طور پر مشغول اور اللہ کی طرف اس طرح متوجہ رہتے گویا اللہ کا دیدار فرما رہے ہیں۔ آنے والوں میں مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علما و مشائخ، صدور و اکابر، معزز و کم رتبہ، ہر ایک کے علم اور مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اسی میں اس سے گفتگو کرتے اور اس کی دلجوئی فرماتے، ظاہری طور پر ان میں مشغول ہوتے اور باطن میں پورے طور پر مشغول بحق ہوتے۔[۷۵]

نماز ظہر ادا کرنے کے بعد جو عزیز قدم بوسی کے لیے آئے ہوئے ہوتے ان کو طلب فرماتے، اور ان سے گفتگو کرتے اور ان کی دل داری فرماتے اور عبادت و سلوک وحبِّ الٰہی کے بارے میں ان کی رہنمائی فرماتے۔ مجلس میں حاضر بڑے بڑے علما اور عباد و زہاد کو ہمت نہ ہوتی کہ سر اٹھا کر چہرہ مبارک کو دیکھیں اللہ کی طرف سے ایسا رعب اور ایسی روحانی شوکت و عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

مولانا شمس الدین یحییٰ علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت میں حضرت سلطان المشائخ کی مجلس میں ہوتا تو ہمت نہ ہوتی کہ سر اٹھا کر حضرت کا رخِ مبارک دیکھ لوں، جو ارشاد ہوتا سر جھکائے ہوئے اسے قبول کرلیتا۔

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں:

خوباں بباده خوردن من جرعه خوارِ ایشاں
ہر جرعۂ کہ خورده سر بر زمیں نہاده[۷۶]

سفرِ آخرت کی پیشین گوئی:

جب حضرت سلطان المشائخ کی عمر اسّی سال سے زیادہ کی ہو چکی تھی اور آپ پر

---

(۷۵) سیر الاولیاء، ص: ۱۲۸، ۱۲۹۔
(۷۶) سیر الاولیا، ص: ۱۲۹، ۱۳۰۔

استغراق اور تحیر کی کیفیت طاری تھی، اسی حالت میں خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ رکن الدین ملتانی آپ کی عیادت وملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے، نیچے اترنے کی طاقت نہ تھی، آپ نے ان سے چارپائی پر بیٹھنے کے لیے اصرار کیالیکن وہ نہیں بیٹھے، ایک کرسی لائی گئی تو شیخ رکن الدین اس پر بیٹھے، احباب واہل تعلق حیران تھے کہ سلطان المشائخ استغراق وتحیر کی حالت میں ہیں، اب گفتگو کیسے ہوگی، لیکن حضرت سلطان المشائخ اپنے ذاتی کمال کی وجہ سے تحیر واستغراق کی حالت سے اپنی صحیح حالت پر واپس آگئے اور شیخ رکن الدین نے گفتگو شروع فرماتے ہوئے کہا: ”انبیاے کرام کو رحلت کے وقت اللہ کی جانب سے اختیار ملتا ہے“۔ پھر ارشاد فرمایا:

”اولیا خلفِ ایشاں اند، اولیاء را نیز تخیر است خواہ بباشند، خواہ بروند، چوں قصہ بریں جملہ است سلطان المشائخ را حیاتِ خود کہ حیاتِ عالمیاں متضمن آنست از حضرتِ رب العالمین چند گاہ می باید خواست تا ناقصاں را کمالے حاصل شود۔“

(اولیاء، انبیاے کرام کے وارث وجانشین ہیں، انھیں بھی اختیار ملتا ہے کہ چاہے وہ (دنیا میں) رہیں، چاہے (اللہ کے پاس) چلے جائیں۔ جب معاملہ یہ ہے تو سلطان المشائخ کو رب العالمین کی بارگاہ میں کچھ عرصے کے لیے اپنی اس زندگی میں اضافے کی درخواست کرنی چاہیے جس سے دنیا والوں کی زندگی جڑی ہوئی ہے، تاکہ ناقصوں کو کمال حاصل ہو جائے۔)

یہ سننے کے بعد حضرت سلطان المشائخ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ارشاد فرمایا: ”من حضرت رسالت ﷺ را در خواب دیدہ ام کہ می فرمود: نظام! اشتیاقِ تو ما را بسیار است۔“

(میں نے خواب میں حضرت سرور کائنات ﷺ کی زیارت کی ہے، انھوں نے ارشاد فرمایا: نظام! مجھے تمھارا بہت اشتیاق ہے۔)

یہ سننے کے بعد خواجہ رکن الدین ملتانی اور دیگر حاضرین رونے لگے۔(۷۷)

اس طرح آپ نے اپنے انتقال ورحلت کی واضح پیشین گوئی فرمادی۔

---

(۷۷) سیر الاولیا، ص: ۱۴۰ تا ص: ۱۴۱۔

اہل تعلق کے لیے اجازت نامے:

جب آخری عمر میں حضرت سلطان المشائخ بیماری میں مبتلا ہوئے تو آپ کی بارگاہ کے حاضر باش کچھ احباب، اہل تعلق اور خدام نے متفقہ طور پر طے کیا کہ کچھ لائق اور حق دار لوگوں کو خلافت دینے کی آپ سے درخواست کی جائے، اور اس کے لیے آپ کے احبابِ اعلیٰ میں سے ایسے بتیس حضرات کی فہرست تیار کی جو علم وفضل، زہد وتقویٰ، جود وسخا، حب الٰہی، ذوق باطنی اور شغل و مجاہدہ میں مشہور تھے، یہ فہرست امیر خسرو کے قلم سے تیار کر کے حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ میں پیش کی گئی۔ حضرت نے یہ فہرست ملاحظہ کرنے کے بعد اپنی عدم رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''اتنے نام کیوں لکھ دیے''؟ پھر ان لوگوں نے اس فہرست کو واپس لے کر دوبارہ اسی میں سے چند ناموں کا انتخاب کیا، جن پر حضرت سلطان المشائخ نے اپنی رضامندی کا اظہار فرما دیا۔ ان لوگوں کے لیے خلافت نامے تیار کرنے کا حکم ہوا، حکم کے مطابق مولانا فخر الدین زرادی نے ان کا مضمون تیار کیا، اور سید حسین کرمانی نے ان کی کتابت کی، آپ نے ان پر اپنے دستخط ثبت کیے، دستخط کے الفاظ یہ تھے: ''من الفقير محمد بن أحمد بن علی البداؤنی البخاری''۔ ان اجازت ناموں پر ۲۰/ ذی الحجہ ۷۲۴ھ کی تاریخ درج ہے، گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷/ دن پہلے یہ اجازت نامے لکھے گئے ہیں۔

جن حضرات کے لیے یہ اجازت نامے تھے ان کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیے گئے، جو حضرات موجود تھے ان کو بلا کر خود عطا کیے گئے۔ (۷۸) پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی، سلطان المشائخ نے انھیں خلعت خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی، اجازت نامہ ان کو مرحمت ہوا، اور ارشاد ہوا کہ جاؤ دو رکعت نماز ادا کرو، دوستوں نے مبارک بادی۔ اسی دوران شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلوی) کو یاد فرمایا،

---

(۷۸) سیر الاولیا، ص: ۲۲۰ تا ۲۲۲۔

ان کو بھی خرقہ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا، اور وصیت فرمائی، شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہی تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی، وہ آئے تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مبارک باد دو، پھر شیخ نصیر الدین محمود سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارک باد دو، دونوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی، پھر دونوں کو ایک دوسرے سے معانقہ کرنے کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو، تقدیم و تاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔ (۷۹)

خلفاے کرام:

حضرت سلطان المشائخ علیہ الرحمہ نے جن خوش نصیب ہستیوں کو خلافت و اجازت عطا فرمائی وہ اپنے زمانے کی بلند مرتبہ اور ممتاز شخصیتیں تھیں۔ میر سید محمد مبارک کرمانی نے سیر الاولیا میں آپ کے خلفا کی یہ فہرست درج کی ہے:

(۱) مولانا شمس الدین یحییٰ (۲) خواجہ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی)
(۳) شیخ قطب الدین منور (ہانسوی) (۴) مولانا حسام الدین ملتانی
(۵) مولانا فخر الدین زرّادی (۶) مولانا علاء الدین نیلی
(۷) مولانا برہان الدین غریب (۸) مولانا وجیہ الدین یوسف کلاکہری
(۹) مولانا سراج الدین عثمان معروف بہ اخی سراج (۱۰) مولانا شہاب الدین امام (۸۰)

خلافتِ خاص اور جانشینی:

حضرت سلطان المشائخ نے حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو اپنی خاص خلافت عطا فرمائی اور اپنا جانشین بنایا۔ آپ چالیس سال کی عمر میں اودھ (فیض آباد) سے دہلی تشریف

(۷۹) سیر الاولیا، ص:۲۴۸، ۲۴۹۔
(۸۰) یہ فہرست سیر الاولیا، باب چہارم: "دربیان فضائل خلفاے سلطان المشائخ" کی روشنی میں تیار کی گئی ہے۔ (دیکھیے: ص:۲۲۳: تا، ص:۲۹۰۔)

لائے، اور حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے، اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی، قیام دہلی کے دوران سارا وقت عبادت وریاضت اور درویشوں اور مہمانوں کی خدمت وضیافت میں گزرتا تھا، تقوی وپرہیزگاری اور روحانیت میں وہ امتیازی مقام حاصل کیا کہ اپنے معاصرین کے لیے سامان فخر بن گئے۔ صاحبِ سیر العارفین شیخ حامد بن فضل اللہ جمالی لکھتے ہیں:

''حضرت نظام الدین اولیا کے خلفا ان (چراغ دہلی) کے وجود پر فخر کیا کرتے تھے۔''(۸۱)

سید المحققین حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ نصیر الدین محمود اشہر واعظم خلفاے نظام الدین اولیا است وصاحب سرو وارث احوال او، ولایت دہلی بعد از شیخ نظام الدین بوے انتقال یافت، وبغایت اتباع شیخ داشت، وطریقہ او فقر وصبر ورضا وتسلیم بود۔''(۸۲)

(شیخ نصیر الدین محمود، حضرت خواجہ نظام اولیا کے سب سے مشہور، ممتاز اور عظیم خلیفہ تھے، ان کے احوال کے وارث اور صاحب سر بزرگ تھے، نظام الدین اولیا کی رحلت کے بعد دہلی کی ولایت ان کی طرف منتقل ہوئی، آپ اپنے شیخ کے مکمل پیروکار تھے، فقر وصبر اور رضا وتسلیم آپ کے اوصاف تھے۔)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود نے اپنے مرشد گرامی کے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ چشت کے اصلاحی وتبلیغی کاموں کو آگے بڑھایا اور ان کے روحانی مشن کو زندہ وپایندہ رکھا، اور ثابت کردیا کہ وہ اپنے مرشد گرامی کے سچے روحانی وارث وجانشین ہیں۔

صاحب سیر الاولیاء سید محمد بن مبارک کرمانی لکھتے ہیں:

''مجاہدہ ومشغولی ظاہر وباطن ایں بزرگ چنداں است کہ قلم از رقم آں عاجز آید، کسانیکہ بدولتِ قدم بوسی ایں بزرگ رسیدہ اند از سیماے او کہ صورتِ تقوی بود احساس کردہ اند، در آخر عمر ایں بزرگ کہ کار او بکمال رسیدہ بود وذات مبارک او روحِ مجرد گشتہ بوئے

---

(۸۱) سیر العارفین (مترجم اردو)، ص: ۱۲۹۔

(۸۲) اخبار الاخیار، فارسی'' ص: ۸۶۔

کہ از مجلس سلطان المشائخ می آمد آں بوئے از مجلس شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ بمشام جانِ کاتبِ حروف رسیدہ است۔"(۸۳)

(آپ کے ظاہری و باطنی مجاہدات اور مشغولیات کا یہ عالم تھا کہ قلم اس کے لکھنے سے قاصر ہے، جن لوگوں نے ان کی قدم بوسی کا شرف پایا ہے آپ کی شکل ہی سے جو کہ سراپا تقوی تھی آپ کی عظمت کو بھانپ لیتے تھے، اس بزرگ کی زندگی کے آخری سالوں میں جب کہ وہ اوجِ کمال پر پہنچ چکے تھے اور روحِ مجرد بن چکے تھے، ان کی مجلس سے وہ خوش بو آتی تھی جو حضرت سلطان المشائخ کی مجلس سے آیا کرتی تھی جس سے راقم الحروف (سید محمد مبارک) کے مشامِ جاں نے بھی راحت پائی۔)

احوال رحلت:

حضرت سلطان المشائخ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وفات سے ۴۰/ روز پہلے استغراق و تحیر کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ سیر الاولیا میں تفصیل کے ساتھ اس وقت کے حالات اس طرح درج ہیں:

"جمعہ کا دن تھا، سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی، نور تجلی سے ان کا باطن منور معلوم ہو رہا تھا، نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے۔ اسی تحیر کے عالم میں گھر کے اندر تشریف لائے، گریہ و بکا میں ترقی ہوگئی، روزانہ کئی کئی بار غیبوبت و استغراق ہو جاتا تھا، پھر توجہ ہو جاتی تھی، یہی فرماتے تھے:

"امروز روز جمعہ است، ہر آئینہ دوست موعدۂ دوست یاد آرد و غرق آں حالت باشد"۔ (آج جمعہ کا دن ہے، دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہو جاتا ہے۔)

اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ اگر حاضرین کہتے کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیتا ہوں، ہر نماز کو بار بار ادا کرتے، جتنے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں بار بار دہراتے "آج جمعہ کا دن ہے؟

---

(۸۳) سیر الاولیاء، ص:۲۴۱۔

ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اور کبھی یہ مصرع پڑھتے:

"می رویم و می رویم و می رویم"

(ہم جارہے ہیں، جارہے ہیں، جارہے ہیں)

اسی دوران ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں کسی جنس میں سے بچالی ہے تو کل قیامت کے دن اس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا۔" اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔ اور واقعی اس جواں مرد نے ایسا ہی کیا تھا، چند دن کے لیے فقراے خانقاہ کی خوراک کے علاوہ سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سید حسین نے حضرت سلطان المشائخ کو اطلاع دی کہ غلہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے، ان کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عام لوگوں کو بلاؤ جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلہ کے انبار خانے کے دروازے توڑ ڈالو اور بے خوف تمام غلہ اٹھا لے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں لوگ جمع ہو گئے اور سارا غلہ لوٹ لیا۔

اسی بیماری میں کچھ احباب اور خدمت گار حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا کہ حضور کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا: میرے روضے پر تمھیں اتنا ملتا رہے گا جو تمھارے گزر بسر کے لیے کافی ہو۔

میں نے بعض معتبر مشائخ سے سنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان کون نصیب ور ہوگا؟ (۸۴) فرمایا: جس کی قسمت یاوری کرے گی۔ اسی بیماری اور پریشانی کی حالت میں بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نانا مولانا شمس الدین دامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے اپنے اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنالی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ (رحلت کے بعد اس) کی

---

(۸۴) شاید جانشینی و خلافت کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے۔

عمارت میں محوِ استراحت ہوں۔ اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی اپنی رائے سے کام نہ کرے۔ مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہنچایا تو ارشاد ہوا:

''مولانا! من زیر عمارتِ کسے خفتنے نہ ام، من در صحرا خواہم خفت''۔

(میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا، میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا۔)

آخر کار ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا، بعد میں سلطان محمد تغلق نے آپ کے روضے پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰/ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی، کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی، گریہ وبکا اس شدت سے غالب تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔

اسی درمیان میں اخی مبارک ایک روز مچھلی کا شوربا لائے، مخلصین نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمالیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے۔ فرمایا: بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو''۔ آپ نے کچھ بھی تناول نہ فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہوگئے ہیں کہ حضور نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ فرمایا: سید! جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو اس سے دنیا میں کھانا کیسے کھایا جائے۔ بہر حال ۴۰/ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا، اسی طرح گفتگو بھی بہت کم کی۔ آخر چہار شنبہ تک جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔[(۸۵)]

وفات اور نماز جنازہ:

آخر کار وعدۂ الٰہی کی تکمیل کا وقت آپہنچا اور ۱۸/ ربیع الآخر ۷۲۵ھ بدھ کے دن طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت، حقیقت و معرفت اور ھدایت وارشاد کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔ اس وقت آپ کی عمر نواسی سال تھی۔

نماز جنازہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ الاسلام ابو الفتح رکن

---

(۸۵) سیر الاولیا، ص: ۱۵۲ تا ۱۵۵۔

الدین ملتانی نے پڑھائی۔ نماز کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا:

''امروز مرا تحقیق شد کہ چہار سال کہ مرا در شہر دہلی داشتند مقصود ایں بود کہ بشرفِ امامتِ نمازِ جنازۂ سلطان المشایخ مشرّف شوم''۔

(اب معلوم ہوا کہ مجھے ۴؍ سال تک دہلی میں اس لیے رکھا گیا کہ مجھے سلطان المشایخ کی نماز جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔)

پھر اسی دن ظہر کے وقت دہلی میں اس مقام پر آپ کی تدفین ہوئی جو آج ''بستی حضرت نظام الدین'' کے نام سے مشہور ہے۔

صاحب سیر الاولیاء امیر خورد کرمانی فرماتے ہیں:

مہ بہ زیرِ ابر احتجاب نمود	عاشقاں را بدیں عذاب نمود
پردہ از زلف بست بر رخِ خود	در دو حیرت بدیں خراب نمود

خاک درت کہ سرمۂ اہل نظر شدہ است
بہرِ شفائے دلہا تریاقِ اعظم است
ہر ذرّۂ ز خاکِ درت نزد عاشقاں
جانے ست بلکہ در جاں سرِّ معظم است (۸۶)

---

(۸۶) سیر الاولیاء، ص:۱۵۵۔

مراجع ومصادر

یہ مقالہ درج ذیل کتابوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے:

- **فوائد الفواد:** (ملفوظات سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بدایونی)۔ تالیف: امیر حسن علاسجزی معروف بہ خواجہ حسن دہلوی (مریدِ خاص حضرت سلطان المشائخ)۔ تصحیح ومقدمہ وحواشی وفہارس: محمد لطیف ملک ایم، اے۔ از نشریات ملک سراج الدین اینڈ سنز، پبلشرز، بازار کشمیری، لاہور، پاکستان۔ طبع اول:۱۳۸۶ھ – ۱۹۶۶ء
- **سیر الاولیاء:** تصنیف: مولانا سید محمد مبارک علوی کرمانی معروف بہ امیر خورد (مرید حضرت سلطان المشائخ) شائع کردہ: بندۂ ذو الجلال چرنجی لال، مالک ومہتم مطبع محبِّ ہند، فیض بازار، دہلی، ماہ شعبان، ۱۳۰۲ھ۔
- **اخبار الاخیار فی اسرار الأبرار:** تالیف: سید المحققین شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ ناشر: کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، (غیر مورّخ)
- **سِیَرُ العارفین:** تالیف: شیخ حامد بن فضل اللہ جمال۔ ترجمہ: محمد ایوب قادری۔ ناشر: اردو سائنس بورڈ (بدون تعیین مقامِ اشاعت وسنۂ اشاعت)۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

تاج العرفاء، مخدوم المشائخ

خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ولادت: ۵۹۲ھ ـــــــــ وفات: ۶۹۰ھ

مولانا جنید احمد مصباحی

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

زیر نظر مضمون سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی ایک قدیم اور معتبر کتاب ''حقیقت گلزار صابری'' (مولفہ مخدوم شاہ حسن چشتی صابری) کے ایک باب کی عمدہ اور نفیس تلخیص و تسہیل ہے۔

یقیناً اولیاے کرام کا وجود عالم کے لیے نعمت اور ان کا ذکر رحمت ہے، وہ واصل و موصل الی اللہ ہیں، وہ حقیقی مومن اور سچے مسلمان ہیں اور حقیقیت میں اللہ کے بندے جنھوں نے اپنے پاک پروردگار کی عبادت کا حق ادا کیا اور اس کی مخلوق کو راہ راست پر لانے کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔

جن کو اللہ نے ایسی قدرت عطا فرمائی کہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔

ان اولیاے کرام میں ایک نام علاء الدین علی احمد مخدوم صابر رضی اللہ تعالی عنہ کا ہے جو نہایت ہی عظیم پاے کے بزرگ اور ولی اللہ ہیں۔

آپ ۵۹۲ھ میں پیدا ہوئے ہوے اور ۶۹۰ھ میں وفات پائی۔

نسب: خواجہ علاء الدین بن شاہ عبد الرحیم عبد السلام بن شاہ سیف الدین عبد الوہاب بن حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنھم۔

احوال ولادت باکرامت:

حضرت عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ انوار الشہود میں تحریر فرماتے ہیں کہ ولادت سے پہلے بہت واضح انداز میں یہ قول سنا جاتا تھا: ''میں ظہور اللہ ہوں''۔

لہٰذا ۱۹/ ربیع الاول ۵۹۲ھ شب پنج شنبہ بوقت تہجد حضرت مخدوم پاک کی ولادت باسعادت ہوئی اور اسی وقت آسمان سے ایک برق خشک بآواز ''لا الہ'' مولوی برہان حاسد کے سر پر گری اور اس کا سر قلم ہو گیا اور مر گیا، جب اس قہر الٰہی کے نزول کی خبر پورے شہر میں پھیلی تو پورے شہر ہرات پر زلزلہ طاری ہو گیا، جو بھی اس خبر کو سنتا تھا حیرت زدہ رہ جاتا تھا، اور اس ہیبت ناک واقعہ کو سن کر اکثر روافض میرے پاس آکر تعلیم طریقت کے سلسلے میں داخل ہو گئے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

جس وقت بصری بنت طباف دایہ نے آپ کو دیکھا تو آپ کا سر مبارک کعبۃ اللہ کی جانب تھا۔

پھر اس نے بے وضو آپ کو غسل دینے کے لیے ہاتھ لگایا تو اس کے بدن میں ایک کپکپی سی پیدا ہوئی جس کے خوف سے وہ الگ کھڑی ہو گئی مخدوم پاک کی والدہ ماجدہ نے ارشاد فرمایا کہ اے دایہ! کیا تجھے معلوم نہیں یہ لڑکا قطب ربانی شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہے جا پہلے وضو کر نماز استغفار پڑھ اور پھر غسل دے۔ دایہ نے حکم کی تعمیل کی۔

ایام شیر خوارگی کے عجیب حالات:

حضرت عبدالرحیم علیہ الرحمہ انوار الشہود میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت صابر پاک نے چھ مہینے چالیس روز والدہ ماجدہ کا دودھ نوش نہیں فرمایا یہاں تک دودھ نہ پینے کی وجہ سے آپ کی والدہ کے پستان میں ورم آگیا اور یہ سوچ کر کہ شاید کل آپ دودھ نوش فرمالیں اس کا علاج نہیں کرایا کہ کہیں دودھ بند نہ ہو جائے۔ دودھ نوش کرنے کی کوئی تدبیر

کار گر نہیں ہوئی تو میں نے ذی قعدہ ۵۹۲ھ کو نماز مغرب کے وقت چار رکعت نماز صبر کے شکریے میں ادا کی اور صابر پاک کے چہرہ منور کو بوسہ دے کر اکیس مرتبہ۔

یا شیخ عبد القادر جیلانی شیا للہ باذن اللہ، تلاوت کر کے آپ کے قلب انور پر دم کر دیا بس اس نام کی برکت سے آپ نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا، اور مکمل ایک سال تک مخدوم پاک کا یہ معمول رہا کہ ایک دن دودھ نوش فرماتے اور ایک دن روزے سے رہتے۔ اور جب آپ کی عمر کا دوسرا سال شروع ہوا تو دو دن کے بعد تیسرے دن دودھ نوش فرماتے اور دو دن روزہ رکھتے تھے۔

ایام طفلی کے حالات:

حضرت عبدالرحیم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ہر روز مخدوم علی احمد سے دو چار خارق عادت افعال کا صدور ہوتا رہتا تھا چناں چہ بتاریخ ۷/ ربیع الاول ۵۹۴ھ بروز سہ شنبہ میں نماز صبح کے بعد قریب بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک سانپ میرے اوپر آگرا، میں نے نظر اٹھا کے دیکھا تو ایک ڈراونا سانپ دو ٹکڑے میرے سامنے پڑا ہے اور مخدوم علی احمد صابر چرے ہوئے ٹکڑے کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے فوراً ان کی والدہ کو جگایا اور سانپ کے دونوں ٹکڑے ان کو دکھائے، ان کی والدہ نے کہا کہ ابھی میں خواب دیکھ رہی تھی کہ مخدوم علی احمد مجھ سے کہہ رہا ہے کہ آج سے کوئی سانپ میرے خاندان کو نہیں کاٹے گا اور نہ ہی کسی سانپ کا زہر اثر کرے گا، میں نے سانپوں کے بادشاہ کو مار ڈالا ہے اس لیے روے زمین کے تمام سانپ مجھ سے عہد کر گئے ہیں۔

خواب سننے کے بعد سانپ کے دونوں ٹکڑے لے کر میں باہر آیا اور حضرت محمد بن اسحاق، حضرت محمد ابو القاسم گرگامی، شیخ ابو البرکات، شیخ ابو السعود اور شیخ ابو عبد اللہ وغیرہ کو دکھایا تو اکثر حضرات نے اسے دیکھ کر اس کے جسم پر سانپوں کے باشاہ کی علامتیں بیان کیں۔

جب مخدوم علی احمد صابر نے تیسرے برس میں قدم رکھا تو خود بہ خود دودھ پینا چھوڑ دیا اور یہ معمول بنا لیا کہ تین دن کے بعد چوتھے دن روغنی اور جو کی روٹی بقدر ضرورت

تناول فرماتے اور جب چوتھے سال میں پہنچے تو آپ کی زبان کھلی ۲۱ ربیع الاول ۵۹۶ھ بروز دوشنبہ نماز فجر سے پہلے مخدوم علی احمد نے باواز بلند کہا" لا موجود إلا الله"۔

میں اس وقت اپنے معمول کے مطابق اپنے جد امجد کے نام کا ورد کر رہا تھا کہ مخدوم کی آواز سن کر سجدۂ شکر ادا کیا اور چار رکعت نماز پڑھی، بغداد شریف کی طرف رخ کر کے دعا کی، عمر کے چوتھے سال اکثر یہی کلمہ زبان پر جاری رہتا اور یہ کلمہ کہتے وقت ان پر حال طاری ہو جاتا۔ دن میں سات وقت کعبۃ اللہ کی جانب رخ کر کے سجدہ کیا کرتے تھے، صبح، دوپہر، سہ پہر، وقت عصر، وقت مغرب، وقت عشاء اور تہجد کے وقت، رات کو بہت کم سوتے اور سوتے وقت چونک پڑتے اور چہرۂ منور متغیّر ہو جاتا۔

والد کی وفات کے بعد کے حالات:

حضرت محمد ابوالقاسم گرگامی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں:

والد محترم کی تدفین کے بعد مخدوم علی احمد ایک سال مکمل خاموش رہے، کسی سے کوئی بات نہ کی، اس درمیان اگر کوئی مل کر بوسہ دینے کی کوشش کرتا تو فوراً ان پر وجد طاری ہو جاتا۔

جب آپ عمر کے چھٹے سال میں پہنچے تو جذب کی کیفیت طاری ہوگئی اور ایک سال کے بعد ہوش و حواس میں آگئے کبھی کبھی کسی بات کا جواب دیتے اور اگر کچھ ضرورت ہوتی تو اپنی والدہ محترمہ سے طلب فرمالیتے۔

جب سات سال کے ہوئے تو بڑی تنگ دستی سے زندگی گزر بسر ہونے لگی، لیکن آپ کی والدہ مکرمہ کسی سے اپنا حال بیان نہیں کرتیں۔ چوتھے پانچویں وقت جا کر خشک روٹی میسر ہوتی تھی اور حضرت مخدوم علی احمد صابر کو اگر روٹی میسر آتی تو بقدر ضرورت تناول فرما لیتے ورنہ آٹھ پہر میں ایک مرتبہ بعد مغرب پانی نوش فرماتے، اور بغیر کوئی بچھونا بچھائے زمین پر سوتے تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوالقاسم گرگامی رہتے تھے۔ ایک روز جمعہ کی رات کو آپ کی والدہ نے حضرت ابوالقاسم گرگامی کو طلب فرمایا اور نہایت خوشبودار اور لذیذ چاول دکھاتے ہوئے فرمایا کہ تنگ دستی کی وجہ سے مجھ پر دو دو وقت کا فاقہ بھی ہو جاتا ہے لیکن آج مخدوم علی احمد صابر نے مجھ سے کہا کہ شدت کی بھوک لگی ہے کچھ کھانا کھلا

دیجیے، میں نے حیلے حوالے سے دوپہر تک ٹالا مگر کوئی ترکیب میسر نہ آئی، اور سوال کرنے کی ہمت نہ ہوئی، جب مخدوم علی احمد ظہر کی نماز ادا کر کے آئے تو بھوک سے بے چین تھے اور کھانا طلب کیا، میں نے ان کے اطمینان کی خاطر خالی دیگچی چولھے پر چڑھائی اور وہ مجھ سے کھانا طلب کرتے، میں کہہ دیتی ابھی تیار نہیں ہوا ہے۔ آخر کار نماز مغرب کے بعد علی احمد نے مجھ سے کہا کہ مجھے کچا ہی کھلا دیجیے یہ کہہ کر خود ہی اس دیگچی کو دیکھنے لگے اور پانی کو دیکھ کر کہا کہ چاول تو پک چکے ہیں، میں نے جا کر دیکھا تو واقعی دیگچی خوشبودار اور لذیذ چاولوں سے بھری ہوئی تیار تھی۔ ابھی ابھی انھیں کھلا کر فارغ ہوئی ہوں، آپ سے گزارش ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کو تعلیم باطن کے لیے ان کے ماموں شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس پہنچا دیا جائے کیوں کہ وہ اب اس قابل ہو چکے ہیں۔ شیخ ابو القاسم نے وہ چاول تمام حضرات کو کھلائے اور سب نے بطور تبرک کھائے اور بیک زبان کہا: مخدوم علی احمد کو ان کے ماموں کے پاس پہنچایا جائے۔

غرض سامان سفر تیار کر کے آپ کی والدہ محترمہ اور ابو القاسم گرگامی آپ کو لے کر اجودھن عرف پاک پٹن ملتان کے لیے روانہ ہوئے اور ۲۵/ شعبان ۶۰۰ھ بروز چہار شنبہ عصر کے وقت اسم اعظم جندیہ کی تلاوت کی برکت سے گیارہ دن میں پاک پٹن پہنچے۔

اور جب مخدوم علی احمد صابر کو شیخ فرید الدین علیہ الرحمہ کی گود میں بٹھایا تو ان کی عجیب سی کیفیت ہو گئی اور اسی کیفیت میں فرمایا کہ آج سے تین برس بعد میرے جد امجد کا وصال ہو جائے گا، جب بابا فرید نے یہ سنا تو فرمایا کہ اے بیٹے! تم نے کیسے جانا کہ تمھارے جد امجد شاہ سیف الدین عبد الوہاب کا انتقال ہو جائے گا جب کہ وہ بغداد شریف میں ہیں اور تم یہاں میرے پاس ہو۔

صابر پاک نے جواب دیا اس وقت میں نے اپنے دل کو دیکھا تھا جس میں والد بزرگوار کی صورت دکھائی دی اور انھوں نے مجھے تین انگلیوں سے اشارہ کیا جس سے موت کا پتا چلتا ہے۔

شیخ فرید الدین نے آپ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

اس کے بعد صابر پاک کی والدہ نے بابا فرید سے عرض کی کہ اس لڑکے کو اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ شیخ فریدالدین نے جواب میں ارشاد فرمایا: میں تمھارا احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے ایسا فرزند دیا ہے کہ اگر میرے جسم کا ایک ایک رواں زبان بن کر تمھارا شکریہ ادا کرتا رہے تو پورا نہ ہو گا۔

اللہ تعالی کی پیش خبری سے میں مطلع ہو چکا ہوں میں انھیں تین برس کے بعد تعلیم طریقت سے آراستہ کردوں گا، اور اس عرصہ میں علم ظاہر کی بھی ضرورت ہے۔

بیعت وارادت:

شیخ فریدالدین گنج شکر اپنی کتاب ''سر العبودیت'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ مخدوم علی احمد صابر نے مکمل تین روز روزہ رکھنے کے بعد چوتھے دن بقدر ضرورت کھایا اور اپنی بہن سے ان کے تعلق سے جو سنا تھا وہ سب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

آگے فرماتے ہیں:

علی احمد نے مجھ سے تین برس میں علوم ظاہر کا اتنا وافر حصہ حاصل کیا کہ دوسرا لڑکا چھ سال میں بھی نہیں کر سکتا۔

۲۱/ شوال ۶۰۳ھ بروز یک شنبہ عالم مثال میں شاہ سیف الدین نے مجھ سے کہا کہ میں اپنا بیٹا آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ میں نے بیدار ہو کر علیم اللہ ابدال کو آپ کی مزاج پرسی کے لیے بغداد روانہ کیا اور ۲۵/ شوال ۶۰۳ھ شب پنج شنبہ نماز تہجد کے بعد شیخ ابو القاسم گرگامی نے مجھے بتایا کہ میں نماز تہجد کے بعد سو گیا تھا، عالم مثال میں شاہ سیف الدین عبد الوہاب کی نماز جنازہ میں شریک ہوا اور پوری رات علی احمد پر بھی جذب کی حالت طاری رہی۔ اور پانچویں دن علیم اللہ ابدال نے شاہ سیف الدین عبد الوہاب کی رحلت کی خبر سنائی۔

چناں چہ اسی روز میں نے علی احمد صابر کو اپنے ہاتھ پر بیعت توبہ اور دونوں حنفی علوی خاندان کی اجازت سے مشرف کیا۔

نماز مغرب کے بعد میں گھر میں داخل ہوا تو میری بہن نے واپس جانے کی اجازت مانگتے ہوئے کہا کہ میرا صابر بھوکا نہ رہے۔ اگر میں زندہ رہی تو بارہ برس کے بعد دوبارہ ہرات سے واپس آکر اس کی شادی کروں گی۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً علی احمد صابر کو ان کی ماں کے سامنے بلا کر حکم دیا تم صبح سے فقراو مساکین پر لنگر تقسیم کرو۔ یہ حکم سن کر آپ کی ماں بہت خوش ہوئیں۔

مخدوم علی احمد اپنی والدہ کی واپسی کی خبر سن کر دو پہر تک روتے رہے اور دوسری صبح آپ کی والدہ محترمہ شیخ ابوالقاسم گرگامی کے ساتھ ہرات کے لیے روانہ ہوئیں۔

تقسیم لنگر:

شیخ فرید الدین گنج شکر کے چچا زاد بھائی شیخ فضل الرحمن اپنی کتاب نظیر الخطیب میں تحریر فرماتے ہیں: ۲۶ / شوال ۶۰۳ھ بعد نماز اشراق علی احمد صابر نے لنگر کی تقسیم شروع کی اور یہ معمول بنایا کہ ہر روز نماز اشراق اور نماز مغرب کے بعد لنگر تقسیم کرنے کے لیے حجرے سے باہر آتے اور لنگر تقسیم کرنے کے بعد پھر اپنے کمرے میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیتے اور اس میں تنہا رہتے اور کبھی کسی نے علی احمد صابر کو لنگر سے کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔

بابا فرید الدین گنج شکر اپنی کتاب سر العبودیت میں تحریر کرتے ہیں: ۲۹ / جمادی الاولی ۶۱۰ھ جمعہ کے دن عصر کے وقت علی احمد صابر کی والدہ میرے مکان پر آئیں۔ یہاں آنے کے بعد جب آپ نے صابر کو دیکھا تو رو کر مجھ سے کہنے لگیں کہ میں نے تو آپ سے کہا تھا کہ میرے صابر کو بھوکا مت رکھنا مگر آپ نے اسے کچھ کھلایا ہی نہیں اور میرے بیٹے کو سات برس بھوکا رکھا۔

بابا فرید فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ میں نے صابر کو آپ کے سامنے لنگر تقسیم کرنے کے لیے کہا تھا تب علی احمد صابر کی والدہ نے صابر سے کہا جب تم لنگر تقسیم کرتے تھے تو کھاتے کیوں نہیں تھے۔

مخدوم علی احمد نے جواب دیا کہ ہم کو لنگر تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا تھا کھانے کی

اجازت کسی نے نہیں دی تھی جو میں لنگر سے کھاتا۔

بابا فرید علیہ الرحمہ اپنی بہن سے فرماتے ہیں: پیاری بہن اللہ نے ان کو کھانے کے لیے پیدا نہیں کیا ہے، تم بچپن سے ان کے صبر کو دیکھتی آرہی ہو مزید عالم رویا سے بھی تم کو اس طرح کی خبریں مل چکی ہیں۔

کلیر شریف تشریف آوری اور جامع مسجد کا گرنا:

شیخ المشایخ نظام الدین محبوب الٰہی نے اپنی کتاب ''مقناطیس الوحدت'' میں فرمایا کہ بابا فرید نے فرمایا: میں نے ۶۵۰ھ میں علی احمد صابر کو خاندان چشتیہ عالیہ میں بیعت امامت اور ارشاد سے مشرف کیا اور کلیر شریف کی ولایت عطا کرتے ہوئے وہاں تشریف لے جانے کا حکم دیا اور بادشاہ دو جہاں مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کا لقب دیا۔ بتاریخ ۱۵/ ذی الحجہ ۶۵۰ھ بروز دوشنبہ بعد نماز فجر بادشاہ دوجہاں مخدوم علاو الدین علی احمد صرف علیم اللہ ابدال کو ساتھ لے کر کلیر کی طرف روانہ ہوے اور اسم اعظم چشتیہ کی تلاوت کرتے ہوئے دوسرے دن بروز شنبہ بعد نماز ظہر شہر کلیر میں داخل ہوئے اور گل زادی بنت عبد الصمد بن عبد الواحد بن قطب الدین انصاری کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔

گل زادی کا ایک بیٹا بہاء الدین بن ہارون احمد تھا اور آپ کے پڑوس میں ایک روغن جمال نامی شخص اپنے سات بیٹوں کے ساتھ اور نغمہ بنت یار محمد رہا کرتی تھیں، ساتھ ہی شمال کی جانب قاضی تبرک کا عظیم الشان محل تھا، قاضی کے علاوہ تمام پڑوسی آپ کے آنے سے نہایت خوش ہوئے۔

اسی دن بعد نماز عصر صابر پاک نے کلیر کی جامع مسجد میں وعظ و نصیحت کی اس وقت تقریبا دو ہزار مرد و عورتیں مسجد میں موجود تھے، شیخ بہاء الدین اور جمال نے آپ کا تعارف کرایا اور حضرت کی بیعت کی گزارش کی لیکن حاضرین مجلس نے انکار کر دیا۔

دوسرے دن، ۱۷/ ذی الحجہ ۶۵۰ھ بروز چہار شنبہ نماز فجر کے بعد پھر آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اس وقت تقریبا پانچ ہزار لوگ مسجد میں موجود تھے سب نے بیعت

سے انکار کر دیا اور کہا ہمارا پیر کلام مجید ہے اور ہمارا امام قاضی تبرک کوفی بن ہوتک بن صعوطی بن قامر بن حافض بن ہارون ہے۔ یہ نسبت اولاد یزید سے مشتق ہے لہذا اس کے خلاف ہم تم کو اپنا امام کس دلیل سے تسلیم کرلیں۔

صابر پاک نے فرمایا فقیر اپنے پیر و مرشد سے تم لوگوں پر امامت کی سند اور سلطان الاولیا کا خطاب لایا، یہ اس کی دلیل ہے۔

یہ جواب سن کر حاضرین خاموش ہو گئے اور اس خبر کو مشہور کر دیا یہاں تک کہ قاضی تبرک کو خبر ہوئی، اس نے فوراً قیام الدین عرف ذموان رئیس کلیر کو جاکر بتایا کہ ایک شخص امامت کا دعوی کر رہا ہے اور جامع مسجد جاکر نماز میں خلل ڈالتا ہے۔

چوں کہ اس وقت کا دستور تھا کہ رئیس شہر جمعہ کی نماز قاضی تبرک کی اقتدا میں پڑھتا تھا اور ان کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے فیصلہ کیا کرتا تھا اس لیے جمعہ کے دن رئیس کلیر حسب معمول جامع مسجد میں آیا اور حضرت مخدوم علی احمد صابر سے سوال کیا کہ اگر تم واقعی اقطاب ہند اور ہمارے امام ہو تو بتاؤ کہ ہماری ایک بکری جو نہایت خوبصورت ہے، تین مہینے پہلے غائب ہو گئی ہے اگر تم بتادو گے تو تم کو اپنا امام بنائیں گے اور تمھاری بیعت بھی کرلیں گے۔

حضرت مخدوم علی احمد صابر اسی وقت عالم ارواح کی طرف متوجہ ہوئے، اور ہاتھ اٹھا کر ارشاد فرمایا: اے بکری کے کھانے والو! حاضر ہو فوراً ستائیس آدمی شہر کلیر سے حیران و پریشان حاضر خدمت ہوئے آپ نے فرمایا کہ بتاؤ رئیس کلیر کی بکری کہاں ذبح کر کے کھائی، ان لوگوں نے انکار کر دیا تب آپ نے سخت لہجے میں فرمایا کہ بتادو ورنہ میں خود ہی بیان کردوں گا، ان لوگوں نے کہا کہ آپ بیان کردیں۔

صابر پاک نے رئیس کلیر سے کہا کہ تو اپنی بکری کا نام لے کر پکار۔ رئیس کلیر نے حرمنہ نام لے کر جب پکارا تو ان لوگوں کے پیٹ سے جدا جدا آوازیں آنے لگیں کہ اتنی اس کے پیٹ میں ہوں اور اتنی اس کے پیٹ میں۔

رئیس شہر نے جب ماجرا دیکھا تو بولا یقیناً آپ اقطاف ہند ہیں۔

لیکن قاضی تبرک نے کہا کہ نہیں یہ جادو ہے، لہذا رئیس کلیر قاضی کی باتوں میں

آگیا اور وہ بھی بولا کہ یہ جادو ہے۔

صابر پاک نے فرمایا الحمد للہ !آج اس عاصی سے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت ادا ہوئی، اس کے بعد صابر پاک نے یہ سارے حالات ایک خط کے ذریعہ شیخ فرید الدین تک علیم اللہ ابدال کے ذریعہ پہنچائے۔

شیخ فرید الدین نے خط کے جواب میں قاضی اور رئیس شہر کو سدھرنے کی تاکید کی اور صابر پاک کی امامت قبول کرنے کا حکم دیا، لیکن ان لوگوں نے نہیں مانا اور خط پھاڑ کر اس کی پشت پر لکھا کہ ہم ان کو اپنا امام کیوں مانیں اگر رسول خدا ہم کو حکم دیتے تو مان لیتے۔ ان سارے حالات کی خبر پھر صابر پاک نے بابا فرید الدین کو پہنچائی، بابا فرید نے پھر ان لوگوں کو آگاہ کیا لیکن یہ نہیں مانے۔

بالآخر شیخ فرید الدین نے اپنے آخری خط میں لکھا کہ یہ شہر تیری بکری ہے چاہے تو گوشت کھا یا دودھ پی۔

اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا تھا، لہذا ۹؍ محرم کو صبح پنج شنبہ صابر پاک نے ورد سیف اللہ حرز یمانی، حرز مرتضوی سلطان الاوراد کو بہ ترکیب قیومی تلاوت فرما کر آسمان کی طرف دم کر دیا اور ۱۰؍ محرم کو ورد ممدوح بترکیب معنوی تلاوت فرما کر زمین کی طرف دم کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد زمین نے جنبش کی اور ایک پہر میں تین مرتبہ زلزلہ پیدا ہوا۔

بہر حال نماز جمعہ تک سات مرتبہ زلزلہ آیا اذان جمعہ کے بعد لوگ جامع مسجد میں حاضر ہو گئے رئیس کلیر اور قاضی بھی پہنچے، صابر پاک پہلے ہی سے مصلی امامت پر جلوہ فرما تھے جب قاضی مصلی امامت کے قریب آیا تو آپ نے ایک بار پھر اس کو اور سارے لوگوں کو ہدایت کی لیکن وہ باز نہیں آئے، بس صابر پاک مصلی امامت سے الگ ہو گئے اور دالان مسجد سے صحن مسجد میں تشریف لے آئے کسی نے آپ کو جگہ نہ دی یہاں تک کہ آپ مسجد کی سیڑھیوں سے علاحدہ تشریف لے آئے مگر شیخ بہاء الدین سیڑھی کی صف میں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب سب لوگ رکوع میں گئے تب آپ نے مسجد سے ارشاد فرمایا کہ تو بھی رکوع کر اور ان سب کو یہاں سے تحت الثری تک

لے جا کہ روز قیامت تک یوں ہی دھنستے چلے جائیں گے آپ کا اشارہ پاتے ہی مسجد سب نمازیوں کو لے کر تحت الثریٰ کو چل دی اور حضرت کی زبان پر بس یہ کلمہ جاری تھا:

"یا ھو یا من ھو یا من لیس لھو إلا ھو حق حق".

اس حادثہ کی خبر سن کر گل زادی آئیں اور بولیں شیخ بہاء الدین بھی اس میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے علیم اللہ ابدال کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جاؤ اور شیخ بہاء الدین کو نکال لے آؤ، علیم اللہ ابدال آپ کے نام کے ذریعہ ان کو نکال لائے۔

اس کے بعد لوگوں میں ہلچل مچ گئی اور دوڑ دوڑ کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے اور معافی مانگتے تھے، علیم اللہ ابدال نے کسی کو آپ تک نہیں پہنچنے دیا اور کہا کہ وہ زمانہ گزر گیا جب تمھاری معافی قبول ہوتی۔

اولیاے ہم عصر کا مزاج پرسی کو حاضر ہونا اور زمین کلیر کا جلنا:

۱۰/ محرم ۶۵۱ھ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ مسجد گری اور اسی دن علیم اللہ ابدال یہ خبر لے کر بابا فرید کی بارگاہ میں نماز عشا کے وقت حاضر ہوئے۔ علیم اللہ ابدال نے جب یہ خبر بابا کو سنائی تو اس وقت آپ کے پاس بہت سے خلفا مریدین اور ہم عصر اولیاے کرام تشریف فرما تھے، حضرت بابا فرید نے ان حضرات سے کہا کہ مخدوم علی احمد صابر کا جو واقعہ آپ لوگوں نے سنا اسے لکھ کر محفوظ کر لو۔ ساڑھے سات سو سال بعد سلسلۂ صابریہ کا ایک مجدد جو اولاد امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہوگا اپنے زمانہ اجتہاد میں اسے مشہور کرے گا۔ تمام حاضرین نے اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے حقیقت گلزار صابری" کا مطالعہ کریں)

اس کے بعد بابا فرید نے تمام حاضرین کو صابر پاک کی مزاج پرسی کے لیے کلیر روانہ کیا۔ جب یہ لوگ کلیر شریف پہنچے تو اس وقت چار جگہوں کے علاوہ (درخت گولر، آشیانہ فاختہ، وہ جگہ جہاں آپ کا مزار پاک ہے اور زمین کا وہ ایک ٹکڑا جہاں سید امام الدین مرید غوث اعظم کا مزار تھا) پورا شہر جل رہا تھا۔

علیم اللہ ابدال نے مخدوم علی احمد صابر کو ان حضرات کے آنے کی اطلاع دی کہ یہ

حضرات آپ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے ہیں تو حضرت نے بآواز بلند ارشاد فرمایا: ”الحمد للہ یا حق“ اور پھر فرمایا: ”لا لا لا“ اور آسمان کی جانب نگاہ کی۔ یہ کلمات سن کر علیم اللہ ابدال نے تمام حاضرین سے کہا کہ اب یہاں سے چلیے۔

جیسے ہی ان لوگوں نے جانے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ایک ابدال بہت سارے جنوں کے ساتھ ملک طوس سے بہت سے اقسام کے کھانے لے کر آ رہا ہے۔ اس نے پہنچتے ہی کہا کہ کھانا کھا کر جائیے۔ سب حضرات نے کھانا کھایا پھر اس ابدال (جس کا نام جمال الدین تھا) نے کہا کہ بابا فرید سے میرا سلام کہنا، اور کہہ دینا کہ میں اپنی جنوں کی ٹیم کے ساتھ حضرت مخدوم علی احمد کی بارگاہ میں آنے والے مہمانوں کی ضیافت کرتا رہوں گا۔ (ان جنوں کے نام ”حقیقت گلزار صابری“ میں پڑھے جا سکتے ہیں۔)

اس کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے۔

وصیتیں:

حضرت خواجہ شمس الدین پانی پتی علیہ الرحمہ صابر پاک کے سب سے خاص خادم اور مرید تھے، آپ شب و روز صابر پاک کے ساتھ رہتے تھے۔ صابر پاک نے آپ کو چھ سال تک ایک قبر میں محبوس ہونے کا حکم دیا جس کو آپ نے پورا کیا اسے حبس کبیر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خواجہ شمس الدین فرماتے ہیں کہ جب میں حبس کبیر سے فارغ ہوا تو اپنے شیخ صابر پاک کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ شیخ نے بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم شہر آمیر چلے جاؤ، وہاں علاء الدین غوری قلعہ آمیر کو فتح کرنے کی کوشش میں ہے لیکن فتح نہیں ہو رہا ہے تم جاؤ اور تمھاری انگلی کے اشارے سے قلعہ فتح ہو جائے گا، لیکن وہی دن میری رحلت کا ہو گا اور یہ واقعہ ۱۳؍ ربیع الاول ۶۹۰ھ بروز چہار شنبہ بعد نماز ظہر رونما ہو گا۔

خواجہ شمس الدین نے عرض کیا: حضور مجھے اس کا علم کیسے ہو گا؟

آپ نے فرمایا چہار شنبہ کا دن گزر کر پنج شنبہ کی رات آئے گی تو تیز ہوائیں چلیں گی،

سارے چراغ بجھ جائیں گے سوائے تمھارے چراغ کے، بس تمھارے انگلی اٹھانے سے قلعہ فتح ہوگا۔

خواجہ شمس الدین نے عرض کیا: آپ کو غسل کون دے گا؟ صابر پاک نے کہا کہ تم غسل دو گے۔ خواجہ صاحب نے کہا: پانی کہاں سے آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ہمارے جسم کے قریب بائیں جانب سے آب کوثر کا ایک چشمہ آئے گا اس سے غسل دے دینا۔

پھر خواجہ شمس الدین نے عرض کیا، جسم پر پانی کیسے ڈالوں گا، ہاتھ لگاؤں گا یا نہیں؟

آپ نے فرمایا: ہاتھ مت لگانا بلکہ دل میں خیال کرتے رہنا جیسا خیال کرتے رہو گے ویسا ہوتا رہے گا۔

خواجہ شمس الدین نے عرض کیا:

حضور کفن کیسا ہوگا؟ اور خوشبو کون سی ہوگی؟

صابر پاک نے جواب دیا۔ کفن جو تم کو میسر ہو دینا، میرے شیخ کا عمامہ سر پر باندھنا اور میرے شیخ کا وہ خرقہ جو خلافت عطا کرتے وقت دیا تھا میرے سر پر رکھ دینا۔ رجال الغیب پہنا دیں گے اور خوشبو مت لگانا کیوں کہ ملائکہ جنت سے کافور اور الائچی کی خوشبو لے آئیں گے اور لگائیں گے جس سے سب معطر ہو جائے گا۔

خواجہ شمس الدین نے عرض کیا کہ حضور جب میں بدن پر ہاتھ نہیں لگا سکتا تو کفن کیسے پہناؤں گا اور جو کپڑے بدن پر ہوں گے انھیں کیسے اتاروں گا؟ تو جواب میں فرمایا: کفن تیار کر کے دل میں ارادہ کرنا جو ارادہ کرتے رہو گے وہ ہوتا رہے گا۔

پھر خواجہ شمس الدین نے عرض کیا کہ نماز جنازہ کون پڑھائے گا۔

آپ نے فرمایا یہ کام وقت پر ہوگا باطن سے نماز ہوگی اور تجھے علم ہو جائے گا، میری قبر رجال الغیب کھودیں گے اور اس وقت کا مجدد مجھے قبر میں اتار دے گا اور وہی تعمیر بھی کرے گا۔

خواجہ شمس الدین نے عرض کیا حضور اس مجدد کا زمانہ کب ہوگا؟ آپ نے جواب دیا: اس کا زمانہ ۹۰۷ھ میں ہوگا، وہ طریقہ صابریہ اور طریقہ حنفیہ کا مجدد ہوگا اور

امام اعظم کی اولاد سے ہوگا۔ خواجہ شمس الدین نے پھر عرض کیا کہ حضور ۶۹۰ھ سے ۹۰۷ھ تک بغیر دفینہ کے جسم کیسے رہے گا؟

آپ نے جواب دیا کہ شمس الدین بابا یہ جسم فقیر صاحب نصاب حرز مرتضوی قیومی روحی کا ہے، فقیر کا جسم بغیر تدفین کے ان دو سرخ سنگوں کے درمیان قائم رہے گا جو شیخ امام الدین صاحب کے مزار کے سرہانے خواجہ بختیار کاکی (علیہ الرحمہ) نے رکھوا دیے ہیں۔

اتنی وصیتیں کرنے کے بعد صابر پاک نے خواجہ شمس الدین کو کچھ باطن کی تعلیمات دیں اور حسب معمول گولر کے پاس آکر بائیں ہاتھ سے اس کی ڈال پکڑ کر استغراق میں چلے گئے اور حضرت خواجہ شمس الدین ۱۴/ صفر ۶۸۹ھ چہار شنبہ آمیر کے لیے روانہ ہو گئے۔

نماز جنازہ

خواجہ شمس الدین آمیر پہنچنے کے بعد ایک مدت تک وہاں رہے اور جب ۱۳/ ربیع الاول ۶۹۰ھ کا دن آیا، تیرہ کا دن گزرنے کے بعد ۱۴/ تاریخ کی رات آئی تو جیسے جیسے صابر پاک نے بیان کیا تھا اسی طریقہ سے علاء الدین غوری کو آمیر کے قلعہ پر فتح نصیب ہوئی۔

ادھر حضرت خواجہ شمس الدین پانی پت کلیر شریف کے لیے روانہ ہوئے راستے میں علیم اللہ ابدال سے ملاقات ہوئی اس سے شیخ کے کچھ حالات پوچھے اور پھر آپ کو ایک ٹھوکر لگی زمین پر گر پڑے اٹھ کر دیکھا تو کلیر شریف پہنچ چکے تھے۔

آپ نے دیکھا کہ جو زمین جلنے سے محفوظ تھی وہاں چرند و پرند اور یاقوت کے مثل روشنی موجود ہے جو آسمان تک ہے۔

آپ نے سب سے پہلے گولر کے قریب جاکر توشہ تیار کیا اور پھر توشہ کے ساتھ صابر پاک کے جسم اطہر کے قریب گئے اور وصیت کے مطابق غسل و کفن دیا۔

پھر آنکھیں کھول کر دیکھا تو حضرت کا جسم اطہر اس جگہ پہنچ چکا تھا جہاں اب مزار مقدس ہے۔

مغرب کی نماز کا وقت قریب تھا، خواجہ شمس الدین نے افسوس کیا کہ ایسے شیخ

کی نماز جنازہ میں تنہا پڑھوں، یہ سوچ کر جا نماز بچھا ہی رہے تھے کہ دور سے ایک شخص صابری لباس زیب تن کیے ہوئے تشریف لاتے دکھائی دیے، قریب پہنچ کر انھوں نے آواز لگائی خبر دار شمس الدین نماز مت پڑھنا، اور بہت جلدی گھوڑے سے اتر کر مصلے پر کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھائی۔

نماز کے بعد خواجہ شمس الدین نے جب شمال و جنوب کی جانب دیکھا تو جنوب سے شمال تک رقبا، نقبا، نجبا، ابدال، اغیاث، اقطاب، رجال الغیب، جن وملائکہ اور اکثر اولیاے ہم عصر نماز جنازہ میں شامل نظر آئے۔

نماز سے فراغت کے بعد جو توشہ خواجہ شمس الدین نے تیار کیا تھا اس پر فاتحہ ہوئی اور اس تبرک کو کثرت ازدحام کی وجہ سے بہت سے شرکاے نماز کو چکھنے کا بھی موقع نہیں ملا۔

اس کے بعد صابر پاک کی وصیت کے مطابق آپ کی تدفین عمل میں آئی لیکن اس درمیان نماز جنازہ پڑھانے والے شیخ اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو خواجہ شمس الدین نے عرض کیا کہ حضور آپ کون ہیں؟ اپنا نام بتائیے اور چہرہ انور دکھائیے، اگر کسی نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تمھارے شیخ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ تو میں کیا جواب دوں گا۔

اتنا سن کر گھوڑ سوار نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا اور فرمایا: ”فقیر کی نماز فقیر ہی پڑھا کرتا ہے“۔

خواجہ شمس الدین کی نظر جیسے ہی آپ کے چہرہ انور پر پڑی غفلت طاری ہو گئی اور گھوڑے کی لگام ہاتھ سے چھوٹ گئی اور گھوڑ سوار نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

آپ کا مزار مقدس کلیر شریف میں ہے جو آج بھی مرجع خلائق ہے، پریشان حال لوگ آپ کے یہاں حاضر ہو کر آپ کے فیضان سے مالا مال ہوتے ہیں، اللہ تعالی ہم کو بھی آپ کے فیضان سے فیضیاب فرمائے۔ آمین
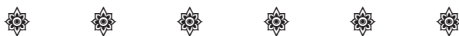
قطب الارشاد، شیخ العارفین

خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت:......- وفات:۷۵۷ھ

مولانا کمال احمد علیمی

استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی، یوپی

ہندوستان کی سرزمین پر جن عظیم شخصیتوں نے دعوت وتبلیغ، ارشاد وہدایت اور تعلیم وتربیت کے باب میں سنہری تاریخ رقم کی ہے، ان میں حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی علیہ الرحمہ کی ذات بابرکات محتاج تعارف نہیں ہے، مشائخ چشت میں محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین چشتی علیہ الرحمہ نے جس انقلاب آفریں تحریک کی بنیاد ڈالی تھی حضرت چراغ دہلوی نے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، دہلی کی سرزمین پر ایک شکستہ جھونپڑی میں بیٹھ کر اسلامیان ہند کی امامت وقیادت اور اساطین حکومت کی اصلاح وتربیت آپ کی حیات طیبہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، فقیری میں شہنشاہی کی جو مثال آپ نے پیش فرمائی ہے اس کی نظیر دور دور تک نہیں دکھائی دیتی ہے، دین ہو یا دنیا، میدان دعوت ہو یا خارزار سیاست ہر شعبۂ حیات میں آپ نے اپنے حال وقال کی گرمی سے انقلاب برپا کیا ہے، آپ نے اپنے اخلاق و اوصاف، تعلیمات وارشادات، سیاسی، دعوتی، علمی اور عملی پیش رفت سے نہ جانے کتنے مردہ دلوں میں ایمان وایقان کی روح پھونکی ہے، آپ کی زندگی کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ

نے دنیا میں رہتے ہوئے بھی دین داری کا دامن نہیں چھوڑا، حکومت وسیاست سے تعلق رکھتے ہوئے بھی غیرت ولایت کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیا ہے، جنگلوں، بیابانوں اور صحراؤں میں رہ کر دین داری کرنی مشکل ضرور ہے مگر اس سے زیادہ مشکل دنیاداروں میں رہتے ہوئے دین داری کرنی ہے، لوگوں میں رہتے ہوئے بھی آپ نے حقیقی تجرد کی جو راہ نکالی ہے وہ آج بھی اہل اللہ میں آپ کو امتیازی شان عطا کرتی ہے۔ سلطان وقت کے دسترخوان پر بیٹھ کر اس کی شرعی گرفت کرنی، بڑے بڑے امراوزراء کو خوف خداوندی اور عمل خیر کی تلقین کرنی، مسند فقر پر بیٹھ کر سلاطین وقت کا عزل ونصب، شاہی الطاف وعنایات کو ٹھکرا کر فقر وفاقہ، یہ سب ایسے امور ہیں جو رشد وہدایت کے اس درخشندہ چراغ کو ہمیشہ روشنی عطا کرتے رہیں گے۔ اور اس روشنی میں اندھیری رات کے مسافر اپنی منزلیں پاتے رہیں گے۔

آپ کے دعوتی کارنامے، سیاسی وسماجی خدمات، فقیرانہ اخلاق و اوصاف، مخلصانہ تعلیمات وارشادات ہر دور میں اہل اسلام کی ہدایت کا سامان بنتے رہیں گے۔

ایک بار پھر سے اس چراغ ہدایت کی روشنی کو عام کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ آپ کی حیات وخدمات، اوصاف وعادات، اور تعلیمات وارشادات ہم سب کے لیے مشعل راہ بنیں، اور دعوت وتبلیغ کی وہ تحریک ایک بار پھر سے برپا ہو جسے ان نفوس قدسیہ نے چھیڑا تھا، ایک بار پھر سے اس انقلاب میں روح پھونکی جائے جو اللہ والوں کے دم قدم سے برپا ہوا تھا۔

ذیل میں اسی مقصد کے تحت آپ کی حیات وخدمات کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اولاً آپ کے اوصاف وعادات، ثانیاً آپ کی دعوتی، سیاسی، اور علمی کارناموں، ثالثاً آپ کی تعلیمات وارشادات کا ذکر کروں گا، اور اخیر میں آپ کے خلفا کا اجمالی تذکرہ پیش کروں گا، امید کہ قارئین کرام اپنی دعاؤں سے نوازیں گے۔

اوصاف واخلاق:

اوصاف حسنہ اور اخلاق عالیہ ایک سچے مسلمان کی پہچان ہیں، یہی وجہ ہے کہ معلم انسانیت نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ مومنانہ اوصاف واخلاق کی بڑی تلقین فرمائی ہے، خوش اخلاقی کو ایک مومن کامل کی علامت قرار دیا ہے، انبیاے کرام اور رسولان عظام کے بعد جس مقدس جماعت نے اوصاف حمیدہ اور اخلاق عالیہ کا شان دار نمونہ پیش کیا وہ جماعت صوفیہ ہے، اس جماعت کے کردار واخلاق مشکات نبوت سے براہ راست فیض یافتہ ہوتے ہیں، ان کے اوصاف وکمالات اور اخلاق وعادات در حقیقت حاملین رسالت ونبوت کے اوصاف واخلاق کا پر تو ہوتے ہیں، ان کے قول وعمل، حرکت وسکون اور جلوت وخلوت میں اوصاف نبوت ورسالت کی تجلی جھلکتی ہے، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی ذات ستودہ صفات میں بلند اخلاقی، صبر ورضا، تواضع وقناعت، ایثار وقربانی، عفو ودرگزر، ریاضت ومجاہدہ، خدمت خلق، اور حق گوئی وبے باکی کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، ان اوصاف میں آپ اپنے مرشد گرامی حضرت محبوب الٰہی کا عکس جمیل تھے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”آپ اپنے شیخ کے مکمل پیروکار تھے، فقر وفاقہ، صبر وثبات، رضا وتسلیم، آپ کے قابل ذکر اوصاف تھے۔“ (اخبار الاخیار، ص:۱۷۶)

ذیل میں آپ کے چند نمایاں اوصاف ذکر کیے جا رہے ہیں:

ایثار وقربانی:

آپ کا ایثار مثالی تھا، چناں چہ ایک بار خواجہ گازرونی جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے، شیخ المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ کے مہمان ہوئے، ایک شب خواجہ محمد اپنا لبادہ خانقاہ میں چھوڑ کر وضو کے لیے جمنا کے کنارے گئے، واپس ہوئے تو لباس وہاں نہ پایا شور مچانے لگے، شیخ نصیر الدین خانقاہ کے کسی گوشہ میں محو عبادت تھے، جب شور وہنگامہ زیادہ ہوا تو یہ سوچ کر کہ کہیں اس بات سے شیخ المشائخ کی عبادت میں

خلل نہ پڑے اپنا لبادہ اتار کر خواجہ محمد کو پہنا دیا، شیخ المشائخ نے کشف کے ذریعہ یہ ماجرا معلوم کر لیا، دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد شیخ نصیر الدین کو اپنے پاس بلایا، اپنا خاص لباس ان کو پہنایا، خوب تعریف کی اور مسرور ہوئے۔ (سیر العارفین، ص:۱۲۷، بحوالہ محبوب الٰہی از ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ص:۳۲۱)

عفوودرگزر:

قدرت کے باوجود عفوودرگزر سے کام لینا ایک مرد کامل کی پہچان ہے، حضرت چراغ دہلوی کے اندر دیگر اوصاف کی طرح یہ وصف بھی بدرجۂ اتم موجود تھا، جیساکہ اس واقعہ سے ظاہر ہے:

سیر العارفین میں منقول ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود ایک دن ظہر کی نماز کے بعد جماعت خانے میں اپنے خاص حجرے میں تشریف رکھتے تھے، حضرت کا کوئی دربان نہ تھا، ان کے خاص خادم ان کے بھانجے شیخ زین الدین علی تھے، وہ بھی خلوت کے وقت کبھی حاضر ہوتے کبھی نہ ہوتے، خاص مشغولی کے وقت ایک ناپاک قلندر تراب نامی حضرت کی خلوت میں داخل ہوگیا، چھری اس کے پاس تھی وہ اس نے نکال لی، اور آپ کے جسم مبارک پور گیارہ کاری زخم لگائے، چناں چہ خون حجرے کی نالی سے بہنے لگا، اور آپ اس قدر استغراق میں تھے کہ نظر اٹھاکر بھی قاتل کی طرف نہیں دیکھا، تاہم نالی سے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر مریدین حجرے میں داخل ہوئے اور قلندر کو قتل کرنا چاہا، حضرت نے روک دیا۔ اس کو سونے کے ۲۰/ تنکے عنایت فرمائے اور فرمایا کہ اگر مجھے زخمی کرنے میں تیرے ہاتھ کو آزار پہنچا ہے تو معاف کر دینا، اور پھر یہاں نہ آنا، کہیں میرا کوئی عقیدت مند انتقام میں تجھے آزار نہ پہنچائے اور اسے میری خوشنودی خیال کرے۔ (مطلوب الطالبین، شیخ بلاق دہلوی، ص:۲۵۸)

آپ اپنے عقیدت مندوں کو بھی عفو وتحمل کی تلقین فرماتے تھے، ایک دن ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، چراغ دہلوی نے فرمایا: تحمل سے کام لو، اور اگر جفا

کرے تو بھی معاف کر دو، کیوں کہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔

تواضع وفروتنی:

تواضع وانکساری ہمارے بزرگوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے، سید احمد کبیر رفاعی فرماتے ہیں کہ وصول الی اللہ کے لیے میں نے ہر دروازہ کھٹکھٹایا، مگر سب پر لوگوں کا ازدحام دیکھا، باب تواضع خالی ملا، اس لیے اسی میں داخل ہو کر مجھے خدا کی معرفت حاصل ہو گئی، حضرت چراغ دہلوی کے اندر بھی یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود تھی، شیخ محقق فرماتے ہیں:

''نیز منقول ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے ارشاد فرمایا کہ میں کس لائق ہوں، جو پیری مریدی کروں، آج تو یہ کام بچوں کا کھیل سمجھا جانے لگا ہے، پھر شیخ سنائی کا یہ شعر پڑھا ع

مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی ازیں آئین بے دیناں پشیمانی پشیمانی

اے مسلمانو! شریعت پر عمل کرو، اور جو تم نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے یہ در اصل بے دینوں کا طریقہ ہے جس سے سوائے پشیمانی کے کچھ حاصل نہیں۔ (اخبار الاخیار، ص:۱۸۰، ۱۸۱)

دنیا سے بے رغبتی:

مفتاح العاشقین کی دسویں مجلس میں حضرت چراغ دہلوی فرماتے ہیں:

''راہ سلوک میں جب تک درویش محبت کے مصقلہ سے دنیاوی زنگار سے دلی آئینے کو صاف نہ کر لیں اور ذکر الٰہی سے مانوس نہ ہو جائیں، اور غیر کی ہستی کو بیچ میں سے نہ مٹا دیں وہ کبھی خدا رسیدہ نہیں ہو سکتے۔

پھر فرمایا: ''زاد المحسنین'' میں لکھا ہے کہ تمام بدیاں ایک مکان میں جمع کر کے اس کی چابی دنیاوی محبت کو بنایا ہے، اور تمام نیکیاں ایک مکان میں اکٹھی کر کے اس کی چابیاں دنیاوی ترک کو بنایا ہے۔''

ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد ترک دنیا کے طرف آپ کی رغبت بڑھتی گئی چناں

چہ سیر العارفین کے حوالے سے ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی رقم طراز ہیں:

''سات سال تک مسلسل روزے رکھے، آبادی سے دور گرد و نواح کے صحرا و بیابان میں ترک و تجرید کے عمل میں مصروف رہے، صرف دو درویشوں کی صحبت اختیار کی تاکہ نماز با جماعت قضا نہ ہو، عموماً سنبھالو (ایک قسم کا جنگلی پودا) کے پتوں سے افطار کرتے''۔ (سیر العارفین، ص:۱۲۶، بحوالہ محبوب الٰہی، ص:۳۱۸)

شیخ محقق فرماتے ہیں:

''منقول ہے کہ ایک روز شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے شیخ نظام الدین اولیا کے خاص مشیر اور راز دار امیر خسرو سے کہا کہ آپ براہ کرم خواجہ صاحب کی خدمت میں میرا یہ پیغام عرض کر دیں کہ میں اودھ میں رہتا ہوں اور لوگوں کی کثرت سے آمد و رفت کی وجہ سے عبادت الٰہی میں مزاحمت ہوتی ہے، ارشاد ہو تو اودھ کو ترک کر کے جنگل میں چلا جاؤں اور وہاں یک سوئی سے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤں، امیر خسرو کا معمول تھا کہ وہ عشا کی نماز سے فراغت کے بعد شیخ کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور دن بھر کے تمام حالات شیخ کو سنایا کرتے تھے، چناں چہ انھوں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا پیغام بھی سنایا، شیخ نے فرمایا کہ ان سے کہ دینا کہ تمھیں لوگوں کے ساتھ ہی رہنا چاہیے اور ان کی شدت و سختی برداشت کر کے اس کا بدلہ بخشش و عنایت سے دینا چاہیے۔'' (اخبار الاخیار، ص:۱۷۷، سیر الاولیا، ص:۲۴۸)

اس ہدایت کو مرید صادق نے بسر و چشم قبول کیا، چناں چہ خود ہی فرماتے ہیں:

''اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا تو مخلوق کے درمیان رہنا، جفا و قضائے خلق گوارہ کرنا تو کہاں میں اور کہاں یہ شہر، میں کسی بیابان میں روپوش رہتا۔'' (محبوب الٰہی، ص:۳۲۳)

حق گوئی و بے باکی:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بغیر حق گوئی و بے باکی کے ممکن ہی نہیں

ہے، یہی وجہ ہے کہ دین حق کے داعیوں کے اندر یہ وصف ضرور پایا جاتا ہے، پھر اہل اللہ کو اللہ کے سوا کسی کا خوف بھی تو نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے صواب پر تعریف، اور خطا پر تنبیہ کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے، بڑے بڑے ظالموں کا ظلم، اور جابروں کا جبر ان کو حق گوئی و بے باکی سے نہیں روک سکتا ہے؛ کیوں کہ

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت چراغ دہلوی جب مسند رشد وہدایت پر بیٹھے، اس وقت دہلی پر سلطان محمد تغلق کی حکومت تھی جو ایک متشدد اور ظالم وجابر حکمراں تھا، اس کے بے جا تشدد کا دائرہ کار بڑھتے بڑھتے اہل اللہ کی خانقاہوں تک بھی پہنچ گیا، اسے یہ فکر ہوئی کہ یہ بوریہ نشین اس کی حکومت کے لیے خطرہ نہ بن جائیں، اسی لیے اس نے علما و مشائخ کی توہین و تحقیر کا شیوہ اختیار کیا، تاکہ اس کے ذریعہ ان کی سماجی حیثیت مجروح کر کے لوگوں کے دلوں سے ان کی عقیدت نکال دی جائے، اس وقت علما و مشائخ کے سرخیل چوں کہ حضرت چراغ دہلوی ہی تھے اسی لیے سب سے زیادہ عتاب شاہی کا شکار بھی آپ ہی ہوئے، چناں چہ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے:

”سلطان محمد تغلق بادشاہ ہوا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مشائخ اور عالموں کی اپنی نجی خدمتیں سپرد کرتا، اور یہ دلیل لاتا کہ خلفاے راشدین سواے اہل علم اور اہل صلاح کے کسی کو کوئی خدمت سپرد نہ کرتے تھے، سب سے بڑا وار اس نے سلطان المشائخ کے جانشین حضرت چراغ دہلوی پر کیا، انھیں اپنی جامہ دار اور کپڑے پہنانے کی خدمت پر مقرر کیا، انھوں نے انکار کیا تو ان کو جیل خانہ میں ڈال دیا۔ (سفر نامہ، ق:۴، ص:۱۱، بحوالہ محبوب الٰہی، ص:۳۲۶)

ایسے وقت میں کسی بھی انسان کے سامنے دو راستے ہوتے ہیں ایک راہ عزیمت، دوسرا راہ رخصت، حضرت نے اولاً تو عزیمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شدت

کے ساتھ سلطان کی زیادتی پر احتجاج کیا، مگر بعد میں مرشد کے حکم کے مطابق اس کی چیرہ دستیوں پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا، لیکن وقت آنے پر حق گوئی اور بے باکی کی تاریخ بھی رقم کی، چناں چہ ایک بار سلطان محمد تغلق نے آپ سے کہا کہ شیخ مجھے کوئی نصیحت کیجیے جس پر میں عمل کروں، شیخ نے فرمایا:

"یہ درندوں جیسا عنصر جو تمھاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے اس کو چھوڑ دو۔" (محبوب الٰہی، ص:۳۲۶)

بارہا سلطان نے آپ کو ذلیل کرنے کی سازش کی مگر ناکام رہا، آپ نے اپنی تدبیر اور حکمت عملی سے اس کی ہر نامناسب حرکت کا جواب دیا، کئی بار تو ایسا ہوا کہ اس کے وار کو خود اسی پر الٹ دیا، اور اپنی دانائی سے اس کی ہر ناپاک کوشش کا منہ توڑ جواب دیا، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ شیخ محقق نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک بار سلطان نے سونے چاندی کے برتنوں میں آپ کے پاس کھانا بھجوایا، مقصد یہ تھا کہ اگر برتن میں کھالیں گے تو خلاف شرع کام کرنے پر ان سے مواخذہ ہوگا، اور نہیں کھائیں گے تو سلطانی عتاب کا شکار بنانے کا موقع مل جائے گا، مگر آپ فراست مومنانہ سے اس کی اس چال کو بھانپ گئے، اور جب کھانا پیش کیا گیا تو سونے کی پیالی سے تھوڑا سا کھانا نکال کر ہتھیلی پر رکھا، اور اسے چکھ کر باقی کھانا واپس کر دیا، اس طرح بد اندیشوں کو آپ کے خلاف کچھ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ (اخبار الاخیار، ص:۱۷۸)

اسی طرح سے سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد جب اس کے بھائی فیروز شاہ کی تخت نشینی کی بات آئی تو آپ نے اس کو پیغام بھجوایا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق خدا کے ساتھ عدل وانصاف کریں گے، ورنہ ان بے کس بندوں کے لیے دوسرا فرماں روا طلب کیا جائے، اس نے جواب میں عدل وانصاف کا وعدہ کیا تب آپ کی تحریک وایما پر فیروز شاہ کو سلطان منتخب کیا گیا۔ (فیروز شاہی، ص:۵۳۵، بحوالہ محبوب الٰہی، ص:۳۲۷)

شریعت وطریقت کا مجمع البحرین:

تصوف ایک عمارت کے مانند ہے جس کی بنیاد دو چیزیں ہیں، شریعت اور

طریقت، شریعت بغیر طریقت کے اور طریقت بغیر شریعت کے کامل نہیں، حضرت چراغ دہلوی شریعت وطریقت دونوں کے بحر ذخار تھے، ایک جگہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

حقیقی مرید کی شرط یہ ہے کہ تین غسل ہر وقت کرتا رہے تاکہ حقیقی مرید کہلانے کا مستحق ہو سکے۔ اول شریعت کا غسل، دوسرا طریقت کا، تیسرا حقیقت کا۔ شریعت کا غسل یہ ہے کہ اپنے بدن کو جنابت وغیرہ سے پاک کرے، طریقت کا غسل یہ ہے کہ تجرد اختیار کرے اور حقیقت کا غسل یہ ہے کہ باطنی توبہ کرے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس سوم، ص: ۴۰۳)

آپ ہمیشہ طریقت کے ساتھ شریعت پر کاربند رہے، چناں چہ حالت سکر میں بھی شریعت کا دامن نہیں چھوٹتا تھا، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا، جو تہجد کے وقت تک قائم رہا، لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے۔

پچیس سال کی عمر میں جب آپ نے ترک وتجرید اختیار فرمائی، اور محاسبۂ نفس میں مشغول ہوئے، گرد ونواح کے جنگل وبیابان میں ایک درویش کے ہم راہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس صحرا نوردی میں بھی نماز جماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہ ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے۔ (سیر العارفین، ۲/۴۰)

غیرت وخودداری:

ایک مومن کامل اور مرد درویش کی شان یہ ہوتی ہے کہ جان چلی جائے مگر غیرت نفس اور خودداری نہ جانے پائے، فقر وفاقہ برداشت ہوتا ہے مگر کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا برداشت نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ جو سر خدا کے سامنے جھکتا ہے وہ بھلا شکم پروری کے لیے غیر کے سامنے جھکنا کب گوارا کرے گا، جو ہاتھ صرف بارگاہ خدا میں اٹھتا ہے بھلا وہ غیروں کے سامنے کیوں کر دراز ہوگا، حضرت چراغ دہلوی بھی انھیں خوددار اور غیرت منداولیاے کرام میں سے تھے جنھوں نے بھوک پیاس، اور تنگ دستی اور تنگ حالی کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیل لیا مگر شاہ وقت اور امرا ووزرا سے خوش گوار تعلقات ہونے کے باوجود ان کے سامنے کبھی دست سوال دراز نہیں کیا۔

خیر المجالس میں ہے:

’’جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گزرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چند دن متواتر چولھا نہ سلگتا، میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سروسامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لیے میرا خیال چھوڑ دیا، اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا تو کھاروئے کا لباس پہن لیتا، جامہ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا۔‘‘

اپنے مریدوں کو بھی خود داری، اور قناعت و توکل کی تعلیم دیتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ایک درویش کو چاہیے کہ اگر اس پر فاقہ گزرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سرخ کرے کہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ سے مطلع نہ ہو۔

مہمان نوازی:

مہمان نوازی انبیاے کرام اور رسولان عظام کی مبارک سنت ہے، شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ آقاے دو جہاں علیہ السلام نے اپنے قول و عمل سے اس کی ترغیب دی ہے، صوفیاے کرام کے یہاں اس کا بڑا رواج رہا ہے، حضرت محبوب الٰہی کا دستر خوان ہمیشہ مہمانوں سے بھرا رہتا تھا، آپ کا لنگر ہمیشہ جاری رہتا تھا، آپ کے بعد حضرت چراغ دہلوی نے آپ کی نیابت کرتے ہوئے اس سلسلے کو جاری رکھا، مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ چناں چہ فارغ البالی کے زمانے میں مہمان اور مریدوں کے لیے دستر خوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے، خود تو صائم ہوتے لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی

مہمان کی خاطر افطار کر لیتے، ایک بار دستر خوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقعے پر پیش کیے، حاضرین میں سے ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نے ان کی خاطر افطار کر لیا۔ اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی۔

اسی طرح سے آپ کی مہمان نوازی کا یہ واقعہ بھی قابل دید ہے:

''ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلوی نے اس کو اپنا پیرہن عطا کیا اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا آج میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھ کو پیراہن پہناتا ہے اور کہتا ہے یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اسی موقع پر چراغ دہلوی نے مریدوں کو مہمان نوازی کی تلقین کی، اور فرمایا مہمانوں کی تعظیم و تکریم سے ان کے دلوں میں یگانگت پیدا ہوتی ہے۔ (خیر المجالس مجلس سی و ہفتم فارسی، ص:۱۲۵)

محبت شیخ: ایک مرید صادق کی ارادت اسی وقت کامل ہوتی ہے جب اس کے دل میں اپنے پیرو مرشد کی عقیدت و محبت کامل طور سے پائی جائے، حضرت چراغ دہلوی خود ہی فرماتے ہیں:

''مرید صادق اسے کہتے ہیں جسے جو کچھ پیر حکم کرے بجالائے، اور جو کچھ اسے دکھائے وہی دیکھے اور ہر وقت پیر کو حاضر و ناظر سمجھے، جو کچھ اس کے دل میں نیک یا بد خیالات گزریں ان کا اظہار اپنے پیر سے کرے، تاکہ پیر اس کی تربیت کر سکے، اگر مرید کے دل میں ذرہ بھر بھی خیال پیر کے بر خلاف ہو تو وہ صادق مرید نہیں کہلا سکتا۔'' (مفتاح العاشقین، ص:۳، مجلس اول)

حضرت چراغ دہلوی کو اپنے مرشد برحق حضرت محبوب الٰہی سے عشق کی حد تک لگاو تھا، چناں چہ ایک بار حضرت محبوب الٰہی نے ایک خاص موقع پر آپ سے پوچھا کہ تمھارے دل میں کیا خواہش ہے، تو آپ نے عرض کیا کہ میری خواہش یہ ہے کہ میں جنگل میں جاکر آپ کی درازی عمر کی دعا کروں۔ (مراۃ الاسرار، ص:۸۵۹، ادبی دنیا، مٹیا محل، دہلی)

شیخ محمد بلاق دہلوی لکھتے ہیں:

”ظاہر و باطن میں سلطان المشائخ کی پیروی کے سوا آپ کے دل میں کوئی خیال پیدا نہ ہوتا تھا۔“ (مطلوب الطالبین، ص:۲۵۸)

حضرت چراغ دہلوی کو اپنے پیرو مرشد سے اس قدر عقیدت تھی کہ جب مرشد کی زیارت نہیں ہوتی تو بڑی تکلیف محسوس فرماتے چناں چہ ایک بار اودھ سے دہلی حاضر ہوئے، مگر احباب کی دعوت وضیافت کے ناتے نوروز تک زیارت نہ ہوئی، آخر ایک دن اپنی اس تکلیف کا اظہار ایک خادم کے ذریعہ شیخ کی بارگاہ میں کر ہی دیا، شیخ نے آپ کو بلا کر ماجرا معلوم کیا تو آپ نے عرض کیا غلام اودھ سے اس اشتیاق میں آتا ہے کہ چند روز آپ کے زیر قدم رہ کر آپ کی زیارت کرے مگر یہاں کثرت دعوت کے ناتے زیارت کی فرصت نہیں مل پاتی ہے، حضرت نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے اسے لوٹا دو اور کہہ دو کہ یاران شہر کی دعوت کریں اور ان کو معذور رکھیں۔ (خیر المجالس فارسی، مجلس پنجاہ و پنجم، ص:۱۸۷)

یہ محبت یک طرفہ نہیں تھی بلکہ مرشد برحق بھی اپنے اس مرید پر بڑی شفقت فرماتے تھے، چناں چہ ایک بار آپ نے تقلیل طعام کرنے کی نیت کی، کسی کے ذریعہ شیخ کو خبر پہنچی تو آپ کے پاس ایک قرص قریب دو سیر کا بھجوایا اور ساتھ ہی بہت سا حلوہ بھی، آپ فرماتے ہیں کہ جب وہ قرص مجھے ملا تو میں حیران ہو گیا کہ اتنا زیادہ میں کیسے کھاؤں گا، یہ تو بیس دن کی غذا ہے، مگر آدھی رات کے بعد نماز تہجد پڑھ کر اسے کھانا شروع کیا تو ولایت شیخ کی برکت سے صبح تک سب کھا لیا اور کوئی زحمت نہیں ہوئی۔

خدمت خلق:

ابتدا میں آپ نے تجرد کی راہ اپنانی چاہی، اور اس کے لیے مرشد سے اجازت لی مگر آپ نے خلق خدا کے ساتھ ہی رہنے کی تلقین فرمائی، تبھی سے مخلوق کے درمیان رہ کر ان کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا، لوگوں کی دل جوئی کے لیے ان کی دعوت میں

شریک ہوتے، ان کے سکھ دکھ میں شریک رہتے، کوئی مصیبت آتی توان کے ساتھ ان کا مقابلہ فرماتے، ابھی میں نے ذکر کیا تھا، بادشاہ محمد تغلق کی موت کے بعد جب اس کے بھائی فیروز شاہ کی تخت نشینی کی بات آئی تو آپ نے خلق خدا کے ساتھ عدل وانصاف ہی کی شرط پراس کو سلطان منتخب کیا۔

اسی طرح سے شیخ محمد بلاق دہلوی مراد المریدین کے حوالے سے ایک واقعہ لکھتے ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو خلق خدا کے ساتھ کس قدر ہم دردی تھی، چناں چہ تحریر فرماتے ہیں:

"ایک مرتبہ سلطان المشائخ کے عرس کی رات بادشاہ وقت نے حسد کی بنا پر بازار میں تیل کی فروخت پر پابندی عائد کردی، شیخ نصیر الدین نے اس شب تیل کے بجائے پانی سے چراغاں کیا۔" (مطلوب الطالبین، ص:۲۵۷)

کارہائے نمایاں:

آپ کی حیات طیبہ عظیم کارناموں سے سجی ہوئی ہے، کتاب زندگی کا ہر ورق آپ کے نمایاں کارناموں سے پر ہے، آپ کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ خلق خدا کے ساتھ رہتے ہوئے شریعت وطریقت کو زندہ رکھا اور دین ودنیا میں اس طرح تطبیق دی کہ دنیا اس میں ڈھلتی ہوئی نظر آتی ہے، مادیت بھی روحانیت کے قالب میں سمٹتی ہوئی نظر آتی ہے، یہی اصل دین ہے، دین نہ تو رہبانیت کا نام ہے نہ خالص مادہ پرستی کا، بلکہ دونوں کے درمیان دین کی راہ نکلتی ہے، آپ نے اپنی زندگی سے یہی سبق پیش فرمایا ہے، اور یہی آپ کی زندگی کا سب سے عظیم کارنامہ بھی ہے۔

ذیل میں آپ کے چند کارناموں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں:

دعوتی کارنامے:

قرآنی ارشاد کے مطابق امت مسلمہ کی بعثت کا مقصد اصلی دعوت وتبلیغ ہی ہے، ارشاد ربانی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ.

یہ انبیاے کرام اور رسولان عظام کا مبارک عمل ہے، اسی لیے اس عظیم کام کے لیے بارگاہ الٰہی سے انھیں شخصیات کا انتخاب ہوتا ہے جو نبوت ورسالت کے معجزات وکمالات کا مظہر ہوتے ہیں اور جن کے اوپر اس مقدس جماعت کا خصوصی فیض ہوتا ہے۔

صوفیاے کرام نے اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر دین کی ترویج واشاعت کا جو فریضہ انجام دیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے، تاریخ دعوت وعزیمت ان مقدس ہستیوں کی دعوتی خدمات سے معمور ہے، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی حیات طیبہ بھی دعوتی وتبلیغی خدمات کے لیے وقف تھی، آپ نے اپنے اثرورسوخ اور روحانی تصرف کے ذریعہ ہر طبقہ کے لوگوں کو دین کی دعوت دی، سلاطین سے لے کر عام رعایا تک ہر کسی کو پیغام رسالت سنا کر مومن کامل بننے کی ترغیب دی، آپ کی مساعی جمیلہ سے نہ جانے کتنے لوگوں کے دلوں میں ایمان وایقان کے چراغ روشن ہوئے، اور نہ جانے کتنے گم گشتگان راہ کو اپنی منزل ملی۔

اس تعلق سے چند شواہد حاضر خدمت ہیں:

ایک سید صاحب جو اس وقت جوہری بازار دہلی کے داروغہ تھے آپ سے بیعت کے لیے آئے تو آپ نے ان کو دوگانہ نماز پڑھوائی، اور ان کو کار خیر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ”ہر بات میں پیغمبر ﷺ کی مطابعت کرنی چاہیے، اور تمھارے لیے ضروری ہے کہ تم آل رسول سے ہو، رسول کی متابعت دو چیزوں میں ہے، جو کچھ خدا اور رسول نے کہا اس کو کرنا، اور جس سے خدا اور رسول نے منع کیا اس سے بچنا۔“

آپ اپنے مریدین کو بھی اعمال صالحہ کی دعوت دیتے رہتے تھے، چناں چہ ایک دفعہ ایک خاتون آپ سے مرید ہونے آئیں، آپ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہیں، اور ایام بیض کے روزے رکھیں، غلام اور لونڈی کو نہ ستائیں، مار پیٹ نہ کریں، اپنے اور بیگانوں سے اخلاص سے ملتی رہیں۔

مہمانوں کو کھانا کھلاتے وقت بھی پند ونصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار

دستر خوان پر عمدہ پلاو تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاو برتنوں میں ڈالتے جاتے اور تاکید فرماتے یارو! خوب کھاؤ، جب لوگ کھا چکے تو فرمایا: طعام حلال وطیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالی دیکھتا ہے، خدا واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی وہ طاعت وعبادت میں صرف ہوگی تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا۔

آپ اپنی مجلسوں میں عبادات بالخصوص نماز کی بڑی تلقین فرماتے، چناں چہ تارک نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرمائے، نہ صرف نماز بلکہ نماز باجماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے، خود بھی تمام عمر نماز باجماعت کے پابند رہے۔

اس دور کے شاہی ملازمین کی اصلاح و تربیت بڑا مشکل کام تھا، لیکن آپ نے حق گوئی و بے باکی کے ساتھ ان تک دعوت دین پہنچائی، اور ان کے ارشاد و ہدایت میں نہ کسی کے طعن و تشنیع کی پروا کی نہ شاہی عتاب کی فکر کی، شاہی ملازمین کے ہر طبقہ کو دعوت خیر دی، چناں چہ خیر المجالس، مجلس ہفتاد و ہشتم فارسی، ص: ۲۴۲ میں ہے:

ایک سید مرید ہونے آئے وہ شاہی اہل قلم کے زمرہ میں شامل تھے، حضرت نے ان کو مرید کر کے فرمایا نماز باجماعت پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزے رکھو... دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے، تم یہ خیال کر لو کہ تمھارے پائے گاہ کے گھوڑے، تمھارے خدمت گار، تمھارے دینار و درم یہ ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی، پھر چھوٹنے والی چیزوں کی فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے، فکر اور غم اس چیز کے لیے کرنا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہے گی۔

اسی طرح سے ایک بار ایک لشکری خدمت میں آیا تو آپ نے اس سے فرمایا:

”اگر طلب دنیا میں نیت اچھی ہو تو فی الحقیقت طلب آخرت ہے۔“

علمی کارنامے:

حضرت چراغ دہلوی چوں کہ خود بھی ایک جید عالم دین تھے، اس لیے علم دوستی آپ کی رگ رگ میں بسی تھی، باطنی علوم سے پہلے آپ نے ظاہری علوم حاصل کیے اور ہر طرح کا دینی علم حاصل کیا۔

صاحب مرآۃ الاسرار آپ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"آپ شان بزرگ، علم اور احوال مستور رکھتے تھے"۔ (ص:۸۵۸، ادبی دنیا، دہلی)

آپ کے تبحر علمی ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے مریدین اور معتقدین میں تمام بندگان دین اور اس وقت کے عالم وفاضل شریک تھے۔ (اخبار الاخیار، ص:۱۸۷)

آپ نے خود بھی اشاعت علم کا فریضہ انجام دیا، اور اسی جذبہ کو اپنے مریدین کے اندر بھی پروان چڑھایا، آپ کے عقیدت مندوں میں مولانا احمد تھانیسری، مولانا خواجگی اور قاضی عبد المقتدر جیسے علمائے کرام شامل تھے جنھوں نے علمی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا، قاضی عبد المقتدر کے بارے میں شیخ محقق نے لکھا ہے کہ آپ شیخ نصیر الدین کے خلفا میں سے تھے۔

آپ اپنے چاہنے والوں کو تعلیم وتربیت بھی دیتے تھے، چناں چہ ایک بار ایک عالم صاحب آپ سے ملنے آئے، آپ نے ان سے پوچھا کیا شغل رکھتے ہو، انھوں نے کہا کہ لڑکوں کو پڑھاتا ہوں، فرمایا عمدہ کام ہے، مطالعۂ کتب میں مشغول رہنا اور دوسروں کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے لیکن جو دوسروں کو قرآن مجید پڑھائے اس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے۔

اس طرح سے شیخ محقق رقم طراز ہیں:

"شیخ نصیر الدین اپنے مریدوں سے اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ علم میں مشغول رہ کر شریعت کی حفاظت کرتے رہو، قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہزار رکعت عبادت جس میں ریاکاری اور مکاری شامل ہو ان پر افضلیت اس لمحہ کو ہے جس میں کسی مسئلہ پر غور وفکر کیا جائے۔" (اخبار الاخیار، ص:۳۶۶)

سیاسی کارنامے:

حضرت چراغ دہلوی نے اپنے عہد کی سیاست میں بڑا کردار ادا کیا ہے، آپ کا سب سے عظیم سیاسی کارنامہ یہ ہے کہ سلطان محمد تغلق کی موت کے بعد آپ ہی کی تحریک وایما پر دہلی کے تخت پر سلطان فیروز شاہ جیسا عادل اور عوام دوست بادشاہ بیٹھا، جس کے عدل وانصاف، علم دوستی، اور دینی جذبے کی مثال دی جاتی ہے، اس کارنامے کا ذکر آپ کی سیرت وسوانح کی اکثر کتابوں میں موجود ہے، تاریخ فیروز شاہی میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے۔

تعلیمات وارشادات:

آپ کی پوری زندگی بندگان خدا کی تعلیم وتربیت اور ان کی ارشاد واصلاح میں گزری، آپ کے شب وروز، آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ بس مخلوق خدا کی رہ نمائی میں گزرتا، آپ اس باب میں اپنے مرشد کامل کے مکمل آئینہ دار تھے، آپ کے بعض اقوال وارشادات حاضر خدمت ہیں:

حفاظت نفس: آپ نے فرمایا کہ محافظت نفس کے لیے مخالفت نفس ضروری ہے، چناں چہ ایک موقع پر فرمایا:

صحت نفس وقوت یک روزہ

بہتر از تاج وتخت فیروزہ

(خیر المجالس، مجلس سی ونہم، ص:۱۳۲)

محبت الٰہی: فرمایا کہ جسے اللہ سے محبت ہے اسے غیر کی محبت سے کیا واسطہ، اس واسطے کہ جس دل میں اللہ کی محبت رہتی ہے اس میں غیر کی محبت نہیں رہتی ہے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۷، ص:۱۷)

تلاوت قرآن: فرمایا کہ قرآن شریف کی تلاوت کرنا تمام عبادتوں سے افضل اور بہتر ہے، دنیا وآخرت اور جو کچھ بھی ان میں ہے سب سے بہتر تلاوت قرآن ہے، جب

صورت یہ ہے تو انسان کو ایسی نعمت سے غافل نہیں رہنا چاہیے اور اپنے تئیں محروم نہیں رکھنا چاہیے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۷، ص:۱۷)

ذکرِ الٰہی: فرمایا کہ انسان کو سانس لیتے وقت اور باہر نکالتے وقت ذاکر رہنا چاہیے تاکہ اس دائمی ذکر سے دل کی اصلاح ہو، جب کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

لکل شی مصقلة و مصقلة القلب ذکر الله تعالی.

سو دل کو صاف کرنے والی چیز ذکر الٰہی ہے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۴، ص:۱۵)

توبہ: فرمایا کہ سب سے عمدہ اور افضل توبہ اس وقت سمجھی جاتی ہے جب کہ توبہ کرنے والا جس کام سے توبہ کرے پھر اس کے گرد نہ بھٹکے، اگر اس قسم کی توبہ نہ کرے تو وہ توبہ نہیں، توبہ اس وقت درست ہوتی ہے کہ تائب اگر مٹی کو چھوئے تو سونا ہو جائے، توبہ وہی اچھی ہے جو موت سے پہلے کی جائے، انسان کو چاہیے کہ آج کو غنیمت سمجھے، واللہ اعلم کل اس قدر فرصت ملے یا نہ ملے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۲، ص:۵،۶)

حقیقی پیر و مرید: فرمایا کہ راہ سلوک میں پیر اسے کہتے ہیں جسے مرید کے باطن پر تصرف حاصل ہو، اور ہر لحظہ مرید کی ظاہری اور باطنی مشکلات کو معلوم کر کے حل کر سکے، اور اس کے آئینہ باطن کو صاف کر سکے، اگر یہ کام کرنے کی قابلیت اس میں ہے تو پھر وہ پیر طریقت کہلانے کا مستحق ہے ورنہ ہیچ ہے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۱، ص:۳)

حقیقی مرید کی شرط یہ ہے کہ جو کچھ پیر فرمائے اس پر فوراً یقین کرے، اور کسی قسم کا شک دل میں نہ لائے، کیوں کہ پیر مرید کے لیے بمنزلہ مشاطہ ہے، جو کچھ وہ کہتا ہے مرید کی کمالیت کے لیے کہتا ہے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۱، ص:۴)

بھوکوں کو کھانا کھلانا: فرمایا کہ بھوکوں کو کھانا کھلانا، ہر ایک مذہب میں پسندیدہ ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں کہ بھوکوں کو سیر کیا جائے، اور انھیں آرام دے کر ان کے دل راضی کیے جائیں۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۹، ص:۲۹)

مزید فرمایا کہ کوئی چیز افضل اور بڑھ کر اس سے نہیں کہ کسی دل کو راحت پہنچائی

جائے، اور یہ سب عبادتوں سے افضل ہے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۹، ص:۳۰)

راحت درویش کے گھر میں ہے: فرمایا کہ اہل دنیا کے گھر میں کسی قسم کی راحت نہیں، اگر راحت ہے تو درویش کے گھر میں ہے، کیوں کہ اہل دنیا پر اللہ کی ناراضگی ہے، "زاد المحسنین" میں لکھا ہے کہ تمام بدیاں ایک مکان میں جمع کرکے اس کی چابی دنیاوی محبت کو بنایا ہے اور تمام نیکیاں ایک مکان میں اکٹھی کرکے اس کی چابیاں دنیاوی ترک کو بنایا گیا ہے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۱۵، ص:۳۱)

حقیقی درویش: فرمایا کہ راہ سلوک میں درویش وہی کہلاتا ہے کہ جس کے دل میں یاد حق کے سوا اور کوئی خیال نہ آئے، اور نہ کسی چیز میں مشغول ہووے، اور نہ ہی اہل دنیا سے میل جول رکھے۔ (مفتاح العاشقین، مجلس ۱۵، ص:۳۱)

وقت کی اہمیت: فرمایا کہ جب کوئی سالک اپنے اوقات میں مسلسل دائم قائم رہتا ہے اور اوقات مقررہ کو عبادات میں صرف کرتا ہے اور ہمیشہ اسی پر گام زن رہتا ہے تو امید ہے کہ وہ صاحب کمال ہو جائے گا۔ (اخبار الاخیار، ص:۱۸۲)

شمس الواصلین، صاحب ولایت

خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: تخمیناً ۵۹۶ھ ــــــــــــ وفات: ۷۱۵ھ

مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی

استاد الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

زیر نظر مضمون سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی ایک قدیم اور معتبر کتاب ”حقیقت گلزار صابری“ (مولفہ مخدوم شاہ حسن چشتی صابری) کے ایک باب کی عمدہ اور نفیس تلخیص وتسہیل ہے۔

نام ونسب: شمس الائمۃ قلوان بن سید ابوالفتح محمد بن سید احمد بن سید ناصر الدین بن سید حامد بن سید محمود بن سید عبد اللہ بن سید محمد احمد بن سید مقبول اللہ بن سید علی الاشقر بن سید علی بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زید العابدین بن امام حسین سید الشہدا ابن حضرت علی مرتضی زوج فاطمہ زہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

صابر پاک کی بارگاہ میں حاضری:

۶۲/ برس کی عمر میں آپ اپنے وطن مالوف شہر طراز (جو ولایت ترکستان میں واقع ہے) کو خیرباد کہہ کر اپنے اکیس ہم نشین فضلا کے ہم راہ ۱۱/ ذی الحجہ ۶۵۸ھ بروز سہ شنبہ عشا کے وقت پاک پٹن حاضر ہوئے اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالی

علیہ سے درخواست کی کہ ہم سب کو اپنے سلسلے میں داخل فرمالیں، بابا فرید الدین نے ارشاد فرمایا کہ اب فقیر کے پاس تمھارا کوئی حصہ نہیں ہے، تم پر لازم ہے کہ میرے علاء الدین علی احمد صابر کے پاس جاؤ، اگر خدا چاہے گا اور ان کے پاس جس کسی کا حصہ ہوگا اس کو دے دیں گے۔ یہ سن کر سبھی نے وہاں رات گزاری اور بارہویں ذی الحجہ کی صبح کلیر شریف کے لیے روانہ ہوئے، ستائیسویں روز ۹/ محرم الحرام ۶۵۹ھ بروز سہ شنبہ نماز ظہر کے قریب زمین سوختہ پر پہنچے۔ جمال الدین ابدال مہمان نوازی کی خدمت بجا لائے، ان حضرات نے جمال الدین ابدال سے متحیر ہو کر دریافت کیا کہ ہم نے راستے میں سنا ہے کہ بادشاہ دو جہاں مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کے حضور کوئی انسان نہیں جاسکتا، ہمیں قدم بوسی کا شرف کیسے ملے گا؟

جمال الدین ابدال نے تسلی دی اور کہا ذرا آرام کر لو، ابھی علیم اللہ ابدال آنے والے ہیں، یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ علیم اللہ ابدال آپہنچے اور سب کو اپنے ہم راہ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کے نام مبارک کا ورد کراتے ہوئے لے چلے۔ نماز عصر کے وقت حضرت صابر پاک کے پس پشت پہنچ کر کھڑے ہو گئے اور دیکھا کہ حضرت صابر پاک الٹے ہاتھ سے گولر کے درخت کی شاخ پکڑے ہوئے سیدھے ہاتھ کی مٹھی بند اور انگشت شہادت قلب کے برابر کیے ہوئے اور نگاہ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے تشریف رکھتے ہیں۔ جسم مبارک پر قہر و جلال کی ہیبت اس قدر پر تو فگن ہے کہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی تاب نہیں۔

بائیس دن تک یہی حال رہا ہر چند علیم اللہ ابدال نے ان حضرات کو اطلاع کرنے کی کوشش کی لیکن اطلاع نہ کر سکے، بائیس روز تک قہر کی آگ سرد نہ ہوئی حضرت مخدوم صابر پاک اس طرح کھڑے رہے کہ جنبش بھی نہیں کرتے تھے۔ اس عرصے میں خواجہ شمس الدین ترک کے تمام ساتھی واپس ہو گئے، ان کے سوا کوئی وہاں نہ رہا۔ خواجہ شمس فرماتے ہیں:

چوں کہ میں حضرت مخدوم علاء الدین صابر پاک کو ہر وقت دیکھتا رہتا تھا اس

لیے مجھ کو کھانے پینے کی بالکل خواہش نہ ہوئی اور نہ نیند کا غلبہ ہوا۔

تیئیسویں روز ۲؍ صفر ۶۵۹ھ بروز پنج شنبہ نماز صبح کے وقت حضرت صابر پاک علیہ الرحمہ کی استغراقی کیفیت ختم ہوئی اور دریافت فرمایا: شمس الدین! تجھ کو بابا فرید صاحب نے بھیجا ہے؟ خواجہ شمس الدین نے عرض کی حضور انور کو خود علم ہے، میں کیا عرض کروں۔ صابر پاک نے ارشاد فرمایا: خدا کا شمس آسمان پر ہے اور فقیر کا شمس زمین پر۔

اور اسی وقت خاندان حنفیہ علویہ میں بیعت وارشاد سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا:

شمس الدین تین روز یہاں رہ کر حضرت بابا فرید صاحب کے پاس جا اور تعلیم ظاہری سے مستفیض ہو اور بخوبی تمام بابا صاحب کی خدمت کر۔ جب بابا صاحب اس عالم سے کوچ کر جائیں تو تمامی اسناد خلافت، تبرکات، ملبوسات، مکتوبات وغیرہ شب و روز کے اوراد و وظائف حاصل کر کے میرے پاس حاضر ہونا۔ حضرت بابا صاحب کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ علیم اللہ ابدال ہر روز کی خبریں تیرے پاس پہنچایا کرے گا۔

اتنا فرمانے کے بعد مخدوم صابر پاک کو پھر استغراق ہو گیا۔ ۳؍ صفر ۶۵۹ھ بروز جمعہ نماز مغرب کے وقت ارشاد فرمایا: شمس الدین یہاں آؤ۔ آپ حکم پا کر پشت کے پیچھے سے داہنی جانب حاضر ہوئے، اس وقت مخدوم صابر پاک نے آپ کو خاندان چشتیہ عالیہ میں بیعت وارشاد سے سرفراز کیا اور ارشاد فرمایا:

شمس الدین واپس آنے تک اسی کیفیت باطن کی ترقی میں مشغول رہنا اور مرتبہ روح سے سلاسل ولایت روح جذبیہ کی باطنی کیفیت کی تعلیم ہوتی رہے گی۔ تم سلوک کی تعلیم بابا صاحب سے حاصل کرو۔

آپ مخدوم صابر پاک کے ارشاد کے مطابق تین روز تک ان کے حضور حاضر رہے، چوتھے روز ۵؍ صفر المظفر ۶۵۹ھ یک شنبہ کو بعد نماز فجر پاک پٹن روانہ ہوئے۔ آپ کا بیان ہے کہ ”میرے سامنے کسی روز قہر کی آگ شرر افشاں نہ ہوئی، جب کہ جمال الدین ابدال سے رخصت ہو کر ایک منزل پر پہنچ گیا تھا۔

دوسرے دن مخدوم صابر پاک نے علیم اللہ ابدال کی معرفت حکم بھیجا کہ شمس الدین سے جلد جاکر کہہ دو کہ اسم اعظم چشتیہ کا ورد کرتا ہوا چلا جائے، تین روز میں جناب بابا صاحب کی خدمت فیض درجت میں پہنچ جائے گا اور علیم اللہ ابدال کی زبانی سنا کہ بارہ کوس کی زمین سوختہ کی حد سے جب میں باہر نکل آیا تو بدستور سابق قہر کی آتش مشتعل ہونے لگی، یہ حکم پہنچا کر علیم اللہ ابدال واپس ہو گئے۔

تیسرے روز ۸ر صفر بروز چہار شنبہ مغرب کے وقت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے۔ بابا صاحب نے فرمایا: شمس الدین تم کیوں میرے مخدوم کے کے پاس سے چلے آئے؟

آپ نے عرض کی: حکم کے مطابق قدم بوسی میں حاضر ہوا ہوں، اب جیسا حکم ہو بجالاؤں۔

بابا فرید صاحب نے ارشاد فرمایا: ہمارے پاس خدمت میں رہا کرو، دن کو جنگل سے لکڑیاں لایا کرو اور اس کو فروخت کر کے خورد و نوش کیا کرو، اس وقت جو حضرات یہاں موجود ہیں اسی طرح اوقات گزارا کرتے ہیں، دن کو ریاضت شب کو اللہ اللہ، کسی روز لکڑیاں بھی میسر نہیں ہوتیں تو فاقہ ہو جایا کرتا ہے۔

اس کے بعد مکمل چار سال تک آپ نے اسی طرح حضرت بابا فرید کی خدمت کی اور علیم اللہ ابدال کی زبانی مخدوم صابر پاک کے حالات واحکام سے واقف ہوتے رہے، اس چار سال کی مدت میں بدستور بارہ کوس کی زمین سوختہ میں قہر کی آگ سوزاں رہی اور آپ سلاسل ولایت روح جذبیہ کی باطنی کیفیت کی تعلیم پاتے رہے۔

بابا فرید الدین کی وفات اور ان کے تبرکات:

۳ر محرم الحرام ۶۶۴ھ بروز شنبہ بعد نماز فجر شیخ فرید گنج شکر علیہ الرحمہ نے خواجہ شمس الدین کو اپنے پاس پاک پٹن طلب فرما کر اپنا مجموعۂ مکتوب ''سر العبودیۃ'' عنایت فرمایا جس میں باطنی کیفیات رقم تھیں اور اپنے سلاسل کے پیران عظام کے تمام مکتوبات،

ملبوسات، تبرکات، شب وروز کے اوراد و وظائف اور سرور انبیا احمد مجتبیٰ ﷺ کا خرقہ مبارک (جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے واسطے سے دست بدست شیخ فرید گنج شکر تک پہنچا تھا) بھی عطا فرمائے۔

شہزادۂ کلاں حضرت شیخ بدر الدین، اپنے برادر حقیقی شیخ نجم الدین متوکل، اپنے داماد شیخ بدر الدین اسحاق، اپنے عم زاد شیخ فضل الرحمٰن، خواجہ رکن الدین احمد سعید، حضرت شاہ ابونعیم بن صدر الدین اور دیگر عوام الناس کے سامنے اپنے شجرۂ چشتیہ کے پیران عظام کی خلافت کی سندیں اور دیگر مکتوبات عنایت کیے۔ حاضرین محفل نے حضرت خواجہ شمس الدین کو مبارک باد دی۔ شیخ کبیر فرید گنج شکر علیہ الرحمہ نے ایک مکتوب حضرت مخدوم صابر پاک کے نام تحریر فرما کر آپ کے سپرد کیا اور ارشاد فرمایا:

شمس الدین! تم اپنے مکتوب میں اس نامہ کے تعلق سے تحریر کر دینا کہ یہ نامہ اپنے سلسلے کے خلفا کے سوا کسی اور کو نہ دکھلایا جائے، نہ اس نامہ کے امور کی کسی کو اطلاع دی جائے۔

پھر ارشاد فرمایا: شمس الدین جو اولیاے ہم عصر مخدوم صابر پاک کی مزاج پرسی سے کامیاب ہو آئے ہیں وہ اس عالم سے رحلت فرمانے کے وقت اپنا مکتوب جس میں معائنہ کیے ہوئے حالات تحریر ہوں گے تیرے پاس بھیج دیں گے۔ اس امر میں ایک راز مخفی ہے، کیفیت باطن کی ولایت کے زمانے میں ان احوال کا اعلان کیا جائے گا۔ خاندان قادریہ صابریہ کا مجدد جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اولاد سے ہوگا میرے انتقال کے ساڑھے سات سو برس بعد اس اعلان کی تکمیل کرے گا اور خاندان قادریہ کے جو تبرکات علیم اللہ ابدال کے پاس امانت رکھے ہیں وہ بھی تمھارے پاس جمع ہوں گے۔

اس کے بعد حاضرین محفل سے آپ نے ارشاد فرمایا: آج ہم اس عالم سے رحلت کریں گے۔ تھوڑی دیر بعد درد سر کی شدت دم بدم بڑھتی گئی۔ جب نماز مغرب کا وقت ہوا تو آپ نے مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد استغراقی کیفیت ہوگئی، بے دار ہو کر

حاضرین سے دریافت کیا کہ میں نے نماز مغرب ادا کرلی ہے؟ حاضرین نے کہا: ہاں!۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا دیکھنا چاہیے، پھر نماز مغرب ادا فرمائی، نماز کے بعد دوبارہ استغراق ہو گیا، تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو حاضرین سے پوچھا میں نے مغرب کی نماز پڑھ لی ہے؟ حاضرین نے عرض کی حضور نے دوبار مغرب کی نماز ادا فرمائی ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا دیکھنا چاہیے اور تیسری مرتبہ مغرب کی نماز ادا کی، نماز ہی میں استغراق ہو گیا اور نماز کی اسی حالت میں پانچویں محرم الحرام ۶۶۴ھ دوشنبہ کا دن گزار کر شب سہ شنبہ عشا سے پہلے آپ اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔

حضرت خواجہ شمس الدین اپنے مکتوب "فردوس الوجوب" میں تحریر فرماتے ہیں:

جس شب حضرت بابا صاحب نے وصال فرمایا اس وقت تمام حاضرین نے ہر چند کوشش کی کہ شب کو تدفین کا سامان جمع کر رکھیں صبح کو تدفین عمل میں آجائے گی لیکن تنگی و دشواری کی وجہ سے کسی کو کچھ میسر نہ ہوا کہ سامان مہیا ہوتا، لاچار ہو کر میں نے شب کو التوا رکھا، مگر تختہ ہائے سنگ یعنی سنگ موسی کہ جن پر اوپر نیچے کلمہ طیبہ کندہ تھا موجود تھے۔ صبح کو فجر کی اذان سے پہلے ہم سایے کی ایک ضعیف عورت عمدہ بنت غیاث الدین بن محمود جوزقانی نے مجھے آواز دی کہ بیٹا شمس الدین! میرے پاس آو، میں اس کے پاس گیا، اس ضعیفہ نے کپڑے کا ایک تھان مجھے دیا۔ میں نے کہا: ابھی تک ہم کو باطن سے کوئی حکم نہیں ہوا ہے، ہم کیوں کر اس کپڑے کا کفن مبارک بنا سکتے ہیں۔ تب اس ضعیفہ نے بیان کیا کہ میں نے یہ تھان باوضو روز جمعہ کو سوت کات کر نمازی سفید باف سے باوضو بنوایا ہے اور اپنے کفن کے واسطے رکھا تھا۔ آج شب کو میں نے حضرت شیخ فرید الدین بابا علیہ الرحمہ کے بھانجے حضرت بادشاہ دوجہاں مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے فرما رہے ہیں تم یہ تھان فروخت کرتی ہو، اس کی قیمت کیا لوگی؟ میں نے عرض کی کہ اس کی قیمت میں جنت لوں گی۔ حضرت مخدوم صابر نے فرمایا کہ یہ تھان میرے حضرت بابا صاحب کے

لباس منور کے واسطے شمس الدین کو بلا کر دے دو، میں تم کو اس کے عوض میں پانچ جنتیں دوں گا، اور وہ پانچوں جنتیں مجھے دکھا بھی دی ہیں اور میں نے اس کی قیمت بھی وصول کرلی ہے، اس لیے تمھیں یہ تھان دیتی ہوں۔

جب حضرت خواجہ شمس الدین نے اس ضعیفہ سے یہ حکم سنا تو تھان لے لیا۔ شیخ نجم الدین متوکل، صاحب زادہ بدر الدین اور مولوی بدر الدین اسحاق کی صلاح پر نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ اپنے ہاتھ سے کفن تیار کیا اور جسد اطہر کو غسل دے کر کفن پہنایا۔ اور ۶/ محرم الحرام ۶۶۴ھ بروز سہ شنبہ نماز اشراق کے بعد سرور دوعالم ﷺ اور حضرات خلفاے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ارواح مقدسہ کی رونق افروزی میں نماز جنازہ ادا کی گئی، اور آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

علیم اللہ ابدال نے حضرت خواجہ شمس الدین سے عرض کی کہ حضرت مخدوم صابر پاک نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم حضرت شیخ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین کے چار روز بعد میری خدمت میں حاضر ہوجانا۔

خلافت وجانشینی:

علیم اللہ ابدال یہ حکم پہنچا کر واپس ہوگئے اور حضرت خواجہ شمس الدین ۱۰/ محرم بروز یک شنبہ بعد نماز فجر کلیر شریف کو روانہ ہوئے۔ دو روز میں بارہ کوس کی زمین سوختہ پر پہنچے، جمال الدین ابدال خدمت بجالائے۔ ۱۲/ محرم الحرام بروز سہ شنبہ بعد نماز ظہر علیم اللہ ابدال کے ساتھ حضرت مخدوم صابر پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب کے ساتھ گولر کے درخت کے نیچے پس پشت کھڑے ہوگئے۔ مگر علیم اللہ ابدال کو تین روز تک اپنی حاضری کی اطلاع دینے کا موقع نہ ملا۔ ۱۵/ محرم الحرام بروز پنج شنبہ بعد نماز چاشت حضرت سید نظام الدین اولیا بھی اس جگہ تشریف فرما ہوئے اور حضرت خواجہ شمس الدین سے مل کر اسی طرح مودب کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد شیخ

نصیر الدین، شیخ عثمان اور محمد افضل ابدال بھی وہاں پہنچ کر مؤدب کھڑے ہو گئے۔ نماز ظہر کے بعد علیم اللہ ابدال نے موقع پاکر گزارش کی کہ حضرت خواجہ شمس الدین اور سلطان المشائخ سید نظام الدین دہلوی حاضر ہوئے ہیں۔ مخدوم صابر پاک ہوش و حواس میں آئے اور ارشاد فرمایا: بھائی کا مزاج اچھا ہے؟ سلطان المشائخ نے عرض کی حضور کی عنایت سے کامیاب ہوں۔

پھر مخدوم صابر پاک نے ارشاد فرمایا: شمس الدین تم آئے؟ آپ نے عرض کی: غلام حاضر ہے۔ مخدوم صابر پاک نے فرمایا: شمس الدین سامنے آؤ، تاکہ تمھیں اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کروں۔ حضرت خواجہ شمس الدین داہنی جانب سے دست بستہ حاضر ہوئے۔ صابر پاک کو استغراق ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ارشاد فرمایا: شمس الدین! تبرکات میں سے ہمارا سبز عمامہ نکال لاؤ۔ خواجہ شمس الدین نے جلد عمامہ نکالا اور دونوں ہاتھوں میں لے کر باادب سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت مخدوم صابر پاک کو استغراق کی حالت میں پایا، کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو بیعت امامت وارشاد سے مشرف کرنے کے لیے اپنا سیدھا ہاتھ آپ کی طرف بڑھایا، اسی وقت حضرت نظام الدین اولیا نے عمامہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا، خواجہ شمس الدین نے حسب معمول مخدوم صابر پاک کا دست مبارک اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا، مخدوم صابر پاک نے زبان مبارک سے بیعت امامت کے کلمات ارشاد فرمائے اور حضرت نظام الدین اولیا عمامہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے داہنی جناب کھڑے رہے۔ جب مخدوم صابر پاک کلمات ارشاد فرما چکے اور ولایت کی کیفیت باطن مکمل طور پر خواجہ شمس الدین کے باطن میں جاگزیں ہو گئی تو حضرت نظام الدین اولیا نے عمامہ مبارک پیش کیا۔ مخدوم صابر پاک نے سیدھے ہاتھ سے وہ عمامہ خواجہ شمس الدین کے سر پر رکھ کر اپنے سیدھے ہاتھ سے ایک پیچ ڈالا کہ اسی حال میں استغراقی کیفیت طاری ہو گئی۔ حسب معمول مخدوم صابر پاک کا داہنا ہاتھ انگشت شہادت علم ہو کر قلب کے برابر جا ٹھہرا اور بایاں ہاتھ کسی بھی حال میں گولر کے درخت کی ڈالی سے جدا نہ ہوا اور

حضرت نظام الدین اولیا اسی طرح عمامہ دونوں ہاتھوں میں لیے کھڑے رہے۔ غیب سے عمامہ خواجہ شمس الدین کے سر پر بندھ گیا، مگر دونوں اسی جگہ مؤدب کھڑے رہے۔ کچھ دیر بعد مخدوم صابر پاک کو حال استغراق سے افاقہ ہوا تب بایاں ہاتھ گولر کے درخت سے جدا ہوا، اس ہاتھ میں کاغذ موجود تھا، وہ فرمان خلافت خواجہ شمس الدین کو مرحمت فرما۔ آپ نے اسے بوسہ دیا، آنکھوں سے لگایا۔ مخدوم صابر پاک نے علیم اللہ ابدال کو حکم دیا کہ تم فرمان پڑھ کر سناؤ۔ علیم اللہ ابدال نے حکم کی تعمیل کی۔

جب علیم اللہ ابدال فرمان خلافت کا مضمون سنا چکے تو پھر مخدوم صابر پاک پر استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت نظام الدین اولیا نے مخدوم صابر پاک کے حکم پر فرمان خلافت پر گواہی تحریر کی۔ اس کے بعد فاتحہ کا اہتمام ہوا۔

اس وقت تمام نقبا، نجبا، رقبا، ابدال، اقطاب، رجال الغیب اور بیعت کا شرف پانے والے جنات موجود تھے۔

فاتحہ سے فراغت کے بعد حضرت نظام الدین اولیا، شیخ نصیر الدین اور شیخ عثمان علیہم الرحمہ نے مبارک باد دی۔ اور حضرت نظام الدین اولیا نے خواجہ شمس الدین سے مرتبۂ محبوبیت کے جملہ احکام ولوازم کی اجازت اور خاندان حنفیہ علویہ کی باطنی کیفیت کی تعلیم حاصل کی۔ حرز یمانی، سیف اللہ حرز مرتضوی، سلطان الاوراد غوثی معنوی وقیومی روحی اور ترتیب صابری کی تلاوت کی اجازت لی۔ اسی روز نماز عصر سے فراغت کے بعد خواجہ شمس الدین اور نظام الدین اولیا نے باہم مشورہ کر کے مخدوم صابر پاک کا حلیہ قلم بند فرمایا۔

حلیہ مبارک تحریر ہو جانے کے بعد نظام الدین اولیا نے دہلی کا عزم کیا۔

دم رخصت صابر پاک نے فرمایا کہ برادر تمھیں تو حضرت بابا صاحب محبوب الٰہی کر چکے ہیں، تم خدا کے محبوب ہو اور میں تم کو ابھی سے کہتا ہوں بھائی محبوب الٰہی تم رخصت ہوتے ہو، بہتر ہے، خدا حافظ۔

یہ مژدہ سن کر محبوب الٰہی اپنے خلفا کے ساتھ دہلی چلے آئے۔ اس وقت سے

مکمل تین دن تک مخدوم صابر پاک کو استغراق کامل رہا۔ ۱۸ر محرم الحرام ۶۶۴ھ بروز دو شنبہ بعد نماز چاشت مخدوم پاک نے خواجہ شمس الدین کو آواز دی۔ آپ نے عرض کی غلام حاضر ہے اور پس پشت مبارک سے داہنی جانب آکر کھڑے ہوگئے۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر نے اپنی وفات کے دن جو نامہ خواجہ شمس الدین کو عطا کیا تھا اسے ملاحظہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ شمس الدین! اس نامہ کو حضرت بابا صاحب کے حکم کے مطابق بحفاظت اپنے پاس رکھو اور علیم اللہ ابدال کے پاس جو تبرکات ہیں وہ بھی اپنے پاس رکھو۔ علیم اللہ ابدال نے اسی وقت حضرت شاہ منور علی الہ آبادی کے بھیجے ہوئے تمام تبرکات (جو کلیر کی تباہی کے بعد حضرت محمد غفور ابدال کے ہاتھ انھیں موصول ہوئے تھے) اور حضرت شاہ سیف الدین عبدالوہاب بن غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور شاہ عبدالرحیم (مخدوم صابر پاک کے والد بزرگ وار) کے تمام تبرکات، مکتوبات اور اسناد آپ کے سپرد کر دیے۔ مخدوم صابر پاک نے کیفیت باطن کے چند امور کی زبانی تعلیم سے آپ کو فیض بخشا اور ارشاد فرمایا کہ شمس الدین جو کلمہ ہماری زبان سے صادر ہوا کرے اس کو تم تحریر کر لیا کرو اور اس کا نام ”صحیفۂ بیان صابری“ رکھو۔ چناں چہ مخدوم صابر پاک کی زبان مبارک سے جو کلمات صادر ہوئے اسی روز سے آپ نے انھیں ”صحیفۂ بیان صابری“ میں تحریر کیا، اور جو احکام آپ سے متعلق تھے انھیں اپنے مکتوب میں لکھا۔

خواجہ شمس الدین اپنے مکتوب ”فردوس الوجوب“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”خلافت پانے کے دن سے قہر کی آتش کسی روز شرر افشاں نہ ہوئی صرف گرجنے کی طرح ایک آواز ہوا کرتی تھی۔ حضرت مخدوم صابر پاک بدستور الٹے ہاتھ سے گولر کے درخت کی ڈالی پکڑے ہوئے، سیدھے ہاتھ سے مٹھی بند کر کے انگشت شہادت قلب کے برابر اٹھائے ہوئے حالت استغراق میں کھڑے تھے، کامل انیس برس یہی حال رہا اور حضرت کی مہر ولایت جو پس پشت سیدھے شانے کے نیچے تھی، اس سے ہر وقت انوار اس قدر چمکتے تھے کہ رات کو اس کی روشنی، دن سے زیادہ رہتی تھی، اور دن کو کبھی آفتاب کی

تمازت محسوس نہیں ہوتی تھی، شب ایام بہار کی طرح ہر وقت خنک رہا کرتی تھی۔ صبح کو جب نماز کا وقت ہوتا میں اذان کہتا۔ اس وقت حضرت بادشاہ دو جہاں مخدوم علاء الدین علی احمد صابر ارشاد فرماتے: شمس الدین! شریعت بھی کیا اچھی چیز ہے کہ حضوری میں سے دربار میں لے آتی ہے، یہ ارشاد فرما کر مجھ کو امام بنا دیتے نماز کی پہلی ہی رکعت میں حضرت ممدوح کو استغراق ہو جاتا تھا۔ نماز کے پانچوں وقت اسی طرح اتفاق ہوتا تھا۔ اور خلافت کے روز سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ تیسرے روز جب حضرت موصوف کو حال استغراق سے افاقہ ہوتا تھا تو ہوش و حواس باقی رہنے تک مجھ کو مرتبہ اسفل طبیعت سے حضرت ذات احدیث صرفہ تک ہر ایک مرتبہ کے آداب، احکام، آثار، اصطلاح، حسنات، سیئات، اذکار، اشغال، افکار، اسرار کی تعلیم فرماتے تھے، اور کبھی کبھی اس حواس کی حالت میں فرماتے: شمس الدین! کچھ موجود ہے؟ میں گولریاں پیش کر دیتا، حضرت موصوف دو ایک گولریاں ہونٹوں میں دبا کر تھوک دیتے، میں ان گولروں کو اپنے پاس جمع کر لیتا تھا۔

حبس کبیر کی ریاضت:

۱۹ر محرم الحرام ۶۸۴ھ بروز چہار شنبہ اشراق کے وقت مخدوم صابر پاک گولر کے درخت کے پاس سے قدیم جاے اقامت پر تشریف لے آئے، زمین پر نگاہ ڈالی تو فوراً یاقوت کے مثل سرخ روشنی اس محدود زمین میں سے (جس کو مخدوم صابر پاک نے آتش قہر کی شرر افسانی شروع ہونے کے دن امن عطا فرمایا تھا) نکلنے لگی اور آسمان تک محیط ہو گئی۔ اس وقت حضرت نے ارشاد فرمایا: شمس الدین آج سے تم چھ سال کے لیے حبس کبیر میں مقید ہو جاؤ اور عالم ناسوت کی طرح تم ایک قبر تیار کر لو۔

آپ نے عرض کی! حضرت یہاں قبر تیار کرنے کا سامان موجود نہیں ہے۔ حضرت موصوف نے داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے پیٹھ کے پیچھے زمین پر خط کا اشارہ فرمایا۔ انگشت شہادت کا سایہ جائے اقامت سے پس پشت نو قدم کے فاصلے پر گولر کے

درخت پر جا پڑا، اسی وقت زمین شق ہوگئی۔ مخدوم صابر پاک نے فرمایا: شمس الدین اس شگاف میں داخل ہو جاؤ۔ آپ حکم پاکر اس میں داخل ہو گئے۔ اس میں جاکر دیکھا کہ عالم ناسوت کے مثل ایک قبر تیار ہے اور علیم اللہ ابدال ان کے منتظر ہیں، جب آپ قبر میں بیٹھ گئے تو علیم اللہ ابدال نے ٹھنڈے پانی سے بھرا ہوا ایک لوٹا، چنے اور جو کی دو روٹیاں پاس رکھ دیں اور عرض کی جب کبھی کھانے کی خواہش ہو تو ان روٹیوں میں سے کھا لینا اور پانی کی خواہش ہو تو اس لوٹے سے پی لینا اس کے بعد بیش قیمت نہایت عجیب و غریب سنگ سرخ کے تختوں سے قبر کو بند کر دیا۔

حبس کبیر سے باہر آنا:

آپ اپنے مکتوب فردوس الوجوب میں علیم اللہ ابدال کے بیان کے مطابق تحریر فرماتے ہیں:

چھ برس گزرنے کے بعد ۹/ صفر ۶۸۹ھ بروز جمعہ عصر کے وقت حضرت مخدوم صابر پاک نے بہ خبر باطن علیم اللہ ابدال کو حکم دیا کہ شمس الدین کو حبس کبیر میں سے بلا لاؤ۔ حکم کے مطابق علیم اللہ ابدال نے غار میں گھس کر بر سر قبر سات مرتبہ مجھ کو آواز دی تو میں نے سمجھا کہ یہ آواز ''ألست بربكم'' کی ہے۔ میں ''بلی'' کہنے لگا۔ پھر علیم اللہ ابدال نے سات مرتبہ مجھ کو آواز دی۔ اس وقت میں نے یہ سمجھا کہ اب ''فاسجدو'' کا حکم ہو رہا ہے، میں سجدہ کرنے لگا۔ پھر علیم اللہ ابدال نے سات مرتبہ مجھ کو آواز دی تو میں نے یہ سمجھا کہ یہ آواز ''کن'' کی ہے، پھر سات مرتبہ مجھ کو آواز دی تو یہ سمجھا کہ اب وجوب ہے، پھر سات مرتبہ آواز دی تو میں نے سمجھا کہ اب عالم ارواح سے برزخ صغرا میں آیا، پھر سات مرتبہ مجھ کو آواز دی تو میں نے یہ سمجھا کہ عدم سے وجود میں ابھی آیا ہوں، پھر سات مرتبہ مجھ کو آواز دی، اس وقت میں نے یہ سمجھا کہ کوئی کسی کو پکارتا ہے۔ پھر علیم اللہ ابدال نے مجھ کو سات مرتبہ آواز دی تو میں نے یہ سمجھا کہ کوئی شمس الدین تیرے پاس ہے اس کو کوئی شخص پکارتا ہے، پھر انھوں نے مجھ کو سات مرتبہ آواز دی تو میں نے آنکھ کھول کر دیکھا اور آواز دی

کہ توکون ہے اور کس شمس الدین کو پکارتا ہے ؟ اور تیرا مقصد کیا ہے ؟

علیم اللہ ابدال متحیر ہوکر مخدوم صابر پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ خواجہ شمس الدین کو میں نے اس قدر آواز دی اور ان پر یہ حالات گزرے۔ نویں بار آواز دینے پر حضرت ممدوح نے فرمایا کہ توکون ہے اور کس شمس الدین کو پکارتا ہے اور تیرا مقصد کیا ہے۔

حضرت مخدوم صابر پاک نے ارشاد فرمایا: علیم اللہ! جاکر یوں کہو کہ صابر کے شمس ارضی کو بحکم مخدوم بلاتا ہوں۔ علیم اللہ ابدال نے مخدوم پاک کے حکم کے مطابق مجھ کو پکارا۔ اس وقت میں نے سمجھ کر جواب دیا کہ مجھ کو پکارتے ہو؟ علیم اللہ ابدال نے قبر کا تختہ اٹھایا۔ میں نے چنے اور جو کی آدھی روٹی اور آدھا لوٹا پانی جو مجھ سے بچ گیا تھا ان کو دے دیا، اور جس راستے سے میں شق زمین کے نشیب میں گیا تھا اسی راستے سے باہر آیا، اور حضرت مخدوم پاک کو قیام گاہ پر (جہاں اب مزار مقدس ہے) روبہ قطب دوزانوں بیٹھا ہوا دیکھا۔"

قلعہ آمیر کی فتح:

خواجہ شمس الدین حبس کبیر کی فراغت کے بعد مخدوم صابر پاک کی خدمت میں حاضر ہوکر آداب بجالائے اور قدم بوس ہوکر پس پشت مبارک باادب کھڑے ہو گئے۔ حضرت مخدوم صابر پاک نے بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا: شمس الدین تم شہر آمیر چلے جاؤ، وہاں پر علاء الدین غوری قلعہ آمیر سے لڑ رہا ہے اور اس سے قلعہ فتح نہیں ہو سکتا، جب تم اپنی انگلی اٹھاؤ گے، قلعہ کا برج زمین پر بیٹھ جائے گا اور قلعہ فتح ہو جائے گا، لیکن وہی دن ہماری وفات کا ہے۔ ۱۳؍ ربیع الاول ۶۹۰ھ بروز چہار شنبہ بعد نماز ظہر یہ معاملہ ہو گا۔ آپ نے عرض کی غلام کو حضور انور کی وفات کا علم کیسے ہو گا۔ مخدوم پاک نے فرمایا:

چہار شنبہ کا دن گزار کر جب پنج شنبہ کی رات آئے گی تو اس قدر تند اور سرد ہوا چلے گی کہ پورے لشکر کی سب روشنی سرد ہو جائے گی، بلکہ آگ بالکل باقی نہ رہے گی، اس دن

صرف تمھارا ہی چراغ روشن ہوگا اور تمام عالم کے چراغ گل ہوجائیں گے، اس سے تمھیں معلوم ہوجائے گا۔ اس وقت بادشاہ تمھارے چراغ کی روشنی دیکھ کر حاضر ہوگا۔ پنج شنبہ کی صبح تم قلعہ کی طرف انگلی اٹھاؤ گے تو قلعہ فتح ہوجائے گا اور علیم اللہ ابدال کو تمھاری خدمت پر مقرر کیا جائے گا۔ یہ ابدال ہمارے جد امجد حضرت غوث پاک قطب عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے چلا آتا ہے، تمھارے پاس رہا کرے گا اور تمام عالم کی خبر رسانی کرتا رہے گا۔

۱۳؍ صفر ۶۸۹ھ بروز سہ شنبہ نماز صبح کے وقت حضرت شمس الدین تمام اسناد خلافت مکتوبات، اوراد منضبطہ اور ہر قسم کے تبرکات، ملبوسات وغیرہ لے کر آمیر شہر کی جانب روانہ ہوئے۔ جب بارہ کوس کی حد پر پہنچے تو جمال الدین ابدال نے زمین سوختہ پر متعیّن ایک سو جنات کے ساتھ آپ کی قدم بوسی کی اور عرض کرنے لگے مخدوم پاک کی بارگاہ میں کیفیت باطن کے لیے ہماری سفارش کرنا ضروری ہے۔ آپ نے وعدہ فرمایا کہ مجھ کو باطن سے تیرے بارے میں معلوم ہوگیا ہے، تو ہی حضرت مخدوم پاک کی خدمت پر کار بند ہوگا۔ اور مجدد کے زمانے تک بلکہ تا یوم قیام تو ہی یہاں رہے گا۔ پھر جمال الدین ابدال نے آپ سے عرض کی: حضور مجھ کو اپنے طریقے میں داخل فرمالیں، آپ نے اسی وقت ان کو سو جنات کے ساتھ داخل سلسلہ کیا۔ اور وہاں سے ۱۴؍ صفر بروز چہار شنبہ صبح کے وقت شہر آمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ چھٹے روز (۱۹؍ صفر روز دو شنبہ بعد نماز عصر) علاء الدین غوری کے لشکر میں شامل ہوئے اور شیخ سلیمان بن عبد الصمد خراسانی کے یہاں قیام پذیر ہوئے۔ اسی رات میں شیخ سلیمان کو بیعت توبہ سے مشرف کیا اور کہہ دیا کہ ہمارا حال کسی سے بیان مت کرنا۔ صابری رنگ کی ایک چادر (یعنی ببول کی چھال اور گل ارمنی میں رنگ کر) کسی لکڑی وغیرہ کے سہارے کے بغیر کھڑی کر لی تھی شب کو تمام اقطاب، اغواث، رقبا، نقبا، نجبا، ابدال و رجال الغیب حاضر ہوا کرتے تھے اور دن کو ان کے ہم عصر اولیاے کرام ملاقات اور حاجت عرض کرنے کے لیے تشریف لاتے تھے، مکمل ایک سال تک یہی حال رہا۔

۱۳؍ ربیع الاول ۶۹۰ھ بروز پنج شنبہ نصف شب کے قریب خواجہ شمس الدین نے حاضرین سے فرمایا:

"آج تم تشریف لے جاؤ، فقیر کی طبیعت اس وقت حاضر نہیں ہے"۔ جب سب حاضرین رخصت ہو گئے اور تنہائی ہوئی تو آپ نے شیخ سلیمان خادم سے ارشاد فرمایا: چراغ ہمارے پاس رکھ دو کہ کلام اللہ شریف کی تلاوت سے دل بہلاؤں۔ جب شیخ سلیمان نے چراغ رکھ دیا تو آپ نے فرمایا: سلیمان! چراغ کی روشنی تیز کر دو مجھ کو کلام مجید کے حروف نظر نہیں آتے، صرف مخدوم صابر پاک کی نورانی صورت نظر آ رہی ہے۔ خدا خیر کرے، آج کیا ہونے والا ہے۔ کچھ دیر بعد تند اور سرد ہوا نہایت شدت کے ساتھ چلی تمام لشکر کے چراغ گل ہو گئے اور آگ سرد ہو گئی۔ خواجہ شمس الدین چراغ کی روشنی میں کلام اللہ شریف کی تلاوت کرتے رہے۔ ایک پہر رات باقی تھی کہ، علاء الدین غوری حاکم لشکر نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور پوشیدہ رہے اور میری فوج یہاں پر تباہ ہو گئی۔ حضور ولایت ہفت اقلیم کے بادشاہ ہیں مجھ لاچار کی مدد فرمائیں کہ کفار پر فتح پا جاؤں۔

آپ نے جواب میں فرمایا: تو نے کیسے جانا کہ میں شاہ ولایت ہوں؟

اس نے عرض کی حضرت تمام لشکر کے چراغ گل ہو گئے اور آگ سرد ہو گئی اور حضور کا چراغ روشن ہے۔ یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ مجھ کو نجومیوں نے اس شب کے احوال کی مفصل خبر دی تھی۔ اس کے مطابق میں دیکھ رہا ہوں، مجھ کو معلوم ہے کہ حضور کے انگلی اٹھانے سے قلعہ فتح ہو جائے گا۔

آپ نے علاء الدین غوری سے فرمایا کہ تم صبح کو ہم سے کہنا۔ وہ آپ کے پاس سے تھوڑی دور ہو کر صبح تک دست بستہ کھڑا رہا۔ ۱۴؍ ربیع الاول ۶۹۰ھ پنج شنبہ کی صبح حرز یمانی شریف سیف اللہ حرز مرتضوی، ترکیب غوثی معنوی کا ورد کر کے انگشت شہادت پر دم کیا اور قلعہ کی جانب اشارہ فرمایا، اسی وقت قلعہ کے حصار کا برج زمیں بوس ہو گیا اور

علاء الدین غوری کا لشکر قلعہ آمیر میں داخل ہو گیا، لشکر میں فتح کے شادیانے بجنے لگے اور فوج مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئی۔

مخدوم پاک کی وفات:

آمیر کا قلعہ فتح ہو جانے کے بعد خواجہ شمس الدین نے اپنا کلام اللہ شریف اسلم بن محمود بن نعیم کے ہاتھ گیارہ روپے شکرانہ پر ہدیہ فرمایا، اور اس میں سے آٹھ روپے کا پندرہ گز سبز اونی کپڑا کفن کے واسطے اور ایک روپے کا دو گز سفید اونی کپڑا تہ بند کے لیے خریدا، اور دو روپے میں میں سے آٹھ آنے کا دو رطل گھی، آٹھ آنے میں تین رطل سفید شکر، آٹھ آنے میں دو رطل گندم کا میدہ اور قدرے چنا، چار آنے میں آہنی توا، دو آنے میں ایک ہنڈیا، ایک آنے میں چھوٹی صراحی اور لوٹا اور مٹی کا طباق اور ایک آنے میں لکڑی کا کف گیر خریدا، تمام تبرکات اور اسناد کمر سے باندھے اور توشہ کا سامان ہاتھوں میں لے کر اسم اعظم چشتیہ کی تلاوت کرتے ہوئے کلیر شریف کی جانب روانہ ہوئے، بزور ولایت بڑی تیزی سے جا رہے تھے کہ راستے میں علیم اللہ ابدال آہ وزاری کرتے ہوئے ملے اور عرض کرنے لگے کہ آج سات دن کا عرصہ گزر گیا کہ مجھ کو مخدوم صابر پاک نے عالم وجوب میں حضور انور (خواجہ شمس الدین) کی خدمت میں رہنے کا حکم دے کر بھیجا تھا، آج حضور کی قدم بوسی حاصل ہو رہی ہے، اس قدر دیر میں پہنچنے کا سبب میرے علم میں نہیں، اب جو کچھ ارشاد ہو بجا لاؤں۔ خواجہ شمس الدین نے ان سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ چلے آؤ اور بتاؤ کہ میری روانگی کے بعد حضرت مخدوم پاک کس حالت میں رہے؟ اور تم اپنی روانگی کے وقت کس کیفیت میں دیکھ کر چلے ہو؟ انھوں نے عرض کی جس حال پر جناب ملاحظہ فرما کر تشریف لائے تھے اسی حال پر میں نے تشریف رکھتے دیکھا ہے، کوئی تازہ حال میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔ لیکن جس وقت یہ خادم حضرت کی خدمت سے رخصت ہوا آپ دو زانو روبہ کعبہ اس محفوظ جگہ جہاں اب مزار شریف ہے اس کے قریب بیٹھے تھے۔ گفتگو ختم ہونے کے بعد پچاس قدم کے فاصلے پر خواجہ شمس الدین کو ٹھوکر لگی اور زمین پر

گر پڑے، کچھ دیر بعد اٹھ کر دیکھا تو کلیر شریف کی سر زمین پر تھے اور علیم اللہ ابدال ہم راہ نہ تھے۔ جمال الدین ابدال کو ایک سو جنوں کے ساتھ محفوظ زمین سے تھوڑے فاصلے پر دیکھا اور ان سے آگے صحرا کے تمام چرندو پرند کو اس محفوظ زمین سے متّصل حلقہ بند پایا، اور اس احاطہ انوار میں یاقوت کے مثل سرخ نور اس کثرت سے آسمان تک بلند دیکھا کہ اندرون احاطہ کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔

تکفین اور نماز جنازہ:

سب سے پہلے خواجہ شمس الدین نے احاطہ انوار سے باہر مشرق کی جانب گولر کے درخت کے قریب توشہ تیار کیا اس کے بعد توشہ لے کر آنکھیں بند کیے ہوئے مخدوم پاک کے جسم اطہر کے قریب پہنچے اور وصیت کے مطابق غسل اور کفن پہنانے کی خدمت انجام دی۔ پھر آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حضرت مخدوم کا جسم اطہر اس قیام گاہ پر ہے جہاں اب مزار مبارک ہے، اور معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز کا وقت قریب ہے۔ اس وقت آپ نے افسوس کیا کہ ایسے شیخ اجل کی نماز جنازہ میں تنہا پڑھوں، اس خیال میں جانماز بچھائی کہ اتنے میں دور سے ایک بزرگ صابری لباس پہنے، چہرے پر نقاب ڈالے، نقرہ گھوڑے پر سوار اور ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے مغرب کی جانب سے آتے دکھائی دیے۔ جلد قریب پہنچ کر آواز دی شمس الدین خبر دار! نماز مت پڑھنا۔ اور بہت جلد گھوڑے سے اتر کر جانماز پر کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھائی۔ خواجہ شمس الدین نے جب نماز کا سلام پھیر کر دیکھا تو شمال سے جنوب تک صف در صف رقبا، نجبا، ابدال، اغواث، رجال الغیب، جنات اور ملائکہ کو نماز میں شامل پایا۔ نماز جنازہ سے فراغت کے بعد آپ نے توشہ مبارک پر فاتحہ کا اہتمام کیا۔

فاتحہ کے بعد جب امام گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو خواجہ شمس الدین کے دل میں خیال آیا کہ اگر کسی نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تمھارے شیخ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی تو میں کیا جواب دوں گا۔ یہ سوچ کر آپ گھوڑے کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی لگام پکڑ کر عرض کی حضرت! آپ کون ہیں؟ یہ عرضی سن کر امام نے گھوڑے کو دوڑا دیا اور پلک

جھپکتے چہرہ انور سے نقاب ہٹا کر ارشاد فرمایا: شمس الدین! فقیر کی نماز فقیر ہی پڑھا کرتا ہے۔ یہ ارشاد سن کر جب آپ نے چہرہ انور کو دیکھا تو فوراً غفلت طاری ہوگئی اور گھوڑے کی لگام ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ زمین پر گر پڑے۔

جب خواجہ شمس الدین کو ہوش آیا تو دیکھا کہ علیم اللہ ابدال آپ کا تلوا آہستہ آہستہ سہلا رہے ہیں۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کون سی جگہ ہے، علیم اللہ ابدال نے عرض کی یہ جگہ شہر فرخار ہے جو ترکستان سے متعلق ہے۔ پھر آپ نے سوال کیا کہ آج کون سا دن ہے؟ علیم اللہ ابدال نے عرض کی: حضور آج ماہ ربیع الاول ۶۹۰ھ کی پندرہویں تاریخ اور جمعہ کا دن ہے اور سوا پہر دن چڑھا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ علیم اللہ ابدال جس وقت میرے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام چھوٹی تھی اور میں گر پڑا تھا تم کہاں تھے؟ علیم اللہ ابدال نے عرض کی: جس وقت حضور انور کے دست مبارک سے لگام چھوٹی تھی اور حضور والا گر پڑے تھے تو میری نظر سے غائب ہوگئے تھے۔ میں بے اختیار ترکستان کے دار السلطنت میں پہنچ گیا اور مرتبہ ابدال سے معطل ہوگیا۔ مجبور ہو کر میمونہ نامی ایک عورت کے گھر مقیم ہو کر عالم خاموشی میں رہا، جب حضور انور نے مرتبہ بطون سے ظہور فرمایا اور اس جگہ موجود ہوئے تو میرے قلب پر القا ہوا، اور بحکم باطن اسی وقت سے کیفیت ابدالی پر مامور ہو کر یہاں خدمت میں حاضر ہوں۔

پانی پت کو روانگی:

۱۷/ ربیع الاول ۶۹۰ھ بروز یک شنبہ صبح کے وقت علیم اللہ ابدال کو ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ مکمل ایک سال تک کوہ ترکستان پر قیام فرما رہے یہاں رقبا، نجبا، نقبا، اقطاب، اغواث، ابدال، رجال الغیب اور ملک عرب کے ہم عصر اولیائے کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک سال کے بعد ملک خُطا کی طرف روانہ ہوئے۔ تین ماہ تک اس ملک کے شہر و دیار میں مقیم رہے اور ملک خُطا کے بادشاہ طاہر کو مسلمان کر کے ملک کاشان تشریف لے گئے۔ وہاں تیرہ روز قیام رہا پھر طہران تشریف لے گئے اور

اپنے عم زاد سید عبدالغفور کے مکان پر نو ماہ قیام پذیر رہے، وہاں سے وحش پہنچ کر پہاڑ کے قریب چھ ماہ قیام فرمایا، یہاں تمام ابدال حاضر ہو کر فیض یاب ہوا کرتے تھے۔ وہاں سے بدخشاں پہنچ کر سات روز اقامت پذیر رہے۔ وہاں سے قندھار جاکر گیارہ روز تشریف فرما رہے اور وہاں سے کابل پہنچے اور طریقۂ چشتیہ کے درویش مظہر شاہ کے مکان پر اکتالیس روز قیام فرمایا، وہاں سے پشاور گئے اور دو روز رہے پھر لاہور پہنچے اور وہاں غوث نظام احمد عرف محمود اکبر کے مکان کو زینت بخشی، پھر وہاں ایک دن ایک رات میں اسم اعظم چشتیہ کی تلاوت فرماتے ہوئے بزور ولایت ۴؍ ذی قعدہ ۶۹۳ھ بروز یک شنبہ عصر کے وقت شہر پانی پت میں داخل ہوئے۔ دو برس آٹھ مہینے بیس روز سفر میں گزرے۔ شہر پانی پت میں تین سال تین ماہ سلوک و معرفت کی تعلیم میں مصروف رہے۔ ہر روز، رقبا، نجبا، نقبا، ابدال، اقطاب، اور رجال الغیب حاضر ہو کر باطنی احکامات کی تعمیل بجالایا کرتے تھے، اور درج ذیل اولیاے کرام مجلس میں شریک رہا کرتے تھے۔

شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی، سید علی صاحب موعظمی، سید امیر حسینی صاحب ''مجموع الحرز''، شیخ سلطان ولد قدس، سلطان رحمت اللہ، صاحب ''کرامۃ الحق''، شاہ فضل اللہ شیخ، امام الدین ابدال صاحب سلسلہ قلندریہ، سید اجمل امجد، صاحب ''ماثورہ سبحان''، شیخ جلال عبد القادر قطب المدار، شیخ ابن مطرف اندلوسی، صاحبِ ''صفات الحریق''، شیخ جلال الدین غوث اور شیخ راجی قتال بخاری علیہم الرحمہ والرضوان۔

خواجہ شمس الدین کی بارگاہ میں شاہ جلال الدین کی حاضری اور بیعت:

۱۱؍ محرم الحرام ۶۹۷ھ بروز دوشنبہ ظہر کے وقت خواجہ محمد ابوالخیر فغنوی اپنے خلیفہ علی رحیم تنی کے ہم راہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کی محفل میں حاضر ہوئے، اس وقت خواجہ محمد پارسا بھی شریک محفل تھے۔ خواجہ شمس صاحب نے فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ ان دونوں نے آہستہ سے اپنا مدعا بیان کیا کہ حضور انور کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے ہیں۔ یہ بیان سن کر خواجہ محمد پارسا نے کہا: حضرت! یہ دونوں آپ کی خدمت میں میری شکایت

کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں، میں نے ان کے پیر خواجہ عارف ریوگڑھی کی کیفیت باطن سلب کرلی ہے کیوں کہ وہ بہت غافل رہتے تھے، خلق اللہ پر نہایت ظلم ہوتا تھا۔

یہ معاملہ سن کر خواجہ شمس الدین نے خواجہ محمد ابوالخیر فغنوی کو مہمان رہنے کا حکم دیا اور علیم اللہ ابدال کو خواجہ عارف ریوگڑھی کے پاس بھیجا کہ وہ انھیں بلا لائیں۔ علیم اللہ ابدال اسی روز خواجہ عارف ریوگڑھی کو حاضر بارگاہ ہونے کی خبر سنا کر واپس گئے۔ ۹/ ربیع الاول ۷۶۹ھ بروز دوشنبہ صبح کے وقت خواجہ عارف بھی تشریف لے آئے۔ ۱۲/ ربیع الاول بروز پنج شنبہ نماز صبح کے قریب حضرت شاہ جلال الدین قلندر ثالث خواجہ شمس الدین کی خدمت میں حاضر ہوکر آداب بجالائے۔ حضرت خواجہ شمس صاحب نے بے ساختہ فرمایا: جلال الدین قلندرانہ آتش عشق لے کر آئے ہیں۔ شاہ جلال الدین قدم بوس ہوکر دوبارہ جاں نثاری کے آداب بجالائے۔ آپ نے حکم دیا کہ حاضر رہو۔ نماز ظہر کے بعد خواجہ محمد پارسا دورہ کرتے ہوئے تشریف لائے۔ نماز عصر کے قریب محبوب الٰہی کے خلفا شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی، شیخ عثمان، شیخ شہاب الدین اور حکیم صدر الدین آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ (حضرت محبوب الٰہی نے چار روز پہلے ہی ان حضرات کو بالہام باطن ان کی بارگاہ میں روانہ کردیا تھا) جب سب نے عصر کی نماز کا سلام پھیرا تو دیکھا کہ محبوب الٰہی بھی نماز کی جماعت میں شریک ہیں۔

بعد نماز عصر آپ نے تمام اولیاے کرام وعلماے عظام اور دوسرے عوام الناس کی محفل ترتیب دی اور شاہ جلال الدین کو اپنے سامنے بٹھاکر بیعت امامت وارشاد سے مشرف فرمایا، اور اپنے ہاتھ سے اپنی کلاہ مبارک اڑھاکر سبز عمامہ باندھا اور خرقہ پہنایا۔ اور کبیر الاولیا قلندر ثالث کا خطاب دے کر سند خلافت شرکاے محفل کو سنائی اور انھیں عطا کردی۔ پھر القاب باطنی سے سب کو مطلع کیا، اسی وقت سلطنت ولایت کی باطنی کیفیت آپ کے باطن میں جاگزیں فرمادی۔ تمام تبرکات، اسناد خلافت، شب وروز کے اوراد ووظائف، مکتوبات اور ملبوسات عنایت فرماکر اپنے منصب پر فائز کردیا اور کہا کہ ہم

سے تو مجدد نہ ہوا شاید تم سے ہو، نظر رکھنا۔ پھر علیم اللہ ابدال کا ہاتھ، ہاتھ میں دے کر فرمایا: علیم اللہ تمھارے سپرد کیا جاتا ہے، تم اس کی خبر لیتے رہنا، تاحیات یہ تمھاری خدمت گزاری میں مصروف رہے گا، اور تمام عالم کی خبر پہنچاتا رہے گا۔ یہ اوپر سے تفویض ہوتا چلا آتا ہے۔

جلسۂ خلافت سے فارغ ہونے کے بعد خواجہ شمس الدین صاحب نے شاہ جلال الدین کو حبس کبیر کی ادائگی کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: جلال الدین بابا! تو برزخ صغریٰ تیار کر اور سنگ سرخ کا تختہ لگا کر اوپر سے مٹی ڈلوادے اور چھ مہینے کے لیے اس میں بیٹھ جا، یہ غلام صابر تو برزخ میں چھ سال بیٹھا رہا۔ حضرت مخدوم صابر پاک علیہ الرحمہ کی جانب سے تیرے لیے چھ مہینے مقرر ہوگئے ہیں۔ شاہ جلال الدین نے عرض کی حضور! یہاں کھودنے کے اوزار کہاں ملیں گے کہ جس سے برزخ تیار کروں؟ پھر خواجہ شمس الدین علیہ الرحمہ نے علیم اللہ ابدال کو حکم دیا کہ تو جلد اس جگہ جا جہاں وجود فقیر کے قائم رہنے کا حکم ہے، حضرت مخدوم صابر پاک علیہ الرحمہ کا اسم باطنی سات مرتبہ پڑھ کر داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت پر دم کر کے اشارہ کرنا، اسی وقت زمین شق ہو کر برزخ صغریٰ تیار ہو جائے گی۔ اس کے بعد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مقدس کے پا انداز میں پتھر کے جو گیارہ تختے رکھے ہوئے ہیں ان میں سے سرخ پتھر کا ایک تختہ اٹھالا، جس کا طول ڈھائی گز اور عرض پندرہ گز ہے۔

علیم اللہ ابدال دونوں حکم بجالائے اور اسی وقت شاہ جلال الدین قلندر ثالث کو جو کی ایک روٹی اور ایک لوٹے میں پانی دے کر برزخ صغریٰ میں داخل کر دیا اور تختہ لگا کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔

وفات:

۱۹؍ شعبان ۷۶۹ھ بروز پنج شنبہ بعد نماز فجر علیم اللہ ابدال، خواجہ شمس الدین علیہ الرحمہ کا حکم پاکر شاہ جلال الدین کی ادائے حبس کبیر کی جگہ پہنچے اور حسب معمول

حبس کبیر سے باہر نکالا، انھوں نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر شرط غلامی ادا کی۔ تھوڑی دیر بعد محفل سماع منعقد ہوئی، خواجہ شمس الدین پر وجد طاری ہوا اور اسی محویت میں استغراق ہو گیا۔ ایک بزرگ اس محفل میں تشریف لائے اور شرکاے محفل سے فرمایا کہ جب اس فقیر کو ہوش آجائے تو ہمارا اسلام کہہ دینا اور کہنا کہ تو غافل تھا، ہماری ملاقات تجھ سے نہ ہوئی یہ فرما کر وہ چلے گئے۔ جب خواجہ شمس الدین کو حال استغراق سے افاقہ ہوا تو حاضرین محفل نے عرض کی: حضرت ایک نحیف جسم نقاب پوش درویش تشریف لائے تھے اور یہ پیغام دے کر چلے گئے ہیں۔ خواجہ صاحب پیغام سن کر نہایت بے قراری سے گریہ وزاری کرنے لگے اور فرمایا کہ افسوس! میرا شیخ تشریف لایا اور میں غافل رہا۔ اس روز سے خواجہ صاحب نے شاہ جلال الدین قلندر ثالث کے علاوہ کسی اور سے کلام نہیں کیا، اور کوئی آپ تک پہنچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی حال میں ۱۰؍ جمادی الآخرہ ۷۱۵ھ بروز چہار شنبہ بعد نماز عصر آپ دار فانی سے دار بقا کی جانب کوچ کر گئے۔ اسی شب اس جگہ مدفون ہوئے جہاں جلال الدین قلندر ثالث حبس کبیر میں مقید رہے۔

ایک ہزار عوام اور قرب و جوار کے فضلا، اولیا، مجاذیب، رقبا، نقبا، نجبا، ابدال، اغواث، اقطاب، رجال الغیب اور جنات مریدوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

(حقیقت گلزار صابری، ص: ۲۴۲ تا ۳۵۶)

منظومات

- شاہ نیاز احمد بریلوی
- تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی
- حضور محدث اعظم ہند کچھوچھوی
- مولانا حسن رضا خاں بریلوی
- مولانا بدر القادری مصباحی
- مولانا محمد قاسم مصباحی ادروی

شاہ نیاز احمد نیازؔ بریلوی

خواجۂ خواجگاں معین الدین
فخر کون ومکاں معین الدین

سرّ حق رابیاں معین الدین
بے نشاں را نشاں معین الدین

مظہر و جلوہ گاہ نور قدم
آفتابِ جہاں معین الدین

مرشد و رہنمائے اہل صفا
ہادی انس وجاں معین الدین

عاشقاں را دلیل راہِ یقیں
سدّ راہِ گماں معین الدین

قربِ حق اے نیاز گر خواہی
ساز وردِ زباں معین الدین

☆☆☆☆☆

آمدم با کمال عجز و نیاز | بردر خواجۂ غریب نواز
خواجۂ خواجگاں معین الدین | محرم سرّ حق ومحرم راز
آں کہ صیت کمال رحمت او | رفت از ہند تا عراق وحجاز
نتواں کرد شمۂ مدحش | فکر صد سال گر کند پرواز
برجبینش شدہ "حبیب اللہ | مات فی حبہ" زغیب طراز
گو غریبم ولے چہ باک مرا | بر غریباں نواز دارم ناز
وَاے برمن کہ گشت از دستم | نہ ادا حق روزۂ و نہ نماز
خستہ و پا شکستہ ام شاہا | کن بسویم تو دست لطف دراز
دارم امید واثق از کرمت | کہ بہ ہر دوسرا شوم ممتاز
لطف کن برمن اے شہنشۂ دیں | آمدم بردرت ز راہِ دراز
خواہم از جیب خاص تونظرے | دور کن از رُخم حجاب حجاز
جود تو عام بر انام بود | ذرہ ذرہ ہمیں کند آواز
من فقیرم تو شاہ من ہستی | از نوالِ خودم مشرف ساز
ختم بالخیر کار من گرداں | کو بنام تو کردہ ام آغاز

☆☆☆☆☆

محدث اعظم ہند سید محمد سیدؔ کچھوچھوی علیہ لرحمہ

غریب آئے ہیں در پر ترے غریب نواز
کرو غریب نوازی مرے غریب نواز

تمھارے در کی کرامت یہ بارہا دیکھی
غریب آئے یہاں ہو گئے غریب نواز

تمھاری ذات سے میرا بڑا تعلق ہے
کہ میں غریب بڑا تم بڑے غریب نواز

لگا کے آس بڑی دور سے میں آیا ہوں
مسافروں پہ کرم کیجیے غریب نواز

نہ مجھ سا کوئی گدا ہے نہ تم سا کوئی کریم
نہ در سے اٹھوں گا بے کچھ لیے غریب نواز

حضور اشرف سمناں کے نام کا صدقہ
ہماری جھولی کو بھر دیجیے غریب نواز

زمانے بھر میں مجھے کر دیا غنی سیدؔ
میں صدقے جاؤں تری جوگ کے غریب نواز

☆☆☆☆☆

استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں حسنؔ بریلوی علیہ لرحمہ

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

خفتگان شب غفلت کو جگا دیتا ہے
سالہاسال وہ راتوں کا نہ سونا تیرا

ہے تری ذات عجب بحر حقیقت پیارے
کسی تیراک نے پایا نہ کنارا تیرا

جورِ پامالیِ عالم سے اسے کیا مطلب
خاک میں مل نہیں سکتا کبھی ذرّہ تیرا

کس قدر جوشِ تحیر کے عیاں ہے آثار
نظر آیا مگر آئینہ کو تلوہ تیرا

گلشن ہند ہے شاداب کلیجے ٹھنڈے
واہ اے ابرکرم زور برسنا تیرا

کیامہک ہے کہ معطر ہے دماغ عالم
تختۂ گلشن فردوس ہے روضہ تیرا

تیرے ذرے پہ معاصی کی گھٹا چھائی ہے
اس طرف بھی کبھی اے مہر ہو جلوہ تیرا

تجھ میں ہیں تربیت خضر کے پیدا آثار
بحر و بر میں ہمیں ملتا ہے سہارا تیرا

ظل حق غوث پہ ہے غوث کا سایہ تجھ پہ
سایہ گستر سرِخدام پہ سایہ تیرا

تجھ کو بغداد سے حاصل ہوئی وہ شان رفیع
دنگ رہ جاتے ہیں سب دیکھ کے رتبہ تیرا

رشک ہوتا ہے غلاموں کو کہیں آقا سے
کیوں کہوں رشک دہ بدر ہے تلوا تیرا

جب سے تو نے قدم غوث لیا ہے سر پر
اولیاء سر پر قدم لیتے ہیں شاہا تیرا

محی دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدین ہے
اے حسن کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا بدر القادری بدؔر گھوسوی

لگائے آس کھڑے ہیں گدا، غریب نواز
فقیر دیتے ہیں در پہ صدا غریب نواز

ہو نور چشم حبیب خدا، غریب نواز
تمھی ہو نائب غوث الوری غریب نواز

ہیں اہل ہند کے سلطان والی اجمیر
ہماری ناو کے ہیں ناخدا غریب نواز

توجہات سے تیری ہیں وادیاں جل تھل
نگاہ لطف ادھر بھی اٹھا غریب نواز

کریم تم ہو، تمھارا ہے خانوادہ کریم
کرم کی بھیک دو بہر خدا، غریب نواز

طفیل خواجۂ عثمان، مرشدِ کامل
مجھے بھی بادۂ وحدت پلا غریب نواز

تمھارے ہوتے مسلمان مٹ نہیں سکتے
گداؤں کو ہے یہی آسرا غریب نواز

زمانے بھر میں ہر اک سمت عام ہے ساقی
تمھارا ساغر جود وعطا غریب نواز

بحکم سرور عالم بہ فیض غوث جلی
غریب بدؔر کے حاجت روا غریب نواز

☆☆☆☆☆

مولانا محمد قاسم مصباحی قاسمؔ ادروی

آپ کا رتبہ مرے خواجہ عظیم الشان ہے
ذاتِ اقدس آپ کی ظلّ شہ جیلان ہے
آپ کو دی ہے شہ دیں نے ولایت ہند کی
آپ کی جاگیر خواجہ ملک ہندوستان ہے
خواجۂ ہندوستاں بحر حقیقت آپ ہیں
آپ کے کاسے میں خواجہ بادۂ عرفان ہے
خضر کی ہے تربیت کا آپ میں ظاہر اثر
کیجیے نظر عنایت زور پر طوفان ہے
ہیں عطاے احمد مرسل مرے خواجہ پیا
شکل خواجہ میں رسول پاک کا احسان ہے
آپ کا منگتا کبھی محروم جاتا ہی نہیں
آپ کا دربار خواجہ منبع فیضان ہے
نقشبندی، سہروردی، ہو کہ چشتی، قادری
سلسلے چاروں ہیں برحق اس میں کیا خلجان ہے
آپ کے خادم ہیں جب خواجہ قطب ، صوفی حمید
پھر کوئی کیسے بتائے آپ کی کیا شان ہے
آپ ہی سے ہند میں پھیلی ضیا اسلام کی
مرکز رشد وہدایت آپ کا ایوان ہے
کیجیے نظر کرم قاسمؔ نظامی پر حضور
مدتوں سے در پہ آنے کا بڑا ارمان ہے

☆☆☆☆☆